

**TEXT LIGHT
WITHIN THE BOOK
ONLY**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222148

UNIVERSAL
LIBRARY

حکومتِ الہیہ اور علماء و مفکرین

مُؤْتَبَّہ

مولانا ابو محمد امام الدین
(درام نگری)

مکتبہ نشاۃ ثانیہ چنگ پورہ حیدر آباد دکن

اشاعت اول مارچ ۱۹۶۶ء (تعداد (ایک ہزار)

شائع کرنا

مکتبہ نشاۃ ثانیہ خپل گوڑہ حیدرآباد دکن

(مکتبہ) چارلز وائٹ آف

قیمت

(مطبوعہ)

مطبع مکتبہ ابراہیمیہ کلکتہ ۱۱ حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون و مصنف	صفحہ
۵	پیش لفظ از مولف	۱
۱۹	حکومت الہی (نظم) علامہ اقبال	۲
۲۱	آسمانی بادشاہت چودھری غلام احمد پرویز	۳
۳۳	تحریک حکومت الہیہ مولانا محمد منظور نعمانی	۴
۶۹	اسلام کا نظریہ سیاسی " ابو الاعلیٰ مودودی	۵
۹۵	اسلامی نصب العین کیا ہے " "	۶
۱۰۱	افادات حضرت مولانا حمید الدین فراہی	۷
۱۰۷	انبیاء کرام کا مقصد بعثت " " "	۸
۱۱۹	حکومت الہیہ کا قیام مسلمانوں پر واجب ہے " "	۹
۱۳۳	افادات حضرت مولانا ابوالکلام آزاد	۱۰
۱۷۲	حکومت الہیہ کی ایک لالہ انگیز تہ " "	۱۱
۱۸۲	حضرت مولانا آزاد کا ایک تاریخی بیان	۱۲
۱۹۱	حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور حکومت الہیہ	۱۳
۱۹۹	افادات حضرت مولانا سید سلیمان ندوی	۱۴
۲۰۵	مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک ایمان افروز پیغام	۱۵

صفحہ	مضامین و مصنف	صفحہ
۲۲۳	مقصد رسالت حکومت کا قیام مولانا ابوالحسن علی ندوی	۱۶
۲۳۳	مولانا اکبر شاہ خان رحوم اور حکومت الہیہ	۱۷
۲۴۷	مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے افادات	۱۸
۲۷۳	آسمانی حکومت کی تصویر علامہ غازی محمد بن عبد اللہ انصاری	۱۹
۲۸۹	مولانا سید محمد میاں صاحب اور حکومت الہیہ	۲۰
۳۰۱	”عبد الماجد دریا بادی اور حکومت الہیہ	۲۱
۳۰۵	خدا کی زمین پر خدا کی بادشاہت مولانا صبیحہ مسیح بخاری	۲۲
۳۱۳	قرآنی نصب العین میاں شیخ بشیر احمد بی رے	۲۳
۳۲۵	پیغمبر اسلام کا پیغام انقلاب مدینہ کنور ایڈیٹوریل	۲۴
۳۳۷	زام قیادت کے مستحق کون لوگ ہیں؟ مولانا محمد عثمان فاروقی	۲۵
۳۴۵	تحریک حکومت الہیہ کے اصول و ضابطے ”ابین احسن اصلاحی	۲۶
۳۶۱	تحریک حکومت الہیہ کے موانع و مشکلات ”صمد الدین اصلاحی	۲۷
۳۹۹	مسلمان جماعتوں کے قول و عمل کا تضاد ”شاہ محمد جعفر چلواری	۲۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیش لفظ

إِنِ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا
إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَ عَلَى اللَّهِ
الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
يَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَنَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلِيُمَكِّنَ لَهُمْ دِينَهُمُ
الَّذِي أَرْتَضَىٰ لَهُمْ

زمین اللہ کی ہے مسلمان زمین پر اللہ کے نائب اور خلیفہ
ہیں، چاہئے تھا کہ زمین کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوتا
لیکن اس کے قلم و نسق پر وہ قابض و متصرف ہیں جو اللہ کے باغی
اور نافرمان ہیں مسلمان جہاں بھی ہیں محکوم و مجبور ہیں۔ اگر وہ کسی
خطے میں آزاد و مختار بھی ہیں تو ان کی آزادی و خود مختاری جتنی حقیقت
اور باعینان خدا کے مفاد و مصالح کی رہیں منت ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ کیا مسلمانوں کے بارے میں اللہ کا قانون بدل گیا ہے؟ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ **وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا** ۵

اللہ کا قانون نہیں بدلا۔ مسلمان بدل گئے، اللہ تعالیٰ کا قانون کسی قوم کو اُس وقت تک منصب حکومت و فرمانروائی عطا نہیں کرتا جب تک وہ قوم اپنے اندر اس کی صلاحیت پیدا نہ کر لے۔ اسی طرح اس کا قانون کسی کو اس منصب سے معزول بھی نہیں کرتا جب تک اُس سے حکومت و فرمانروائی کی صلاحیت مفقود نہ ہو جائے، **وَلَا يَسْرِ بِظِلِّهِ لِلْعَبِيدِ** ۵

مسلمان زمین میں پھوڑے تھے، گمزور تھے، مظلوم تھے بے سروسامان تھے، لیکن وہ جیسے جیسے ایمانی آزمائشوں میں پورے اترتے گئے اور اُن کے اعمال و اخلاق میں جیسے جیسے پاکیزگی و لذت پیدا ہوتی گئی اُن کی قلت کثرت سے، ان کی کمزوری قوت سے، اُن کی مظلومی نصرت الہی سے اور بے سروسامانی اللہ کی کارساز سے بدلتی چلی گئی، یہاں تک کہ وعدہ الہی نے بے پردہ و بے حجاب ظہور کیا، اور جس سرزمین پر مسلمان مظلوم و مقہور تھے اسی پر اللہ نے ان کی خلافت و فرمانروائی قائم کر دی **وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ** ۱۱ **اللَّهُ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ**

اس کے بعد جب مسلمانوں نے ایمان و اعمال صالحہ کے اس مقام سے مہبوط اختیار کیا جہاں پہنچ کر وہ خلافت الہیہ کے منصبِ عظمیٰ پر فائز ہوئے تھے تو ساتھ ہی اُن کے اقتدار و اختیار

میں بھی تنزل شروع ہو گیا اور بالآخر وہ پستی کی اس انتہا کو پہنچ گئے جس میں وہ آج اپنے کو پارہے ہیں، پانچ پانچ دس دس کروڑ کی مسلم آبادی پر مٹھی مٹھی بھگنار حکومت کر رہے ہیں۔ جیسے ایک چرواہا پان پان سو اور ہزار ہزار بھیڑ بکریوں کے گلے کو لاکھٹی کے اشاروں پر ہانکتا ہے۔ ایسے بھی خطے ہیں جن میں دور دور تک مسلمان ہی مسلمان آباد ہیں، ان سے ہزاروں میل دور رہنے والی طاقتیں اپنی ساحرانہ انگلیوں سے اشارے کرتی ہیں اور مسلمان مسخو رہنے موئے ان کے مطابق نقل و حرکت کرتے ہیں۔

اللہ نے مسلمانوں کو بے وجہ اقتدار و اختیار کی بلندی سے کھینچ کر ذلت و خواری کے غار میں نہیں جھونک دیا، وہ کسی قوم کے ساتھ ایسا جابرانہ سلوک نہیں کرتا، ہر قوم خود اپنے اخلاق و کردار کی پستی سے سزاوارذلت بن جاتی ہے **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِنَفْسِهِ**۔

عرصہ ہوا مسلمانوں نے ان حقائق کو فراموش کر دیا ہے کہ ان کا امتیازی وصف کیا ہے؟ کیا شے ہے جس کی بدولت ان کو دوسری امتوں پر ترجیح و فوقیت حاصل ہے؟ ان کا منصب حیات کیا ہے؟ اور اس کی وجہ سے ان پر کونسا فرض عائد ہوتا ہے؟ مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ کا اقرار کافی ہے، اس کے بعد خواہ ان کے اعمال و اخلاق ویسے ہی ہوں جیسے اللہ کے منکروں کے۔ ان کی زندگیاں ویسی ہی ہوں جیسی اللہ کے باغیوں کی۔ وہ اللہ کے قانون کو چھوڑ کر اللہ کے باغیوں کے قوانین اختیار کر لیں

وہ اللہ کی اطاعت کی بجائے اللہ کے باغیوں کی اطاعت و بندگی پر رضا مند ہو جائیں۔ ان سب باتوں سے نہ ایمان میں خلل پڑتا ہے اور نہ اسلام میں فرق واقع ہوتا ہے۔ اللہ کے ہاں مسلمانوں کے لئے جو اجر اور صلے اور مدارج و مناصب مقرر ہیں وہ سب مجبوراً اللہ کے اقرار سے ملتے چلے جائیں گے لیکن یہ صریح الحاد ہے خدا پرستی سے بالکل بعید قصداً اُھسر قولاً اَلَا لِعَبْدِہٖمُ اللّٰہُ مُخْلِصِیۡنَ کَہُمُ الدِّیۡنِ حُنَفَآءَ اللہ کے اقرار کا مدعا ہے اللہ کی بندگی اور اس کے مقررہ ضابطہ حیات کی کامل پابندی، اور وہی مفقود ہے

شبہ پیش خدا بگڑیستم زار پہ مسلمانانِ چر ازارند و خوارند
بند آمدنمی دانی کہ این قوم چہ دے دارند و محبوبے ندارند
صرف خدا کا اقرار کافی نہیں اس کے ساتھ باطل خداؤں کا انکار بھی ضروری ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو توحید اور شرک میں کوئی خاص وجہ آویزش و نزاع نہ تھنی، اقرار رسالت کے لئے ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ“ کافی ہے۔ لیکن اللہ کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک ”اَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ“ نہ کہا جائے۔
خدا یاں باطل کا انکار پہلے ہونا چاہیے اور اللہ کا اقرار اس کے بعد

قرآن مجید بھی اسی حقیقت کا مظہر ہے۔
قُلْ تَبٰیۡنَ الرَّسُلُ مِنَ النَّبِیِّ ۚ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوۡتِ
فَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ

ہدایت گمراہی سے ممیز پہنچکی، اب جو شخص چاہے طاعت
کا انکار کر کے اللہ کو مان لے۔

انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد بھی اللہ کی فرمانبرداری کو طاعت
کی بندگی سے بے آمیز کرنا تھا۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا
اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (پ ۴، س نخل)
ہم نے ہر قوم میں رسول مبعوث کئے جنہوں نے لوگوں کو دعویٰ
دی کہ صرف اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (کی بندگی) سے
مجتنب رہو،

اللہ کے بھیجے ہوئے منابطہ حیات کے ماننے کا دعویٰ اور طاغوتی
نظام حیات پر عمل کھلا ہوا شیطانی اغواء ہے اور یہ مومنانہ نہیں
منافعانہ طرز عمل ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا
بِمَا نَزَّلَ إِلَيْكَ وَمَا نَزَّلَ مِنْ قَبْلِكَ فِي
يُرِيدُونَ أَنِ يَتَمَنَّوْا إِلَى الطَّاغُوتِ
وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ
الشَّيْطَانُ أَنِ يَضِلَّهُمْ مُلَّةً أَلْبَعِيدًا
(پ ۵، سورہ نساء، غ ۱۰)

(اے پیغمبر) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں
کی جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ (خدا کی طرف سے) جو کچھ
تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے

ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ اپنے ممالک کا فیصلہ طاغوت سے کرائیں۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس (کے استحقاق حکمیت) سے انکار کر دیں اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ وہ انہیں بہکا کر راستے سے دور ڈال دے۔

راہِ یاب تو صرف ایسے لوگ ہوتے ہیں :-

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ اَنْ يَّعْبُدُوهَا
وَ اَنَابُوا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبَشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ
الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ اَحْسَنَهُ
اولئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْوَالِدُ الْكَابِرُ (پ ۲۳، الزمر) -

جن لوگوں نے اس بات سے اجتناب کیا کہ باطل خداؤں کی بندگی بجالائیں اور اللہ کی جانب متوجہ ہو جائیں ان کے لئے بشارت ہے پس میرے ایسے بندوں کو بشار دیدو جو (میری) بات (سماعت قبول سے) سنتے ہیں اور اس کی بہترین ہدایات پر وہی لوگ چلتے ہیں جنہیں اللہ نے راہِ یابی سے سعادت اندوز فرمایا اور وہی صاحبِ عقل و بصیرت ہیں۔

دین کی بہت سی اصطلاحات کی طرح طاغوت کے مفہوم کو بھی محدود و مخصوص کر دیا گیا۔ اب عام طور پر طاغوت سے مراد یا تو بے جان بت ہوتے ہیں یا غیر مرئی شیطان لیکن ان انسانوں کو جو خدا بن کر انسانوں پر اپنے احکام چلا میں، اور انسانوں کو مجبور کریں کہ

وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نظامِ حیات کی بجائے ان کے باطل نظام کی پابندی کریں ان کو طاعت کی تعریف سے خارج کر دیا گیا ہے اور ان کی اطاعت و بندگی کا مل شرح صدر کے ساتھ جائز کر لی گئی ہے جس میں کوئی کبیدگی اور ضیق محسوس نہیں کی جاتی، لیکن پانچویں پارے کی آیت جو اوپر گزر چکی ہے قطعی حجت ہے کہ فرعون و شداد کے جانشین زمرہ طواغیت سے خارج نہیں ہیں۔

اسی طرز زندگی نے مسلمانوں میں انتشار و تفرق پیدا کر دیا ہے جب اطاعت و بندگی اللہ کے ساتھ خاص نہیں رہی تو مقصد زندگی متحذ کیونکر رہ سکتا تھا؟ کسی کا مقصد وطن ہے، کسی کا مقصد قوم کسی کا مقصد ہر غالب اور سلطنت کی خوشنودی کے ذریعہ اپنے مفاد کا حصول، ہر گروہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ راہِ راست اسی کے زیرِ قدم ہے، ہر جماعت کو اسی کے نقشِ قدم کی پیروی کرنی چاہیئے۔

اللہ بیکارتا ہی رہا۔

اِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اَحَدًا وَّ اَنَا رَسُوْلُكُمْ

فَاتَّقُوْنَ ۔ (پ ۱۸ - مومنون)

تمہاری یہ قوم ایک واحد قوم ہے اور میں تمہارا پروردگار

ہوں، لہذا تم صرف مجھ سے ڈرو۔

لیکن کسی برگشتہ راہ گروہ نے یہ پکار نہ سنی، امت واحدہ ٹوٹی ٹوٹی میں تقسیم ہو گئی، اب حال یہ ہے کہ ہر ٹوٹی فرطِ مسرت سے جاے میں نہیں سماتی، وہ خوش ہے کہ رشتہ حق اسی کے دامن سے بندھا ہوا ہے۔

فَتَقَطَّعُوا أَرْهَمَ بَيْنَهُمْ بَرَأَ كُلِّ حِزْبٍ
بِمَالِدٍ يَهُمُّ فَرْحُونُ (پ ۱۸ - مؤمنون)
انہوں نے اپنے مقصدِ حیات کو جو متحد تھا قطع کر کے ٹکڑے
ٹکڑے کر دیا۔ اب جو کچھ جس ٹوٹی کے پاس ہے وہ اُس پر
مسرور و نازاں ہے۔

قرآن مجید نے ایک جگہ نہیں، کئی جگہ مسلمانوں کو تشتت و تفرق
سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے اور اپنی راہ پر ثابت قدم رہنے کی
ہدایت کی ہے۔

إِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ
وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفْرَقَ بَكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ
(پ ۸ - انعام)

یہ میرا سیدھا راستہ ہے، اس لئے اسی راستے پر چلو اور
مختلف راستے اختیار نہ کرو۔ ورنہ اللہ کے راستے سے دور
جا پڑو گے۔

قرآنی تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا کی جتنی قومیں تباہ و برباد ہوئیں اللہ
کی اطاعت و بندگی کی راہ چھوڑ کر دوسرے راستوں پر پڑ جانے کی وجہ
سے تباہ و برباد ہوئیں، اس لئے قرآن مجید نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ
بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ - (پ ۴ - آل عمران)
تم ان لوگوں کی طرح (مبتلائے تفریق و اختلاف) نہ ہو جاؤ
جن کے پاس (راہ حق کا) کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی تھیں مگر

اس کے بعد بھی وہ تفریق و اختلاف میں مبتلا ہو گئے۔
سوال یہ ہے کہ مسلمان جن وادی ظلمات میں آپھنسے ہیں اس سے
باہر کیونکر نکلیں؟

قرآن حکیم بتاتا ہے۔
اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ
إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاءُ هُمُ
الطَّاغُوتِ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى
الظُّلُمَاتِ (پ ۲، ۲۷)

اللہ ایمان والوں کا رفیق و کارساز ہے، وہ مومنوں کو ہر
قسم کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں پہنچا دیتا ہے اور
منکرین خدا کے رفقاء طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے
نکال کر اندھیروں میں لے جا دھکیلتے ہیں۔

اب مسلمانوں کی نجات کی راہ معلوم ہو گئی، وہ ایمان کے تقاضوں
کو پورا کریں اور طاغوت کی رفاقت ان کو جس وادی ظلمات میں
بھٹکا رہی ہے اس میں آگے بڑھتے چلے جانے کی بجائے، سیدھے
پیچھے پلٹیں اور ٹھیک اس مقام پر آکھڑے ہوں۔ جہاں وہ طاغوت
کی رفاقت میں بہکے تھے، وہ دیکھیں گے کہ وہاں ان کے لئے روشنی
ہی روشنی ہے، راستہ ہی راستہ ہے اور سلامتی ہی سلامتی ہے اور پھر
منزل سعادت و کامیابی تک ایک صاف سیدھی روشن شاہ راہ مل گئی ہو۔

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ وَضَوَّاهُ سَبِيلَ السَّلَامِ
،، فَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ

و یھل یھم الی صراط مستقیم۔ (پس ملکہ)
 جو شخص اللہ کی رضا پر چلتا ہے اللہ اس پر (نورِ ہدایت اور
 قرآن کے ذریعہ) سلامتی کی راہیں کھول دیتا ہے اور اُسے
 تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں پہنچا دیتا ہے اور اپنی مہربانی
 سے (سعادت کا میابانی کی جانب جانے والی) سیدھی راہ پر
 گامزن کر دیتا ہے۔

مسلمانوں کا متحدہ موقف ”حبیل اللہ“ ہے اس لئے اللہ
 تعالیٰ کا ارشاد ہے ”واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً فکلوا
 نفرتاً قوا“۔ ”رب“ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقے میں نہ پڑنا
 ”حبیل اللہ“ اللہ کا دیا ہوا نظامِ اطاعت اور ضابطہ زندگی
 ہے جسے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور
 جس کا پابند رہنا اور جسے غالب کرنا مسلمانوں کا فریضہ حیات ہے
 ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلًا بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ
 لِيُظْهِرَ عَلٰی الدِّیْنِ۔ عِلّٰہ

دیندار اور خدا پرست مسلمان اپنے خواص و اکابر کو مختلف منازل
 و مراحل کی طرف پیش قدمی کرتے دیکھ کر یہ فیصلہ کرنے سے عاجز رہ جاتے
 ہیں کہ ان میں کس کا نصب العین اسلامی ہے، اور وہ اس سوچ میں پڑ جاتے
 ہیں کہ اسلام نے مسلمانوں کو کوئی معین نصب العین دیا بھی ہے یا بالکل آزاد
 چھوڑ دیا ہے کہ وہ صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ چند مذہبی اعمال کی ادائیگی
 کے بعد جو نظام زندگی چاہیں اختیار کریں اور جیسی زندگی چاہیں گزاریں
 یہ کتاب دیندار اور خدا پرست مسلمانوں کی اسی ذہنی کشمکش

کو دور کرنے اور یہ بتانے کے لئے ترتیب دی گئی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو ایک معین نصب العین اور ایک مخصوص ضابطہ زندگی عطا کیا ہے اور وہ ہے حکومت الہیہ کا قیام۔ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین و احکام کے مطابق زندگی گزارنا، بحالت موجودہ مسلمانوں میں کتنا ہی اختلاف و تفرق ہو لیکن اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اسلامی نصب العین اور اسلامی زندگی یہی ہے چنانچہ اس کتاب میں مسلمانان ہند کے تقریباً ہر ممتاز گروہ کے علماء و مفکرین کی تحقیقات و تصریحات جمع کر دی گئی ہیں۔

نہ از ساقی نہ از پیما نہ گفتیم
 حدیث عشق بے باکانہ گفتیم
 شنیدم انجی از پاکان مت
 ترا با شوخی زندانہ گفتیم
 اس کتاب کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اسلامی نصب العین اور اسلامی زندگی کے متعلق ہر مسلمان گروہ کا عقیدہ متحد ہے۔

۱۹۴۲ء میں جب مغرب و مشرق یکساں حرب زار بنے ہوئے تھے، اور تمام دنیا کا امن و امان جنگ کے جہنم میں خس و خاشاک کی طرح جل رہا تھا ایک امریکی فلسفی نے جامعہ انڈیانا میں شیخ الاسلام حضرت شیخ مصطفیٰ امراعی مرحوم سے سوال کیا کہ اسلام کے نزدیک امن کی شرطیں کیا ہیں اور جدید نظام عالم کن اصولوں پر قائم ہونا چاہئے حضرت شیخ مصطفیٰ امراعی اگست ۱۹۴۵ء کے آخری ہفتہ میں رحلت کر گئے، وہ مصر کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے جواب دیا کہ دنیا کی جدید تعمیر جب تک روحانی

اور اخلاقی اصولوں پر نہ ہوگی، امن کا قیام ناممکن ہے، مادی اور سیاسی اصولوں کی کار فرمائی انہیں نتائج کا موجب ہوگی جو اس وقت ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔

شیخ نے مزید کہا کہ اسلام میں طاقت کا مرکز انسان نہیں خدا کی ذات ہے، یہ تصور انسان کی طاقت کو سلب کر لیتا ہے اور انسان کو بے اختیار بنا دیتا ہے۔ اسلامی تصورات کے عکس جمہوریت میں طاقت کا مرکز افراد ہوتے ہیں اور آمریت میں یہ مقام فرد کو حاصل ہوتا ہے، لیکن اسلام ہر فرد سے طاقت چھین لیتا ہے کہ اس کا بے جا استعمال نہ ہو۔

شیخ مراغی مرحوم نے اپنے حجاب میں حکومت و اقتدار کے جس اسلامی تصور کی طرف اشارہ کیا ہے اور جس کی رو سے حکومت و اختیار کا مرکز انسانی جمہوریت و انفرادیت کی بجائے خدا کی ذات کو قرار دیا ہے وہ حکومت الہیہ کا تصور ہے۔

شاید اس مرحلے پر پہنچ کر مجھ سے سوال کیا جائے کہ جب اسلامی نصب العین حکومت الہیہ کا قیام اور اللہ کی حاکمیت کے ماتحت زندگی گزارنا ہے تو ہمارے خواص و اکابر کی کوششیں اور قربانیاں دوسرے اغراض و مقاصد کے لئے کوں واقف ہیں؟ کیا وہ دین کے مطالبات اور تقاضوں سے ناواقف ہیں؟ کیا وہ راہ راست سے آشنا نہیں؟ کیا وہ خدا پرست اور متقی نہیں ہیں؟ ال سوالات اور ایسے ہی دوسرے سوالوں کے بارے میں میری گزارش یہ ہوگی کہ ان کی جوابدہی کی ذمہ داری مجھ پر عاید نہیں ہوتی۔ ان کے

جوابات سے خود اکابر و خواص حضرات ہی مستفیض فرما سکتے ہیں۔
 میں تو آپ سے صرف یہ عرض کر سکتا ہوں کہ اگر آپ کسی جماعت
 یا شخصیت کے اعتماد کی بناء پر اللہ کو اللہ اور رسول کو رسول نہیں
 مانتے بلکہ اپنے علم و بصیرت کے ماتحت اللہ و رسول پر ایمان رکھتے
 ہیں تو آپ کے لئے اتنا معلوم ہو جانا کافی ہے کہ اللہ و رسول کا
 مقرر کردہ نصب العین اور اس تک پہنچنے کی اللہ و رسول کی ہدایتی
 ہوئی راہ کون سی ہے؟ اس بات کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ دیکھنے
 کی کوئی ضرورت نہیں کہ اکابر و اصاغر کس راہ پر چل رہے ہیں۔
 اگر ان کی راہ اسلامی نصب العین کی طرف نہیں جاتی تو ان کا علم
 و فضل، ان کا زہد و تقویٰ اور ان کا اخلاص و ایثار سب مُسلم
 مگر ان کی راہ کے غلط ہونے میں آپ کیونکر شبہ کر سکتے ہیں؟ اور
 اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اشخاص پرستی کو جائز بھی ٹھہرائیں تو اسلامی
 نصب العین تو آپ کے ساتھ اتنا روا داری نہیں ہو سکتا کہ آپ تو
 کوچ کریں اس کے مخالف سمت میں اور وہ ٹھہروں کہ آکھڑا ہوا آپ
 کی راہ میں اور آپ اسی ضد راہ میں اسے پالیں سلامتی نتیجہ یہ ہوگا کہ
 آپ زندگی بھر چلتے رہنے کے بعد چاہے لندن یا مسکو یا واشنگٹن
 پہنچ جائیں مگر کعبے نہ پہنچ سکیں گے کعبے پہنچنے کے لئے چار و ناچار
 کعبے ہی کی راہ اختیار کرنی پڑے گی خواہ اس کے لئے بزرگ اور
 عزیز رفیقان سفر سے کنارہ کش ہی ہونا پڑے۔

اسلامی نصب العین آپ کے سامنے ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو
 حق حاکمیت حاصل نہیں ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ بجز اس کے

کوئی لائق اطاعت و بندگی نہیں۔ یہی ضابطہ اطاعت حق ہے
 اِنَّ الْحَكَمَ اَللّٰهُ اَمْرٌ اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا
 اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۝

اگر آپ نے اس عقیدے کے مطالبات پورے کر دیئے اور
 اعمال صالحہ کے ذریعہ اپنے کو اللہ کی خلافت و نبایت کا سزاوار اور
 مستحق بنا لیا تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ مؤمنین صالحین کو زمین میں
 اقتدار و حکومت عطا فرمائے گا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
 يَسْتَخْلِفُوْهُمْ فِى الْاَرْضِ ۝

اس منزل کے رہبر و حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ
 کرام رضوان اللہ عنہم تھے، اگر آپ کی منزل انہیں کی منزل ہے تو ضرور
 ہے کہ انہیں کی راہ آپ کی راہ بھی ہو، لہذا آپ دائیں بائیں نہ دیکھیے۔
 جماعتوں اور شخصیتوں پر نظر نہ ڈالئے، حضور اور حضور کے صحابہ کی ملی
 اور مدنی زندگیوں کو سامنے رکھئے اور **بِسْمِ اللّٰهِ** کا کہہ کر انہیں کے
 نقش قدم پر سرگرم سفر ہو جائیے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ
 اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

امام نگر بنارس سٹیٹ
 نومبر ۱۹۴۵ء

ابو محمد امام الدین
 ادارہ ترجمہ و تصنیف

حکومتِ الہی

علامہ اقبالؒ کے کلام پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ مرحوم دنیا کے تمام مردِ جہ نظاموں سے کتنے مُتَنَفِّر اور بیزار ہیں، وہ وطنیت اور قوم پرستی کے تنگ نظریات کو بھی عالمگیر انسانیت کے منافی سمجھتے ہیں اُن کے نزدیک انسانیت کی فلاح و نجات صرف اس نظامِ حیات میں ہے جس کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور جس کا داعی قسطنطین عجیبؒ ہے، علامہ اقبالؒ کی زندہ جاوید تصنیف ”جَاوِیدِ نَامَہ“ کا ایک شہ پارہ جس کا عنوان ”حُکُومَتِ اِلٰہِیَّہ“ ہے علامہ کے پیغام کے حاصل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

بندۂ حق بے نیانہ ہر مقام	نے غلام اور انہ اوکس را غلام
بندۂ حق مردِ آزاد است بس	ملک و پادشاه خدا داد است بس
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق	زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
عقل خود میں غافل ز بہر و غیر	سو خود بیند نہ بیند سو و غیر
وحی حق بیند سو و ہمہ	در نگاہش سو و بہر و ہمہ

عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف
 غیر حق چون ناپی و اُمر شود
 زیر گردوں آمری از قاہری است
 قاہر آمر کہ باشد پختہ کار؛
 جُڑہ شاہیں تیز چنگ زود گیر
 قاہری را شرع و دستور دہد
 حاصل آئین و دستور ملوک
 وائے بدستور جمہور فـرنگ
 حقہ بازاں چو سپہر گر دگرد
 شاطران ایں گنج و راز رنج بر
 فاش باید گفت سیر و لہراں
 دیدہ ہائے خم ز حُب سیم وزر
 وائے بر قوائے کہ از بیسم ثمر
 تانیا رز زخمہ از تارش سرود
 گر چہ دار و دیوہ ہائے رنگ رنگ
 اے یقلیدش اسیر آزاد شو
 دامن قرآن بگیبیر آزاد شو

وصل و ضلش کبرا کی لایخاف
 زور و بر نانو آں قاہر شود
 آمری از ماسوا اللہ کافری است
 از قوائیں گرد خود بند و حصار
 صعوہ را در کار ہا گیر و مشیر
 بے بصیرت سمر ہ با کورے دہد
 دہ خدا یاں فریہ و دہقان چوک
 مردہ تر شد مردہ از صور فرنگ
 از امم بر تختہ خود چیدہ نرد
 ہر زمان اندر کیمیں یک دگر
 ما متابع و ایں ہمہ سودا گراں
 ما دراں را بار دوش آمد سپر
 می بردنم را از اندام شجر
 می کشد نازادہ را اندر وجود
 من بجز عبرت نہ گیرم از فرنگ

آسمانی بادشاہت

چودھری غلام احمد پرویزی اے کو قرآنی تعلیمات سے خاص دلچسپی اور شغف ہے، انھوں نے اس موضوع پر بہترین تحریری ذخیرہ فراہم کیا ہے، ماہنامہ طُلُوعِ اِسْلَامِ دہلی کے مئی ۱۹۳۹ء کے پرچہ میں پرویز صاحب کا ایک سلسلہ مقالہ "آسمانی بادشاہت" کے عنوان سے نظر سے گزرا۔ ذیل میں اس مقالے کا ایک پارہ دیا جا رہا ہے۔

جمہوریت ہو یا آمریت۔ زمانہ قدیم میں ہو یا عصرِ حاضرہ میں نظامِ حکومت کی بنا اس پر قائم ہے کہ صاحبِ اقتدار کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی منشاء کے مطابق قانون بنائے۔ اور دوسروں سے اُن قوانین کی اطاعت کرائے جمہوریت میں اکیاون (۱۱) کی اکثریت کو حق حاصل ہے کہ وہ انچاس کی اقلیت سے اپنا فیصلہ بکھر منوائے مثلاً اگر کسی اسمبلی یا کینٹ میں یہ سوال پیش ہو کہ خدا ہے یا نہیں اور اکیاون آراء خدا کی ہستی کے خلاف ہوں تو انچاس آراء والی جماعت کو ماننا پڑے گا کہ واقعی (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) خدا نہیں ہے۔ اور یہی

فیصلہ پھر ملک کا قانون بن جائے گا جسے ”انتظام“ یعنی قوت کے دباؤ سے سنا یا جائے گا اور اس فیصلے کے خلاف آواز اٹھانے والے کو حکومت کا باغی قرار دیا جائے گا۔ یہی اصول آمریت کے اندر جلوہ پیر ہے جمہوریت میں جو شخص اراکین کی اکثریت اپنے ساتھ ملا لے وہی صاحب اختیار ہو جاتا ہے البتہ اس میں ہوتا یہ ہے کہ ایک ایک معاملہ الگ الگ پیش کیا جاتا ہے اور اس میں رائے شماری کی رسم پوری کر لی جاتی ہے۔ اور آمریت میں ایک ہی مرتبہ ان رسمی تکلفات کو طے کر لیا جاتا ہے۔ قوم ایک ہی دفعہ فیصلہ کر کے (بکھر یا برضا و رغبت) ایک شخص کے ہاتھ میں تمام اختیار دے دیتی ہے۔ اور پھر اس شخص کے فیصلے قانون کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں یہ قوانین جمہوریت کے ہوں یا آمریت کے، آخری اور اہل ہوتے ہیں اور ان کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی۔

لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں جمہوریت ہو یا آمریت جماعتی حکومت ہو یا شخصی فطرت انسانی نے ہر حکومت سے ایسا کیا ہے اس لئے ہر طرز حکومت کی بنیاد اس مفروضہ پر رکھی جاتی ہے کہ بعض انسانوں کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلائیں حالانکہ یہ بنیادی غلط ہے۔ اور چونکہ فطرت ہے اس لئے انسانیت غیر محسوس اور غیر شعوری طور پر اس کے خلاف اپنے سینے میں بغاوت کے جذبات موجود پاتی ہے لیکن چونکہ ایک عرصہ کی غلامی سے اس کی قوت تیز و بچلی ہوئی ہے اس لئے اسے نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کونسی بنیادی خرابی ہے

جس کی وجہ سے اس کی فطرت صالحہ اس طرز زندگی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے، اس اضطرابی کیفیت میں وہ کرتا یہ ہے کہ اس نظام کو الٹ دیتا ہے جو اس کے سامنے موجود ہوتا ہے، اور اس کی جگہ ایک دوسرا نظام قائم کرتا ہے جس کے متعلق سمجھ لیتا ہے کہ اس میں اُسے اطمینان و سکون حاصل ہو جائے گا حالانکہ یہ دوسرا نظام بھی انہی غلط فہمیوں پر قائم ہوتا ہے جن پر پہلا نظام قائم تھا لہذا انسان کی کیفیت ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ ع

رُست از یک بند تا افتاد در بندِ دگر

انسان کی عام حالت اس مرض کی سی رہی ہے جسے یہ تو معلوم نہ ہو کہ مجھے مرض کیا ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہو کہ میں تندرست نہیں ہوں پھر وہ ہر نئے علاج کے وقت بلا اختیار پکار اٹھے کہ بس یہ ہے تریاق، لیکن پھوڑے ہی عرصہ کے بعد خود اپنے ہاتھوں سے مزعومہ تریاق کے شیشے کو پھوڑ ڈالے اور کسی نئے تریاق کی جستجو میں چل نکلے، اور اس کی تمام عمر انہی تجربوں میں بسر ہو جائے۔

عَلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْ فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ

عَلَيْهِمْ قَامُوا ه (۲-۲)

ذرا بھی چمکی تو دو قدم چل پڑے اور جب اندھیرا ہو گیا تو ٹھٹھک کر رہ گئے

انسانیت اسی تگ و تازہ اسی اضطراب و انتشار میں الجھتی

تربیتی، مرغِ بسمل کی طرح یوں پھڑپھڑاتی چلی آ رہی تھی کہ۔ ع
 ہر قدم پر تھکا گماں۔ یاں رہ گئی واں رہ گئی
 کہ آج سے قریب چودہ سو برس پیشتر خیرہ قدس کی ایک دلکش آواز
 اس کے کانوں میں آئی کہ آؤ، تمہیں بتایا جائے کہ تمہارے دکھ کا
 درماں کیا ہے، اس مرض کی دوا کون سی ہے تم نے کہاں غلطی کی
 ہے؟ اور اس کا ازالہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی آواز نے بتایا کہ تمہاری
 بنیادی غلطی یہ ہے کہ تم نے سمجھ رکھا ہے کہ ایک انسان کو حق حاصل
 ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسان پر حکومت کرے۔ یہ غلط ہے
 اور خلافِ فطرت انسانی یاد رکھو ان الحکم الا للہ (۱۲)
 حکومت کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے جو تمام انسانوں سے بلند
 و بالا تر ہستی ہے ۵

۱۔ ضروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
 حکمران ہے اک وہی باقی بتانِ آذری
 اسکے سوا کسی کو حق حاصل نہیں کہ انسان کو اپنا محکوم بنائے تمام
 انسان ایک سطح پر ہیں برابر ہیں۔ اس لئے کہ کوئی کسی دوسرے پر
 بالا دست نہیں ہو سکتا بالادست صرف وہ ہستی ہو سکتی ہے جو فی الواقع
 انسانوں سے بالا تر ہو اور وہ صرف خدا کی ذات ہے حتیٰ کہ وہ برگزیدہ
 ہستیاں جو تمام نوعِ انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے انتخاب کر کے
 بھیجی جاتی رہی ہیں انھیں بھی یہ حق حاصل نہیں کہ انسانوں کو اپنا
 غلام بنالیں۔

مَا كَانَ لِلْبَشَرِ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا
عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا
رَبَّانِيَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكَتَابَ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ - (۳-۷۸)
کسی انسان کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اللہ اسے کتاب
و حکم نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے یہ کہنا شروع
کر دے کہ تم اللہ کے بجائے میرے غلام بن جاؤ۔
(بلکہ وہ یہی کہے گا) کہ تم سب اللہ کے غلام بن جاؤ۔
کہ تم (قوانین الہی کی) کتاب خود بھی پڑھتے ہو اور دوسرے
کو بھی پڑھاتے ہو۔

یہ قوانین الہی جن کی اتباع سے انسانوں کو ہر ایک کی غلامی کا طوق
اتار کر فقط ایک اللہ کا غلام بنانا تھا اس کتاب مقدس، اس صحیفہ
آسمانی میں مضبوط ہوئے جو ان حضرات انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتا۔
انبیاء کے کرم کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔

وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بِهِ
النَّاسُ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ه (۲-۲۱۲)
اور (اللہ نے) ان پر کتاب نازل کی حق کے ساتھ تاکہ
وہ ان امور میں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں حکم بنیں
(فیصلے کریں)۔

جو ان قوانین الہیہ کے مطابق حکومت نہ کرے وہ خدا کا عملاً منکر ہے
حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے۔

وَمِنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (ہم الکافرین) (۴۴)

اور جو قوانین خداوندی کے مطابق حکومت نہ کرے گا (فیصلے نہ کرے گا) تو ظالمین ہیں سے ہوگا۔ (کافرین میں ہوگا) یہ قوانین خداوندی مختلف زمانوں میں مختلف اقوام عالم کو وقتاً فوقتاً ملتے رہے۔ لیکن چونکہ وہ یا تو حوادثِ ارضی و سماوی سے محفوظ نہ رہ سکے یا ان میں انسانی ہاتھوں نے رد و بدل کر ڈالا اس لئے ان کا آخری اور مکمل ایڈیشن قرآن کریم کی شکل میں دنیا کو دیا گیا اور یہ وہ خود اللہ تعالیٰ نے لے لیا کہ اب اس آخری پیغام میں قیامت تک کسی قسم کا رد و بدل اور تحریف و الحاق نہیں ہو سکے گا۔ اس ضابطہ خداوندی کی غرض و غایت یہی تھی کہ نظامِ حکومت اسی کے ماتحت قائم ہو، توریت و انجیل کے ذکر کے بعد فرمایا۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِصَالِحِينَ
يَكِيدُ مِنَ الْكِتَابِ وَهُمْ مَنَاةٌ عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمَا جَائِلٌ مِّنَ الْحَقِّ

اور ہم نے (اے رسول!) تمہاری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے جو ان تمام کتب سماوی کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پیشتر دنیا کو مل چکی ہیں اور ان کے مضامین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے پس اس ضابطہ خداوندی کے مطابق لوگوں میں (نظام) حکومت قائم کرو (فیصلے کرو) اور لوگوں کے خیالات کی اتباع نہ کرو۔ ورنہ وہ تمہیں اس سے

سے بنا دیں گے جو تمہیں حق و صداقت کے ساتھ دیا گیا ہے۔
 یہ قوانین چونکہ اس خدا کے کائنات کے مرتب فرمودہ ہیں جو ربُّ
 العالمین ہے جو تمام نوع انسانی کا یکساں پروردگار ہے اس لئے
 ان میں کسی خاص جماعت خاص قوم خاص ملک کی کوئی رعایت نہیں کی گئی
 نہ کسی کی مخالفت۔ انسانوں کے وضع کردہ قوانین کتنے ہیں بلند درجہ
 پر کیوں نہ ہوں ان میں ارادی یا غیر ارادی طور پر اپنی جماعت کے مفاد
 کی طرف میلان ضرور ہوگا۔ جب تک انسان کے سینے میں وہ ہٹکنے والا
 دل موجود ہے وہ جذبات سے عاری نہیں ہو سکتا۔ اور جذبات کا تقا
 ہے کہ وہ امیال و عواطف کی رنگینی قبول کر لیں۔

عقل خود میں غافل از بہبود و خیر
 سود خود بدیند نہ بیند سود و غیر

برعکس اس کے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اُن جذبات سے منزہ
 و متبرک ہے۔ اس لئے اُس کے وضع کردہ قوانین میں کسی خاص سمت جھک
 جانے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ وہاں پر معاملہ اصول پر مبنی ہوگا اور
 ایک خاص قاعدے اور قانون کے ماتحت اس کا فیصلہ ہوگا۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ
 الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ
 بِالْقِسْطِ (۵۴ - ۲۵)۔

لاریب ہم نے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا
 اور ان کے ساتھ کتاب یعنی قوانین عدل و انصاف
 نازل کئے تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

وہی حق بیندہ سودھم
درنگا ہتس سودھم

پھر دنیاوی نظام حکومت میں کوئی نہ کوئی منزل ایسی آئے گی جہاں پہنچ کر قوانین کے وضع یا نافذ کرنے والے خود قانون کی حد سے بالاتر ہو جائیں گے یا کم از کم ان کے فیصلوں کی اپیل کہیں نہیں ہو سکے گی۔ ڈکٹیٹر شپ جو انسانی نظام حکومت کے سلسلہ ارتقاء میں آخری کڑی سمجھی جاتی ہے اسی اصول پر مبنی ہے کہ ڈکٹیٹر کا ہر لفظ قانون ہوتا ہے اور وہ خود قانون سے بالاتر۔

اسٹالن اپنی کتاب ”لینن ہمیں خود لینن کے الفاظ نقل کرنا ہے کہ.....“ ڈکٹیٹر کے معنی میں قوت، غیر محدود قوت، ایک قابض قوت، جو خود آئین و دستور سے بلند ہو اور اس کا ہر لفظ قانون ہو۔ اٹلی کے ہر مدرسہ کی دیوار پر فسطائیت کے اصول آتش حروف میں لکھے جاتے تھے جن میں سب سے پہلا اصول یہ تھا کہ مسولینی کا ہر لفظ قانون ہے اور وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ المانیہ میں مثلاً کا ہر اشارہ قانون بن کر نافذ ہوتا تھا۔ شاہ انگلستان کے متعلق بھی دستور و آئین میں یہ شق رکھنی پڑتی ہے کہ وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ ہندوستان میں بھی پچھلے دنوں مہاتما گاندھی کے متعلق علانیہ کہا گیا کہ وہ منترہ عن الخطا ہیں یعنی ہر جگہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ نظام آئین و دستور میں سب سے اوپر کی کڑی کسی کی مطیع و فرمانبردار نہ ہو، اس کے برعکس نظام خداوندی میں کوئی بھی کڑی ایسی نہیں ہوتی جو احاطہ اطاعت و اتباع سے باہر نکل جائے بلکہ وہاں تو

اطاعت اور بلندی مدارج لازم و ملزوم ہیں جتنا کوئی بلند موتاہر
 اتنی ہی زیادہ اطاعت اُسے کرنی پڑتی ہے۔ اور جتنی زیادہ کوئی
 عبادت کرتا ہے اسی نسبت سے اُسے سرفرازی و سربلندی کے
 مدارج عطا ہوتے ہیں۔ نظام خداوندی میں ذات رسالت مآب
 صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
 لیکن خود حضور کے لئے سب سے بڑا شرف و جتباء یہ ہے کہ
 ”عبدہ“ اللہ کے غلام، اس کے مطیع و فرمانبردار اور قوائین و تدبیر
 کی سب سے زیادہ اتباع کرنے والے ہیں۔ ارشاد ہے۔
 اَتَّبِعْ مَا وَحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (۱۰۶)
 جو کچھ تیرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اس کی
 اتباع کر۔

اس نظام کائنات کا ایک ایک ذرہ اطاعت کے اٹل اور
 بے پناہ قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ اگر سورج کا عظیم الشان کرہ ایک
 سکینڈ کے سو سو حصہ کے برابر بھی اس قانون اطاعت میں تساہل
 برتے تو یہ تمام نظام شمسی دھنی ہوئی روٹی کے گالوں کی طرح صفحہ
 آسمانی میں اڑتا ہوا نظر آئے۔ خاک کے ایک ادنیٰ ذرے
 سے لیکر ان بڑے مجید العقول کروں تک تمام کے تمام ایک بلند
 و بالا تر قانون کے مطیع اور منقاد ہیں اسی سے یہ سلسلہ نظم و ضبط
 قائم ہے، تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ فطرت کا یہ منشاء ہو سکتا ہے کہ
 انسان کے لئے کسی منزل (اسٹیج) پر پہنچ کر اطاعت کا قانون

غیر ضروری ہو جائے؛ لیکن انسانوں کے بنائے ہوئے نظام میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ ایک خاص منزل پر پہنچ کر کسی نہ کسی انسان یا انسانوں کی جماعت کو اطاعت کے قانون سے مستثنیٰ کیا جائے۔ یہ ہے وہ دوسرا بنیادی نقص جو دنیا میں انسانوں کے وضع کردہ نظام حکومت میں موجود رہتا ہے اور جس کے دور کرنے کا کوئی طریقہ نہیں، کہا جاسکتا ہے کہ جمہوری نظام میں مجلس وضعین قانون کا ہر رکن قانون کی اطاعت پر اسی طرح سے مجبور ہے جس طرح دوسرا انسان، اس لئے وہ جماعت اطاعت کے قانون سے مستثنیٰ نہیں ہوتی، لیکن جس جماعت کے اختیار میں ہو کہ جس وقت چاہے کوئی قانون بنائے اور جب جی چاہے اس میں رد و بدل کر دے یا اسے منسوخ ہی کر ڈالے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ جماعت کس وقت تک اطاعت کی مکلف رہے گی؟ صرف اس وقت تک جب اسے اس قانون کی اطاعت میں اپنا فائدہ نظر آتا ہو اور جب اسے اس قانون کی اطاعت میں نقصان معلوم ہوگا تو وہ جھوٹ سے قانون بدل ڈالے گی جب یہ حالت ہو تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ جماعت قانون کی اطاعت پر مجبور ہے؟ درست تو یہ کہنا ہوگا کہ خود قانون اس جماعت کی اطاعت پر مجبور ہے۔ قرآن کریم نے ان ہر دو اہم اور بنیادی نقائص کو الگ کر کے رکھ دیا جب اس نے فیصلہ کر دیا کہ

(۱) کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں یہ حق صرف ذات باری تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اور

(۲) کوئی انسان ایسا نہیں جسے قانون اطاعت مستثنیٰ قرار دیا جائے۔
 اور یہ تقاضا ایسی صورت میں دور ہو سکتے ہیں کہ قانون کے اصول انسانوں کے وضع کردہ نہ ہوں بلکہ انسانوں سے اعلیٰ و ارفع ہستی کی متعین فرمودہ ہوں اللہ تعالیٰ کے اس ضابطہ قوانین کے ماتحت کسی انسان کو قانون زنی کا حق باقی نہیں رہتا ان کے سپرد صرف یہ خدمت ہوتی ہے کہ ان اصولوں کی روشنی میں جزئیات و قروعات کو ترتیب دیں اور پھر دنیا میں ان قوانین کی تنفیذ کریں جب دنیا میں نظام آئین و دستور کی یہ شکل پیدا ہوگی تو اس وقت کہا جاسکے گا کہ انسان کوئی مواقع آزادی حال ہی نہیں بلکہ اس وقت کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا غلام نہ ہوگا اس وقت وہ تمام اغلال و سلال جو بالادست انسانوں نے زیر دست انسانوں کی گردن پر مختلف نام دے کر ڈال رکھے ہیں ایک ایک کر کے اتر جائیں گے اور انسان خدا کی اس کھلی قضا میں اطمینان کا سانس لے گا اور سر اوچھا کر کے چل سکے گا۔ اس وقت وہ محسوس کرے گا کہ۔

بندہ حق بے نیاز از ہر مقام
 نے غلام اور انہ او کس را غلام
 رسم و راہ و دین و آئینش ز حق
 زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق

تحریک حکومت الہیہ

تعارُف ! جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی
مدیر الفرقان بریلی نے اپنے مؤخر مجلہ میں ایک دینی تحریک
کا تعارف کے عنوان سے ایک مقالہ شائع کیا تھا جو
”ترجمان القرآن“ شوال تا ذی الحجہ ۱۳۶۳ء میں نقل ہوا تھا
یہ مقالہ اس تالیف کو مقدمے سے بے نیاز کر دیتا ہے اسلئے
اس کے اقتباسات دیے جا رہے ہیں۔

جماعت اسلامی کے منقلا اور بعض دیگر بنیادی امور

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ بِرَسَالِهِمْ عَلَيَّ

الْمُسْلِمِينَ
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَوْمَ مِنْ أَحَدِكُمْ
يَكْتُمُ يَحِبُّ لِأَخِيهِ مَا يَحِبُّ لِنَفْسِهِ (او کما قال)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سے کوئی اُس وقت

تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے ہر دینی بھائی کے لئے
وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے اور وہی پسند کرے جو
وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔“

ایمان کی حقیقت سے واقف کوئی ایسا ایمان والا نہ ہو گا
جس کے دل میں یہ جذبہ اور سینے میں یہ تڑپ نہ ہو کہ خود ہم اور دوسرے
سارے مسلمان حقیقی معنوں میں مومن و مسلم ہو جائیں۔ ہماری زندگی تدا
ربانی کے ماتحت ہو۔ خدا ہم سے راضی ہو اور آخرت میں ہم خاسروں میں
سے نہ ہوں۔ اور نہ صرف ہم بلکہ اولاد آدم کا زیادہ سے زیادہ حصہ
نجات و نلاح کی اس راہ پر آجائے۔ اللہ کا دین حق سارے باطل
دینوں پر اور اللہ کا کلمہ دوسرے تمام کلموں کے مقابلے میں سر بلند
ہو۔ دنیا کا نظام اللہ کی مرضی کے مطابق ہو جس میں انسان کے لئے
نیک بننا اور نیک بن کر جینا بدینے اور بدینے کے زیادہ آسان
ہو عزت و عظمت تقویٰ کی ہو اور خدا کے نافرمانوں اور ظالموں
کے لئے صرف ذلت ہی ذلت ہو۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ تمنا اور یہ آرزو کسی ”امیرِ مجال“ کی تمنا اور
آرزو نہیں ہے کہ صرف مزاحیہ فقروں غیر سنجیدہ فقہوں یا سنجیدہ
قسم کے زیر لب قہقہے سے اس کا انتقال کر کے معاملہ ختم کر دیا جائے۔
پھر یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ صرف ”جذبہ“ اور ”تڑپ“
سے صرف ”تمنا“ اور آرزو سے ان میں سے کوئی مقصد بھی حاصل نہیں
ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لئے ضرورت ہو گی عملی جدوجہد اور بے انتہا
سستی و سرگردانی کی۔

پھر کوئی صاحب عقل و فہم غالباً اس سے بھی اختلاف نہیں کریگا کہ ان پاک مقاصد کے لئے اسی طریقہ پر جدوجہد اور اسی راہ پر ننگ و دوڑ کرنا صحیح ہوگا جو ان مقاصد سے مناسبت رکھتے ہوں اور جو اس منزل مقصود تک پہنچانے والے ہوں، دوسرے طریقوں پر جس قدر بھی جدوجہد کی جائے گی اور دوسری راہوں پر جتنی بھی تیزی اور سرگرمی سے چلا جائے گا نہ صرف یہ کہ ان مقاصد تک نہیں پہنچا جاسکے گا بلکہ غالباً اور زیادہ دوری بڑھتی جائے گی۔ پس جو شخص ان مقاصد پر ایمان رکھتا ہو اور یہ اس کو دوسری تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ہوں اس کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح وہ دنیا میں زندہ رہنے اور اپنی اولاد کی پرورش کے لئے قسم کی مناسب کوشش کرنے کے لئے تیار رہتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ان مقاصد کی تکمیل کے واسطے ہر ممکن جدوجہد کے لئے اپنے کو تیار کرے پھر اس کے طریقہ کار اور راہ عمل کو سوچے سمجھے اور متوکلاً علی اللہ اس پر گامزن ہو جائے۔

تھوڑی سی میری سرگزشت | بزرگو! دوستو! اور دینی بھائیو! یہ تھے وہ چند واضح تصورات جنہوں نے اب سے تین چار سال پہلے تفصیلی طور پر میرے دل و دماغ پر قبضہ کیا اس وقت تک سیاسیات اور مذہبیات میں میری دلچسپیوں اور عملی سرگرمیوں کا ایک خاص رخ تھا جس سے اکثر حضرات ”الفتیان“ دور قدیم کے ذریعہ ضرور واقف رہے ہوں گے۔

اے مولد انہما کی کا مطلق سیاسیات میں جمعیت العلماء سے تھا، ایر مذہبیات میں مذہبی مناظروں سے۔

جو وقت مذکورہ حد خیالات کا دل و دماغ پر تسلط ہوا تو مجھے اپنی زندگی پر نظر ثانی کرنی پڑی اور میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ سیاسیات میں جس ملک سے عقیدۂ اتفاق (اور اس کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی) اتنا ہی رہا ہے وہ ان مقاصد کے لئے صحیح نہیں ہے (اور یہ واقعہ ہے کہ وہ ملک ان مخصوص مقاصد کو سامنے رکھ کر وضع بھی نہیں کیا گیا ہے) علی ہذا مذہبی خدمات کے سلسلہ میں جس خاص شعبہ سے میری دلچسپی تھی بلکہ اس وقت تک جس میں میرا پورا اہتمام تھا (یعنی فرق بالملہ بالخصوص اہل بدعت کا مناظرانہ طریق پر رد) میں نے محسوس کیا کہ اگرچہ یہ بھی ایک دینی خدمت ہے مگر مذکورہ صدر مقاصد کا مطالبہ اس کے طریق کو بدلنے اور دین کے ان دوسرے شعبوں میں اس سے زیادہ کام کرنے کے لئے ہے جن کا تعلق ان مقاصد سے براہ راست اور قریب تر ہے۔ ان خیالات کا عملی زندگی پر یہ اثر پڑا کہ کچھ کلی سیاسی و مذہبی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کا رخ آپ سے آپ بدلنے لگا جس کا اندازہ دیکھنے والوں نے ”الفرقان“ ہی سے فرمایا ہوگا۔

اس کے بعد سے برابر یہ آرزو بلکہ حسب مقدر کو شش بھی ہو کہ کوئی جماعت ان مقاصد کو صحیح طور پر اپنا نصب العین بنا کر سرگرم عمل ہو تو اپنے کو اس سے وابستہ کر دیا جائے کیونکہ ظاہر ہے کہ کسی ایک فرد یا بہت سے منتشر افراد کی بھی مساعی اس کا عظیم کے لئے نتیجہ خیز نہیں ہو سکتیں۔ نیز اس کا مزاج بھی اجتماعیت کو چاہتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دینی نقطہ نظر سے بھی اس کی ضرورت ہے

اور یہی ”اُسوۃ نبوی“ ہے۔ ”و کفی بآء قلدۃ“۔ اسی زمانہ میں مولینا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ”دارالاسلام“ کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی۔ اس سلسلہ کے پہلے اجتماع میں جس میں کہ اس ادارہ کی تاسیس ہوئی تھی، موصوف کی دعوت پر میں بھی شریک ہوا تھا۔ یہ ادارہ مقاصد اور طریق کار کے اعتبار سے بھی میری اس آرزو سے بہت مطابقت رکھتا تھا۔ لیکن اس وقت میں نے اس میں شرکت نہیں کی صرف اس لئے کہ اس کا تنظیم کو چلانے کے لئے جن اوصاف و خصوصیات کی میں ضرورت سمجھتا تھا مولینا مودودی میں وہ چیزیں میں پوری طرح نہیں پاتا تھا۔

اس کے بعد سے میری جستجو یہ رہی کہ کوئی ایسا اللہ کا بندہ اس کام کو ہاتھ میں لے جو میری آرزوؤں کے مطابق ہر جہت سے کامل و مکمل ہو۔ اس آرزو کی تکمیل کے لئے اپنے مقصد کے مطابق سعی و کوشش اور تلاش جستجو میں بھی غالباً کوئی کمی نہیں کی اپنے کچھ محترم بزرگ تھے جن کی طرف رہ رہ کے نگاہ جاتی تھی۔ ان کو دوسرے دینی کاموں میں اتنا منہمک یا آج کل کی سیاست کاریوں سے اتنا مانوس و مالاوف پایا کہ وہ اس سے ہٹ کر پوری طرح ادھر آنے کے لئے تیار نہ ہو سکتے تھے۔ وہ اپنی عمروں کا بڑا حصہ اپنی صوابدید کے مطابق جن کاموں اور جن راہوں میں صرف کر چکے ہیں ان کے لئے اس سے یکایک بازگشت کر جانا بہ نسبت ہم جیسوں کے یقیناً بہت مشکل بھی تھا۔

میں یہاں بہت صفائی سے یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں

کہ اس دوران میں اپنے آپ کو بھی میں نے بار بار جانچا اور تولا اور ہر دفعہ فی مابینی دہن میں آئندہ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اس کٹام کے لئے بن خاص صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ مجھ میں موجود نہیں ہیں اسلئے اس مقصد کے لئے خود ہی اٹھ کھڑے ہونے کی ہمت نہ کر سکا اور آگے چلنے والے کی تلاش کا سلسلہ جاری رہا۔

تلاش جستجو کے اس طویل سلسلہ میں بہت سے ایسے نافرمان اور خاموش بندگان خدا کا پتہ بھی لگا جو اس مقصد کے لئے اپنے سر میں مجھ سے بدرجہا زیادہ سودا اور سینہ میں مجھ سے کہیں سوا ٹرپ رکھتے تھے ان میں بعض وہ بھی تھے جن کو میں نے اپنے خیال میں ان صلاحیتوں اور خصوصیتوں کا حامل یقین کیا جن کو میں ضروری سمجھتا تھا۔ لیکن ان سب کا فیصلہ میں نے یہی پایا کہ ہم اس کا عظیم کی ذمہ داری کا بار سنبھالنے کے قابل نہیں ہیں، ہاں کوئی اللہ کا بند اس راہ پر آگے بڑھنے کے لئے تیار ہو تو ساتھ چلنے والوں میں نشا ہم بھی ہوں گے۔ قریب قریب یہی تھا میری دو سال کی تلاش جستجو کا حاصل۔

تلاش جستجو کی اس ناکامی کو بھی میں نے اپنے لئے کافی عذر نہ سمجھا اور اب میں نے طے کر لیا کہ ہر جہت سے کامل و مکمل انسان نہیں ملتا تو اس کے انتظار میں ہاتھ پہ ہاتھ دھربے بیٹھا رہنا غلط ہے جب مقصد کی صحت پر ہمارا ایمان ہے اور ہم خود بہت ناقص ہیں تو اگر کوئی ایسا اللہ کا بندہ میدان میں اترنے کے لئے تیار ہو جائے جو فی الجملہ ہم سے بہتر ہو اور اس مقصد کے لئے کام کرنے

کے واسطے جن مخصوص صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ ان میں بس ہم سے اچھا ہو تو اس کے ساتھ مولینا چاہئے۔ بہر حال ”مردِ کامل“ کی تلاش و جستجو کی اس ناکامی کے بعد کم از کم اپنے حق میں نے یہی فیصلہ کر لیا۔

”جماعتِ اسلامی“ کی تاسیس | مجھے اس آخری فیصلہ پر پہنچے چند ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسالہ ”تَرْجَمَانُ الْقُرْآنِ“ لاہور کے محرم ۱۳۵۲ء کے پرچہ میں (جو غالباً ربیع الثانی میں شائع ہوا تھا) اسی مقصد کے لئے ایک جماعت کی تشکیل کی ضرورت کی طرف مولنا مودودی نے پھر خصوصی طور پر توجہ دلائی اور اجمالی خاکہ بھی پیش کیا۔ اس کے بعد ماہِ صفر کے ”ترجمان“ میں (جو غالباً رجب میں شائع ہوا تھا) ایک عام دعوت دی گئی کہ جو لوگ اس نظریہ سے متفق ہوں اور اس طرز پر کام کرنے کے لئے تیار ہوں وہ اپنے ارادہ سے اطلاع دیں۔ پھر جن لوگوں نے اس کے لئے آمادگی کی اطلاع دی ان سے استدعاء کی گئی کہ وہ یکم شعبان ۱۳۵۲ء (۲۵ اگست ۱۹۳۲ء) کو لاہور پہنچ جائیں۔ چنانچہ جن حضرات کو یہ اطلاع دی گئی تھی قریب قریب وہ سب ہی حضرات پہنچے۔ ان میں اکثر حضرات تو ایسے تھے جو انفرادی طور پر آئے تھے۔ لیکن کچھ حضرات وہ بھی تھے جن کو کسی ایک جگہ کے چند ہم خیال افراد نے اپنی نمائندگی کا بھی حق دے کر بھیجا تھا۔ یہ حضرات تعداد میں کچھ تر تھے۔ راقم سطور بھی ان میں سے ایک تھا۔ یہ اجتماع چار پانچ دن تک جاری رہا۔

ان حضرات نے مجتمعاً و انفراداً بہت کچھ تبادلہ خیالات کے

بعد جماعت کے اساسی عقیدے، منصب العین، نظام جماعت اور
انہدائی لائحہ عمل کے متعلق ان نقاط پر اتفاق کیا جو رد و مستور
جماعت اسلامی کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس دستور کا ابتدائی
مسودہ مولانا مودودی صاحب ہی کا تیار کیا ہوا تھا۔ لیکن جماعت
کی مشاورت اور مبادلہ افکار کے بعد حذف و اضافہ یا تبدیل کی
صورت میں اس میں کچھ ترمیمیں بھی ہوئیں اور اب جو دستور شائع
ہوا ہے یہ وہی طے شدہ دستور ہے۔

جماعت کی امارت | دستور کے آخری حصہ میں "امارت" کے متعلق
جو دفعہ ہے وہ اصل مسودہ میں نہیں تھی دستور کی تکمیل کے بعد جب
تمام شرکاء اجتماع نے اس دستور وانی جماعت میں منسلک ہونا
طے کر لیا یا بالفاظ دیگر ایک مقصد اور اس کے حصول کے لئے جد
جہد کرنے پر اتفاق کر کے جب وہ ایک "جماعت" بن گئے تو یہ سوال
اٹھا کہ جماعتی نظم کے لئے ہم کو کیا شکل اختیار کرنا چاہئے، بالآخر
بہت غور و فکر اور طویل بحث و تحقیق کے بعد یہ اجتماع اس نتیجہ پر متفق
ہوا کہ جماعت ایک امیر کے زیر ہدایت و سیادت کام کرے جیسا کہ
نصوص شرعیہ اور سنت سلف اس کے لئے رہنمائی کرتے ہیں بہر
حال جماعت نے اپنے لئے نہ ڈکٹیٹری نظام کو قبول کیا اور نہ یورپ
سے سیکھی ہوئی اس جمہوریت کو جس پر آج ہندوستان کی اکثر سیاسی
جماعتیں چل رہی ہیں بلکہ "شوروی امارت" کے اسلامی اصول ہی کو
اختیار کیا اور امیر کی پوزیشن اور جماعت میں اس کا مقام متعین
کرنے کے لئے اس کے متعلق ایک مفصل دفعہ بھی دستور میں شامل

کردی جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔

وشنور کی دفونمبر (۱) متعلقہ امار

”اس جماعت کا ایک امیر ہوگا جس کی حیثیت ”امیر المؤمنین“ (باصطلاح معروف) کی نہ ہوگی بلکہ صرف اس جماعت کے رہنما کی ہوگی۔ اس کی اطاعت فی المعروف جماعت کے کل افراد اپنے امیر (باصطلاح شہ عی) کی حیثیت سے کرنیے امیر کے انتخاب میں تقویٰ، علم دین بصیرت، اصابت رائے اور عزم و جزم کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ جماعت کی دعوت ایسے عقیدے اور نصب العین کی طرف ہوگی نہ کہ اپنے امیر کی شخصیت اور اس کی امارت کی طرف۔ جماعت کی نظر میں انتخاب کے وقت جو شخص بھی مذکورہ بالا اوصاف کے لحاظ سے اہل تر ہوگا اس کو وہ اس منصب کے لئے منتخب کرے گی۔“

امیر کی خدا ترسی و احساس ذمہ داری سے یہ توفیق کی جائیگی کہ اپنے سے زیادہ اہل آدمی کے آجانے پر وہ خود اس کے لئے جگہ خالی کر دے گا۔ نیز اسی صورت میں جب کہ جماعت اپنے نصب العین کے مفاد کے لئے ضرورت محسوس کرے وہ امیر کو معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔“

امارت کے متعلق یہ اصول طے کر لینے کے بعد ساتھ ہی جماعت کے سامنے انتخاب امیر کا سوال آگیا۔ امیر میں جو اوصاف ہونے چاہیں

ان کے لحاظ سے بحشت مجموعی مولینا مودودی سے زیادہ بہتر بلکہ ان کے برابر بھی تم نے نظر کیا؟ میں کسی اور کو نہیں پایا۔ اس لئے سب نے انہی کے متعلق رائے ظاہر کی اور انہی سے اس کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ دی جماعت کے امیر منتخب ہوئے۔

مولینا مودودی صاحب نے انتخاب امارت سے پہلے اور بعد میں جماعت کی قیادت و امارت کے متعلق شرکاء اجتماع کے سامنے چند باتیں کہی تھیں۔ ان کا اس جگہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اجتماع کی ابتدائی تہیدی تقریریں مبارہ میں آپ نے فرمایا تھا:-

میرے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ جب دعوت میں نے دی ہے تو آئندہ اس تحریک کی رہنمائی کو بھی میں اپنا ہی حق سمجھتا ہوں۔ ہرگز نہیں، نہ میں اس کا خواہشمند ہوں، نہ اس نظریہ کا قائل ہوں کہ داعی کو ہی آخر کار لیڈر بھی ہونا چاہئے۔ نہ مجھے اپنے متعلق یہ گمان ہے کہ اس عظیم الشان تحریک کا لیڈر بننے کی اہلیت مجھ میں ہے، اور نہ اس کام کی بھاری ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل آدمی یہ حماقت کر سکتا ہے کہ اس بوجھ کے اپنے کندھوں پر لا دے جانے کی خود تمنا کرے۔ درحقیقت میری غایت تمنا اگر کچھ ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اسلامی نظام جماعت موجود ہو اور میں اس میں شامل ہوں، اسلامی

نظام جماعت کے ماتحت ایک چیراسی کی خدمت انجام دینا بھی میرے نزدیک اس سے زیادہ قابلِ حُزب ہے کہ کسی غیر اسلامی نظام میں صدارت اور وزارتِ عظمیٰ کا منصب مجھے حاصل ہو۔ لہذا اس مفروضہ پر نہ چلیے کہ جس طرح تشکیلِ جماعت سے پہلے سارے کام میں اپنی ذمہ داری پر چلا تا رہا ہوں، اسی طرح تشکیلِ جماعت کے بعد بھی میں ہی آپ سے آپ امارت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لوں گا یا لینا چاہوں گا۔ جماعت بن جانے کے بعد میری اب تک کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے آئندہ کے کام کی پوری ذمہ داری جماعت کی طرف منتقل ہوئی جاتی ہے اور جماعت اپنی طرف سے اس ذمہ داری کو جس کے بھی سپرد کرنے کا فیصلہ کرے اس کی اطاعت اور خیر خواہی اور اس کے ساتھ تعاون کرنا ہر فردِ جماعت کی طرح میرا بھی فرض ہو گا۔ (روڈِ اجتماع ص ۱۸)

پھر جب جماعت نے مودودی صاحب ہی کو امارت کے لئے منتخب کیا اور جماعت کا امیر بنایا تو اُس وقت آپ نے جو تقریر کی اس کا ابتدائی حصہ یہ تھا۔

”میں آپ کے درمیان نہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا تھا، نہ سب سے زیادہ متقی، نہ کسی اور خصوصیت میں مجھے فضیلت حاصل تھی۔ بہر حال جب آپ نے مجھ پر عہدہ کر کے اس کا عظیم کا بار میرے اوپر رکھ دیا تو میں اب

اللہ سے جو عا کرتا ہوں اور آپ لوگ بھی دعا کریں کہ مجھے اس بار کو سبکھا لےنے کی قوت عطا فرمائے اور آپ کے اس اعتماد کو مایوسی میں تبدیل نہ ہونے دے میں اپنی حدود تک انتہائی کوشش کروں گا کہ اس کام کو پوری ندرت رسی اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ چلاؤں۔ میں قصداً اپنے فرص کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ میں اپنے علم کی وہ تکنت اللہ و سنت رسول اللہ اور خلفاء راشدین کے نقش قدم کی پیروی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ تاہم اگر مجھ سے کوئی لغزش ہو اور آپ میں سے کوئی محسوس کرے کہ میں راہ راست سے ہٹ گیا ہوں تو مجھ پر یہ بدگمانی نہ کرے کہ میں عمدتاً ایسا کر رہا ہوں، بلکہ حسن ظن سے کام لے اور نصیحت سے مجھے سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔ مجھے اس تحریک کی عظمت اور خود اپنے نقائص کا پورا احساس ہے۔۔۔۔۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں ہونی کہ میں اس عظیم الشان تحریک کی قیادت کا اہل ہوں، بلکہ میں تو اس کو ایک بدقسمتی سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس کا عظیم کے لئے آپ کو مجھ سے بہتر کوئی آدمی نہیں ملا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے فرائض اہلارت کی انجام دہی کے ساتھ میں برابر اس تلاش میں رہوں گا

کہ کوئی اہل تہذیب آدمی اس کام کا بار اٹھانے کے لئے
 مل جائے۔ اور جب میں ایسے کسی آدمی کو پاؤں گا
 تو خود سب سے پہلے اس کے ہاتھ پر بیعت کروں گا
 نیز میں ہمیشہ ہر اجتماع عام کے موقع پر جماعت سے
 بھی درخواست کرتا رہوں گا کہ اگر اب اس نے کوئی
 مجھ سے بہتر آدمی پایا ہے تو وہ اسے اپنا امیر منتخب کر لے
 اور میں اس منصب سے بخوشی دست بردار ہو جاؤں گا
 بہر حال میں انشاء اللہ اپنی ذات کو کبھی خدا کے راستہ
 میں سدا راہ نہ بننے دوں گا۔ (رونداد اجتماع وقت مختصر)

اس انتخاب امارت کے متعلق یہ چیز ملحوظ رکھنے کی ہے کہ
 یہ انتخاب ”امیر المؤمنین“ یا ”امیر الہند“ کا نہیں ہے۔ اور نہ ہم کو
 یہ حق ہے کہ اپنی رائے سے کسی کو مسلمانان ہند کا امیر منتخب
 کر دیں اور وہ ان کے لئے واجب التسلیم اور واجب الطاعت
 ہو بلکہ ”جماعت اسلامی“ کی تاسیس کے اس اجتماع میں جو لوگ
 شریک تھے انہوں نے ہدایات نبوی کے پیش نظر جن میں مسلمانوں
 کی چھوٹی سے چھوٹی جماعت کے لئے بھی ایک امیر کا ہونا ضرور
 بتلایا گیا ہے۔ صرف اس جماعت کے لئے امیر کا انتخاب کیا
 ہے۔ ”دستور“ کی دفعہ متعلقہ امارت میں جو ابھی ابھی نقل ہو چکا
 ہے اگرچہ اس کی صراحت اور وضاحت موجود ہے، لیکن پھر
 بھی کچھ اللہ کے بندے ہیں جو صرف امارت کا لفظ سن کر شور
 مچا رہے ہیں کہ لاہور میں جمع ہونے والے ان چند آدمیوں کو

کیا حق تھا کہ انھوں نے ملک کے تمام اربابِ تل و عقد کو جمع کئے بغیر امیر کا انتخاب کر ڈالا۔ کاش اس قسم کے حضرات ”دستور گو ایک نظر دیکھ ہی لیتے۔“

جماعت میں میری شرکت اور جماعت میں شرکت کا فیصلہ میں نے پہلی اس پر میرے اطمینان کے استناد پر ہی دعوت پر کیوں کر لیا؟ اس کی وجہ آپ کو ان سطروں سے معلوم ہو گئی ہوگی جو شروع میں میں نے ”غفور ٹی سی اپنی سرگزشت“ کے زیر عنوان لکھی ہیں کہ میں اس جماعت کی تاسیس سے بہت پہلے طویل قیام سے تنگ آ کر اپنے حق میں یہ فیصلہ کر چکا تھا، اور اس لئے لاہور کے اس ”اجتماع“ کے لئے میں جب گھر سے روانہ ہوا تھا تو جماعت میں شرکت ہی کے ارادے سے چلا تھا۔ لیکن اجتماع کے چند مشاہدات میرے لئے مزید ترغیب و طمانیت کا باعث ہوئے، اور انھوں نے رہے رہے تڑو کو بھی طمانیت سے اور فکر کی بعض الجھنوں کو بصیرت سے بدل دیا اور اس طرح میں نے طمانیت و بصیرت کے ساتھ اپنے کو اس جماعت سے وابستہ کر دینا ہی اپنے حق میں بہتر بلکہ ضروری سمجھا۔ وہ چند مشاہدات یہ تھے:-

(۱) جماعت میں شرکت کے لئے جو لوگ مختلف مقامات سے آئے تھے نہ صرف ان کی گفتار سے بلکہ عام طرزِ عمل سے بھی اخلاصِ اللہ اور دینداری کا بھان میں نے نمایاں پایا۔

(۲) یہ لوگ عموماً اس جماعت اور دوسری عام سیاسی جماعتوں اور اداروں کے فرق کو سمجھنے والے تھے۔

(۳) ان میں (میری توقع کے خلاف) ”باضابطہ علماء“ کی بھی خاصی تعداد تھی (غالباً دس بارہ حضرات ہوں گے) ان میں مختلف مسلکوں کے اور مختلف مکاتب خیال کے فیض یافتہ حضرات تھے مثلاً مجھ جیسے دیوبندی حنفی بھی، اور پھلواری اور ندوی بھی، سنی سلفی المسالک اہل حدیث بھی۔ مگر بحمد اللہ سب ان مسالک کے جزوی اختلاف کے حدود کو صحیح طور پر سمجھنے والے اور وقت کے دینی تقاضوں کا احساس رکھنے والے تھے۔

(۴) انگریزی تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات بھی خاصی تعداد میں تھے مگر میں نے ان میں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے آج کے نام تعلیم یافتوں میں خاص فرق محسوس کیا۔ ان میں دین کا جذبہ اور اکثر میں دین کی سمجھ اور اس کے مطابق عمل بھی تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ مولینا مودودی کی دعوت نے اس طبقہ کے صرف انہی دلوں کو اپیل کیا ہے جن میں اللہ اور اس کے دین کے لئے اچھی جگہ ہے۔ پھر جب ہر ایک کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کا موقع ملا تو ان میں سے بہت سوں کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ پہلے ”آزاد“ بلکہ ”آوارہ مزاج“ قسم کے نوجوان تھے مودودی صاحب کے مذاہن و مقالات نے ان میں دین کے احساس کو تازہ کیا اور اس طرح ان میں یہ خوش گوار تبدیلی پیدا ہوئی۔

(۵) علاوہ اور چیزوں کے ان ”جدید تعلیم یافتہ“ حضرات میں ایک خاص چیز میں نے یہ محسوس کی کہ وہ قریب قریب سب ہی اس کا احساس رکھتے تھے کہ ”جماعت اسلامی“ جس کام کو لے کر

اٹھ رہی ہے وہ خالص دین ہے اس لئے اس میں بڑی حصہ داری اور ذمہ دارانہ رائے زنی کے لئے علم دین کی ضرورت ہے کسی اجتماعی کام کے متعلق یہ احساس و اعتراف آجکل کے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں بالکل مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ اور نتائج کے لحاظ سے یہ بڑی خطرناک چیز ہے اس لئے مجھے اس کی بڑی قدر ہوئی۔

(۶) سب سے زیادہ جس چیز سے میں متاثر ہوا وہ اس اجتماع کا یہ اصول اور طرز عمل تھا کہ ہر معاملہ میں کتاب و سنت اور صحابہ کرام کا طریق عمل ہمارے لئے حکم ہو گا۔ اجتماع میں جو کچھ ہوا وہ اسی اصول کے ماتحت ہوا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ بعض امور میں رہنمائی مختلف ہوئی مگر کتاب و سنت یا افعال صحابہ کرام سے جب کسی ایک جانب کی ترجیح معلوم ہو گئی تو سب نے بلا چون و چرا اسی کو تسلیم کر لیا حتیٰ کہ جماعت کے آئین کے بارے میں بھی صرف انہی اصول کو دین کو چراغ راہ بنایا گیا۔ میرا دل اس چیز سے اس لئے بہت زیادہ متاثر ہوا کہ مجھے مسلمانوں کی ان بہت سی سیاسی یا نیم سیاسی و نیم مذہبی جماعتوں کی مجالس خاصہ و عامہ میں جو بیسیوں برس سے اپنے صوابدید کے مطابق مسلمانوں کی خدمت کر رہی ہیں بارہا حاضری بلکہ شرکت کا موقع ملا ہے۔ وہاں میں نے زیر غور مسائل میں اس پہلو سے غور موتا بہت کم دیکھا یا بالکل نہیں دیکھا اور نظام کار تو وہاں کا بالکل ہی یورپین جماعتی اصولوں سے ماخوذ پایا ایک دفعہ نہیں بلکہ بارہا کامیرا مشاہدہ ہے کہ ان مجالس میں جب کوئی آئینی بحث آپڑی تو اگر وہاں کوئی سینٹرل اسمبلی یا صوبہ جاتی

اسمبلی کے ممبر موجود ہوئے تو ان سے استصواب کیا گیا کہ اس بارہ میں آپ کے یہاں کا طریقہ کیا ہے۔ اور معلوم ہونے پر اسی کے مطابق عمل کیا گیا۔ اس سے میرا مقصد ان جماعتوں پر تنقید نہیں ہے۔ بلکہ میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ گمراہی سے ہوئے اس زمانہ میں جب کہ دنیا نے ان امور میں کتاب سنت اور اسوۂ نبوی و تعامل سلف کی اقتداء عملاً چھوڑ دی ہے، کسی جماعت کا اس بھولے ہوئے سبق کو پھر یا کرنا عملاً اس کا التزام کرنا کم از کم میرے لئے مجید طمانیت اور بہت زیادہ کشش کا باعث ہوا۔

ہم لوگوں کے تصور علم کے باعث یہ ممکن ہے کہ کسی معاملہ کے متعلق نقطہ صواب تک پہنچنے سے قاصر رہے ہوں اور ہمارا فیصلہ نفس الامری صحیح نہ ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہم سب نے فی مابیننا زمین اللہ اس کی پوری کوشش کی ہے کہ کتاب و سنت کی پختائی ہی میں ہمارا قدم اٹھے۔ **وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ** !

بہر حال یہ تجھیں وہ چند خاص چیزیں جو میرے لئے جماعت اسلامی میں شرکت کے بارہ میں مزید رغبت و طمانیت کا باعث ہوئیں اور اب بحمد اللہ پوری طمانیت و بصیرت کے ساتھ میسر ہوئی فیصلہ ہے۔

مصاحبت دیدن آفت کہ یارِ نبی ہمہ کار
 بگذارد و سمر طرہ یار سے گیرند
 واقعات کی اس مختصر سی روداد کو پیش نظر رکھ کر جماعت

وہ ”دستور“ ملاحظہ کیجئے جو اس کے بنیادی عقیدے، تصبیح اور نظام جماعت پر مشتمل ہے اور اپنی دینی ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے حق میں خود فیصلہ کیجئے کہ اعلیٰ کلمۃ الحق اور قانون خدا کی سر بلندی کے لئے اس جماعت کی شرکت و رفاقت اور اس کے ساتھ تعاون خدمت دین کی ایک اعلیٰ صورت ہے یا نہیں؟ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی بہبودی کی توقع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی آپ سوچیں کہ اگر کوئی جماعت اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے آج اٹھنا چاہے تو کیا اس کے لئے اس کے سوا کوئی اور نظام یا کوئی اور طریق کار ہو سکتا ہے؟ پھر خواہ آپ کا فیصلہ اپنے حق میں کچھ ہو اگر آپ کو علم دین کی نعمت اللہ نے دی ہے تو خدا کا واسطہ دے کر ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ اس ”دستور“ میں بلکہ جماعت کی تشکیل کے پورے سلسلے میں کتاب و سنت اور اُسوۂ نبوی کے نقطہ نظر سے اگر ہم سے کوئی غلطی آپ کے نزدیک ہو رہی ہے تو اللہ ہم کو اُس پر ضرور متنبہ فرمائیے تاکہ غور کر کے ہم اس کی اصلاح کر سکیں **فَوْقِ ذِی عِلْمٍ عَلَیْہِمْ** پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم ناقص العلم بشر ہیں اور ہم سے غلطی ہو سکتی ہے لیکن براہ کرم کتاب و سنت اور اپنے ذاتی فہم و فکر یا تجربہ کو گڈ مڈ نہ کیجئے اگرچہ آپ کے فہم و فکر اور تحریات سے استفادہ سے بھی ہم کو سیکھنا نہ ہو گا۔

بعض شکوک و شبہات اور ان کے جوابات

خدا کا شکر ہے ہم اپنے کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے اور یقین

رکھتے ہیں کہ دوسروں کی طرح ہم سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، اسلئے نیک نیتی کے ساتھ جو تنقید ہماری رائے اور ہمارے کام پر کی جائے اور جو کوشش ہماری اصلاح کے لئے کسی طرف سے عمل میں آئے ہم پوری خوش دلی کے ساتھ اس پر غور کرنے کے لئے اپنے کو تیار پاتے ہیں۔ ان چند ہی دنوں میں بعض حضرات کی مخلصانہ تنقیدوں اور مصلحانہ مشوروں سے جہاں ہم نے فائدہ اٹھایا وہیں کچھ سوالات اور شکوک و شبہات اس قسم کے بھی سامنے آئے جو اگرچہ محض کسی غلط فہمی یا کم غوری کا نتیجہ ہیں۔ لیکن بہت سے دلوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ان سوالات اور شبہات کے جوابات بھی یہاں عرض کر دئے جائیں تاکہ ناظرین میں سے کسی صاحب کے دل میں اگر ان میں سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو تو ان کو جواب حاصل کرنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

(۱) کسی نئی جماعت کی تشکیل اور کسی جدید تحریک کے آغاز کا ذکر سنتے ہی بعض حضرات کے دل میں سب سے پہلا خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعتوں، اجتماعوں اور تحریکوں کی مسلمانوں میں پہلے ہی سے کیا کمی ہے جو ایک جدید جماعت کی تشکیل کی ضرورت محسوس کی گئی اور ایک نئی تحریک کے گھڑا کرنے کا قصد کیا گیا۔

یہ سوال بہت سے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسے حضرات اگر صرف اعتراض کا فرض ادا کر دینا ہی نہیں بلکہ سنجیدگی سے معاملہ کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ان کو غور کرنا چاہئے کہ اگر دین کا مطالبہ اور وقت کا تقاضا کسی خاص بیج پر کام کرنے کا

ہو اور پہلے سے موجود رہنے والی جماعتیں اور انجمنیں (خواہ اپنی غفلت کی وجہ سے اور خواہ اس لئے کہ وہ اس کو دینی مطالبہ اور وقتی تقاضا ہی نہ سمجھتی ہوں) اس طرف توجہ نہ کریں اور بار بار توجہ دلانے پر بھی اس فرض کو ادا کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو جو لوگ دیانت داری سے اس کو دین کا مطالبہ اور اسلام کا وقتی فریضہ سمجھتے ہیں، ان لوگوں کے لئے اس کے سوا کیا چارہ کار رہ جاتا ہے کہ وہ خود ہی پھر اس کے لئے کمر مہمت باندھیں، اور اگر وہ کام کسی جماعت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تو پھر خود ہی اس کے لئے ”جماعت“ بھی بنائیں۔ اگر اس سوال کے کرنے والے حضرات کو معلوم نہیں ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ پہلے برسوں تک ہندوستان کی تمام موجودہ موقر اسلامی جماعتوں کو مخاطب کر کے یہ عرض کیا گیا کہ وہ اس چیز کو اپنا نصب العین بنائیں اور اس طریق پر کام کریں۔ لیکن جب پکارنے والے کو مسلسل لہر بزدھند دعائی الا فرادرا ہی کا تجربہ ہوتا رہا اور کسی ایک جماعت نے بھی اس راہ پر اتنا پند نہ کیا تو اس کے سوا کیا کیا جاسکتا تھا کہ لوگ اس نصب العین اور اس طریق کار کو صحیح سمجھتے تھے وہ خود ہی ایک جماعت بن کر اٹھنے کا فیصلہ کر لیں، بلکہ یہ فیصلہ کر لینے کے بعد بھی جماعت کی تشکیل سے چار باہ پہلے ”ترجمان القرآن“ ہی کے ذریعہ ایک آخری اعلان کیا گیا کہ ”دین کا مطالبہ اور مکتب کا تقاضا یہ کام اس طرح کرنے کے لئے ہے اور ہمارے سامنے اس کے لئے یہ خاکہ ہے۔ اگر مسلمانوں کی موجودہ کارکن جماعتوں میں

کوئی اُس کو اختیار کر لے تو پھر ہماری خدمات اس کے ساتھ ہیں
ورنہ اس کے لئے نئی جماعت کی تشکیل ناگزیر ہوگی اور مجبوراً
ہم کو کرنی پڑے گی۔ پھر جب پہلی پیکاروں کی طرح یہ
آخری اعلان بھی ”صدابصحا“ ہی ثابت ہوا تو ہم کو اسی فیصلہ
پر عمل کرنا پڑا اور نہ کسی سہ پھرے کو اس کی کیا ضرورت ہوتی کہ وہ
اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر لے اور غیروں کی طرف سے آنے
والے خطرات کے علاوہ اپنوں کے ”طنز آمیزندہ“ کا نشانہ بھی بنے
(۲) بعض حضرات نے جماعت کا ”دستور“ وغیرہ دیکھ کر فرمایا

————— اس میں تو کوئی بھی نئی بات نہیں، اس قسم کی ایک جماعت
قریب ہی زمانہ میں فلاں مولانا صاحب نے بھی بنائی چاہی تھی یہ
بس اسی کا تازہ ایڈیشن ہے۔

گویا ان بندگانِ خدا کے نزدیک کسی کام کے غلط اور فضول ہونے
کی یہ بھی ایک دلیل ہے کہ ”یہ کام پہلے بھی کیا جا چکا ہے“

خدا کے بندو! کوئی صحیح اور ضروری کام اگر ہزار بار بھی کیا جا چکا
ہے تو صرف اس وجہ سے آج وہ کیوں غلط اور فضول ہو سکتا ہے
کہ وہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ ہمارا تو کہنا یہی ہے کہ ہم کوئی بالکل نیا
اور اچھوتا کام لیکر کھڑے نہیں ہو رہے ہیں بلکہ دنیا کی طویل عمر میں
یہ کام ہزاروں بار ہو چکا ہے۔

ہمارے پیش نظر اللہ کے دین اور اس کے پیغمبروں کے کام
ہوئے پیغام کی خدمت اور اس کی سربلندی ہی تو ہے۔ یہ کام اپنے
اپنے وقت میں ہر پیغمبر اور ان کی متبع جماعت نے کیا ہے اور دور

نبوت کے اختتام کے بعد بھی اللہ کے ہزاروں صالح بندوں نے مختلف زمانوں میں اس کے لئے اپنے حسبِ مقدور کوششیں کی ہیں۔ ہم ضعفاء و عصاة بھی اسی کو اپنا مقصدِ حیات بنانا اور دوسروں کو اسی کی طرف دعوت دینا چاہتے ہیں۔ ہم صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے کوئی نیا اور اچھوتا کام نہیں ہے بلکہ ”پرانی بیکری فقیری“ ہی ہمارا مسلک ہے۔ ہم اس امت کی فلاح ”نئے نظریوں“ اور ”نئے نظاموں“ میں نہیں سمجھتے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری نجات و فلاح صرف اسی قدیم نظریے اور اسی پرانے نظام میں ہے جو اللہ کی کتاب اور اسوۂ نبوی نے ہمارے لئے متعین کیا ہے۔ —
 ولن یصلح اخر هذه الامة الا بما صلح به اولها۔

(۳) ”جماعتِ اسلامی“ کا دستور دیکھ کر اور ہماری باتوں کو سن کر بعض حضرات نے ناصحانہ انداز میں فرمایا ہے کہ دیوانے ہو گئے ہو؟ یہ کیا آوازیں منہ سے نکالتے ہو اور کیسے دورانہ کار منصوبوں میں وقت ضائع کر رہے ہو؟ جانتے ہو کہ خود تمہارے اوپر وہ طاقت مسلط ہے جس کے ایک ادنیٰ اشارے پر دولتِ مستقلہ ایران کے خود مختار بادشاہ کو اپنے تاج و تخت سے دست بردار ہو کر بیکنینی و دوگوش ایران ہی سے نکل جانا پڑا۔

و حقیقت یہ خیال ایسا ہے جو بہت سے سوچنے سمجھنے والے دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے لیکن ”سوچنے سمجھنے والے“ یہ حضرات ذرا اور سوچ سمجھ کر بتلائیں کہ اُن کی اس منطق کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہی نا کہ جب تک کفر طاقتور رہے اور باطل کو تسلط و اقتدار حاصل رہے

اس وقت تک اعلیٰ کلمۃ الحق اور تغلیب دین الہی کا تصور اور اس کے لئے ابتدائی تیاری بھی نہ کی جائے۔ ہاں جب کبھی کفر خود بخود سرنگوں ہو جائے، باطل بے جان ہو کر خود گرنے لگے اور طاقت و اقتدار اللہ کے صالح بندوں کے ہاتھوں میں آجائے تو اُس وقت یہ عباد صالحین اعلیٰ کلمۃ اللہ اور اظہار دین حق کے لئے اٹھیں، اگر ان ناصح بزرگوں کا مطلب یہی ہے تو براہِ کرم وہ اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیں اور سوچیں کہ دینی عقلی یا تجربی کسی حیثیت سے بھی ان کی یہ رائے درست ہے؟ اور کیا کوئی قوم، اور کوئی پارٹی اس اصول پر کسی وقت بھی اٹھ کے کچھ کرنے کا ارادہ کر سکتی ہے؟ نیز غور فرمایا جائے کہ اگر قرونِ اولیٰ کے مسلمان بھی اس منطق کے قائل ہوتے تو کیا اسلام کا پیغام مکہ اور مدینہ سے آگے بڑھ سکتا تھا؟ کیا ان کو ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوہم سنا سنا کے ڈراوے نہیں دیئے گئے تھے؟ اور کیا اس سے بھی پہلے ایسے ہی کچھ کہنے والوں نے موسیٰ علیہ السلام سے ان فیہا قومًا جبّادین وَاَنَالَ نَدَخْلَہَا حَتّٰی یَخْرُجُوا مِنْہَا فَاَنَادَ اَخْلُوْنَ ؕ لَمْ یَنْہٰی کہاتھا؟ پھر خدا کی وحی نے اس بارہ میں جو فیصلہ کیا آج کے حالات میں کیا ہم اس سے کوئی روشنی اور ہدایت حاصل نہیں کر سکتے؟

اور اگر ان بزرگوں کی نصیحت کے سمجھنے اور اس کا منطقی نتیجہ نکالنے میں ہم سے غلطی ہو رہی ہے تو براہِ کرم ہماری اس غلطی کی وہ خود ہی تصحیح کر کے اُمنون فرمائیں۔ اور اگر ان بزرگوں کا یہ خیال ہے کہ

ہم لوگ اپنی نا تجربہ کاری اور نا عاقبت اندیشی کی بناء پر کسی خطرناک اقدام کے لئے پر تول رہے ہیں اور بس ابھی کو د جانا چاہتے ہیں تو مجھن خوش فہمی ہی کہی جاسکتی ہے — ہر کام کام کی طرح ہوتا ہے۔ ہر قدم صحیح وقت آنے اور اس کے ضروری اسباب و وسائل مہیا ہو جانے ہی پر اٹھایا جاسکتا ہے — لیکن یہ اسباب و وسائل اور علیٰ ہذا ان اسباب کے ابتدائی اسباب بھی تو آپ سے آپ مہیا نہیں ہو جائیں گے۔ فتکفر و اولاد کو نوا من المستعجلین۔

(۴) بعض حضرات نے ”جماعت اسلامی“ کی دعوت سن کر فرمایا کہ اب سے کوئی سو اسو برس پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ اس تھریک کو لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے اخلاص اور تقدس اور تقویٰ کا جو حال تھا وہ واقفین تاریخ کو معلوم ہے۔ ان کے ساتھ مجاہدین کی اچھی خاصی تعداد بھی تھی، سامان جنگ بھی خاصا تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ایسے صلحاء و اتقیا ان کے رفقا میں تھے جن کی آج ڈھونڈ مٹنے سے بھی دو چار نظیریں نہیں مل سکتیں بلکہ اخلاص و دینداری کے لحاظ سے پورے قافلے کا یہ حال تھا کہ گویا صحابہ گرام کا عہد پھر عود کر آیا ہے۔ — پھر جس باطل طاقت سے ان کا مقابلہ تھا آج کل کی منظم طاغوتی طاقتوں سے اُسے کوئی نسبت نہیں دی جا سکتی۔ — تو اب جب کہ نہ وہ با خدا ہستیاں ہیں، نہ وہ ساز و سامان ہے، اور اس کے برعکس مخالف طاقتیں اس وقت کے

اعتبار سے بدرجہا طاقتور میں کیونکر اس قسم کی کسی تحریک کے کامیاب ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

”تجربہ کاری“ کے مدعی بعض حضرات نے حضرت سید صاحب کی تحریک کے علاوہ اسی کے ضمیمہ تحریک صادق پور (پٹنہ) اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ماضی قریب کی تحریک کی ناکامی کا حوالہ دے کر بھی ہم کو یہی درس دیا ہے کہ اب زمانہ اس کام کے لئے ناکارہ نہیں رہا، اور اب اس راہ پر چلنا اپنی کوششوں اور اپنے وقت کو صرف ضائع کرنا ہے۔

اور حقیقت ”جماعت اسلامی“ کے متعلق اب تک جو سوال یا اعتراضات سننے میں آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ مایوس کن اور خطرناک یہی مغالطہ ہے اس لئے اس کا جواب کسی قدر تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جن چند تحریکیوں کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ان کا انجام بظاہر ناکامی ہی پر ہوا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی تحریک کی علمبردار جماعت کے شکست کھا جانے کے بعد اس کے بقایا (پس ماندگان) دو قسم کا شریک کرتے ہیں، یا یوں کہنا چاہئے کہ دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو فاتح طاقت کی غیر معمولی طاقتوری سے مرعوب ہو کر تحریک ہی سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور ”رضا بالقضا“ یا ”مجبوری“ کو تقاعد (باتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے) کی پالیسی کا بہانہ بنا لیتے ہیں اور دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جو شکست کے بعد بھی تحریک سے

دست برداری و تقاعد پر راضی نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی شکست کے اسباب کا کھوج لگاتا ہے، تحریک کی پوری سرگزشت اور پارٹی کی جدوجہد کے تمام واقعات پر عیسق نظر ڈالتا ہے اور اس غور و فکر کے بعد وہ جن کمزوریوں، جن غلطیوں اور جن غفلتوں کو شکست کا باعث سمجھتا ہے ان کو خاص طور سے مش نظر رکھ کر اور ماضی کے تمام تلخ و شیرین تجربات سے فائدہ اٹھا کر پھر سے جدوجہد کے لئے تیاری کرتا ہے۔ وہ پچھلی شکستوں سے یاس و ہراس کا سبق نہیں لیتا بلکہ ان کو قدرت کا تازیانہ سمجھ کر پہلے سے زیادہ آمادہ عمل ہو جاتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہوتا ہے جو اپنے جماعتی مقاصد ہی کے لئے جینے اور مرنے کا فیصلہ کئے ہوئے ہوتا ہے۔

پہلے گروہ کے فیصلہ اور پالیسی کا انجام ہمیشہ جمود و تقاعد اور دائمی ذلت و محکومیت پر قناعت و صبر ہوتا ہے۔ اور دوسرے گروہ کے فیصلہ کا نتیجہ مسلسل جدوجہد اور آخر کار ایک دن حصول مقصد اور حصول بہ منزل کی صورت میں نکلتا ہے۔ ان دونوں پالیسیوں کے یہ دو نتیجے اتنے ظاہر اور غیر مشتبہ ہیں کہ دنیا کی انقلابی تحریکوں سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا بھی کوئی شخص اور غالباً اوسط درجہ کی عقل رکھنے والا کوئی انسان بھی اس میں شک نہیں کر سکتا۔ پھر اس سے بھی غالباً کسی کو انکار نہ ہو سکے گا کہ مقصد سے صحیح عشق رکھنے والوں کے لئے دوسرے می گروہ کا طریق کار لائق تقلید ہے اور اگر فح و ظفر کی توقع کبھی کی جاسکتی ہے تو اسی سے کی جاسکتی ہے۔ قرآن پاک نے بھی اپنی پارٹی (حزب اللہ) کے لئے شکست

کھا جانے کی صورت میں اسی طرف رہنمائی کی ہے، غزوہٴ اُحد میں جب بعض خاص وجود سے ایمان والی جماعت کو شکست ہوئی تو ان کو ہدایت فرمائی گئی:-

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ط

اور (اس شکست کی وجہ سے) ہمت ہار کے بیٹھ نہ جاؤ اور غم نہ کھاؤ۔ تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تمہارا ایمان پختہ اور سچا ہو۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ
قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا
بَيْنَ النَّاسِ ط (آل عمران ۱۶۷)

اگر اس جنگ میں تم پر چوٹ پڑی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ دشمن کو بھی تمہارے ہاتھ سے (بدریں) لگ چکی ہے اور فتح و شکست کے یہ دن تو ہم قوموں میں ادلتے بدلتے رہتے ہی ہیں۔

پھر اسی سلسلہ میں چند آیتوں کے بعد ان شکست خوردہ مجاہدین اُحد کو سبق دینے ہی کے لئے پچھلے زمانہ کے بعض ان پیغمبروں اور ان کے ساتھ جہاد کرنے والے مومنوں کا ذکر کیا گیا جن کو طاعون طاقوتوں سے جنگوں میں بڑی بڑی مصیبتیں اور تکلیفیں بھی اٹھانی پڑیں لیکن پھر بھی وہ ہمت ہار کے نہ بیٹھے بلکہ اپنی جدوجہد میں برابر لگے رہے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔

وَكَايْنٍ مِنْ نَبِيِّ قَتَلَ مَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرٌ
فَمَا وَهَّ نُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ
يُحِبُّ الصَّابِرِينَ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ
إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْمِئْنَا غُفِرَ لَنَا ذُنُوبُنَا
وَاسْمِئْنَا فِي آفِرْنَا وَثَبَّتْ أَقْدَامُنَا
وَأَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ هـ

(الاحزاب ۱۵)

اور پہلے کتنے ہی ایسے نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگیں کی ہیں، پھر اللہ کے راستے میں ان پر جو مصیبتیں پڑیں اور جو سخت آفتیں آئیں ان کی وجہ سے انھوں نے ہمت نہیں ہار دی اور نہ سُست ہوئے اور نہ ”عاجز و لاجار“ ہو کر بیٹھے (بلکہ ثابت قدمی کے ساتھ اپنی جدوجہد میں لگے رہے) اور اللہ ایسے صبر و ثبات والوں کو بہت چاہتا ہے — اور احادیث ہے کہ دشمن کے مقابلے میں پیش آنے والی مصیبتوں کی ان گٹھریوں میں بھی ان اللہ والوں کی زبان سے اس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ انھوں نے عرض کیا اے ہمارے رب ہمارے گناہوں ہماری زیادتیوں کو بخش دے ہم کو اس جدوجہد میں ثابت قدم رکھ! اور کافروں پر ہم کو غالب کر دے!!

قرآن پاک کی ان ہدایات اور اس حکمتِ عملی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کے سخت خلاف ہے کہ اللہ کی راہ میں کام

کرنے والے اور اعلیٰ کلمۃ الحق کے لئے جدوجہد کرنے والے کسی معرکہ کی شکست کو سہ بنا کر مہت ہار کے بیٹھ جائیں اور ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو مایوس کر لیں۔ بلکہ اس بارہ میں اس کی ہدایت یہ ہے کہ خدا کے سپاہی اس شتم کی شکستوں کو اپنے لئے قدرتی تازیانہ سمجھیں اور ان مجاہدین فی سبیل اللہ کے نقش قدم پر چلیں جو شکست پر شکست کھانے اور مصیبتوں پر مصیبتیں کھانے کے باوجود اپنی جدوجہد جاری رکھتے ہیں۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تحریکوں کا انجام یاد دلا کر ہم کو نصیحت کرنے والے یہ بزرگ اللہ غور فرمائیں کہ کیا یہ آیتیں قرآن میں صرف تلاوت کے لئے ہی نازل ہوئی ہیں یا ان میں ہمارے لئے کوئی سبق اور ہدایت بھی ہے؟ نیز ذرا اس پر غور فرمایا جائے کہ اگر آپ کا یہ طریقہ فکر صحیح ہے تو کیا اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے کہ ”اعلاء کلمۃ الحق کے لئے عملی جدوجہد“ کے دفتر کو قیامت تک کے لئے لپیٹ کر رکھ دیا جائے کیوں کہ آپ کی منطق کی رو سے تو جب تک حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید سے بھی اچھے اور بزرگ تر رہنا نہیں ملتے اور ان کے جیسے صالح اور مخلص و متقی رفقا پیدا نہیں ہوتے، کوئی قدم اس مقصد کے لئے اٹھایا ہی نہیں جاسکتا۔ اور لہذا ہر اب ایسے لوگوں کی توقع نہیں۔ تو حاصل یہی ہونا کہ اب اس مسئلہ کو داخل دفتر ہی کر دیا جائے۔ کیا فی الحقیقت آپ حضرات کا یہی فیصلہ ہے؟

نیز ذرا یہ بھی سوچا جائے کہ کیا حق و باطل کی آویزش کی ساری تاریخ میں حق کے حامیوں اور علمبرداروں نے ہمیشہ شکست کی شکست کھائی ہے۔ یا کبھی اس کے خلاف بھی ہوا ہے؟ پھر آخر اپنے حق میں فیصلہ کرنے کے لئے صرف شکستوں ہی کو کیوں سامنے رکھا جاتا ہے اور کیوں صرف اسی ماتحتی تاریخ کو دہرایا جاتا ہے؟ تاریخ کے دوسرے روشن حصے سے کیوں سبق نہیں لیا جاتا؟ حالانکہ قرآن پاک نے ایسے موقع پر اسی دوسرے روشن حصے کی طرف خاص توجہ دلائی ہے (وَكَمْ مِّنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فَتْنًا كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ)

اور قطع نظر اس ساری بحث سے انجام کے متعلق آپ کا خطرہ اور آپ کا یہ سوچ بچار اگر خدا نخواستہ صحیح بھی ثابت ہو تو بس باوجود سے زیادہ یہی تو ہو گا کہ آج کی تحریک کا بھی وہی انجام ہو رہے گا جو اب سے ایک صدی پہلے سید صاحبؒ کی تحریک کا ہوا۔ تو کیا ایک مومن کے لئے یہ انجام سچے کم قیمتی ہے؟ ہل تر بصون بتا الاحدی المحسنین)

اور اگرچہ نفاہر وہ تحریک نا کا مبابی بر ختم ہوئی اور اس کے علمبردار آخر بالا کوٹ میں شہید ہی ہو گئے لیکن کیا کوئی واقف کار اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس تحریک سے مسلمانانِ ہند کو کتنا عظیم دینی نفع پہنچا؟ اور کیا عجب کہ اسی مقدس خون کی سبکت ہو کہ وہ سلق آج تک اس کفرستان ہند میں یا دیکھا جا رہا ہے۔ بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو حضرت سید صاحبؒ کی تحریک

اور حضرت شیخ الہندؒ کی اسکیم کی بظاہر ناکامی کو ”تقاعد“ کی یا ایسی کی سند اور دلیل تو نہیں بناتے البتہ وہ اس پوری تاریخ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اب اعلیٰ کلمۃ الحق کے لئے ”جدوجہد“ کے امکان ختم ہو گئے ہیں۔ اب بس یہی صورت ممکن ہے کہ ملک میں جو فلاں فلاں تحریکیں چل رہی ہیں بس انہی سے اپنی کوششوں کو وابستہ کر دیا جائے اور اس کے بعد پھر انشاء اللہ یوں ہو جائیگا۔

چونکہ اس خوش فہمی کے متعلق اب سے سال دو سال پہلے الف مرقان میں بہت تفصیل سے لکھا جاتا رہا ہے نیز یہ مغالطہ بہت طویل بحث کا محتاج ہے۔ اس لئے یہاں اس بارہ میں کچھ نہیں عرض کیا جا رہا ہے جو حضرات اس مغالطہ میں مبتلا ہوں ان سے گزارش ہے کہ وہ مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ”سیاسی کشمکش“ کا کم از کم ”تیسرا حصہ“ ضرور ملاحظہ فرمائیں، بلکہ ”جماعت اسلامی“ کے متعلق کچھ سوچنے والے تمام حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس کا مطالعہ ضرور فرمائیں وہ اس جماعت اور تحریک کے بنیادی لٹریچر کا اہم ترین حصہ ہے۔

(۵) بعض لوگوں کو ”دستور“ میں ”تجدید ایمان“ اور ”اداعے شہادتین“ کا لفظ دیکھ کر یہ شبہ ہوا ہے کہ معاذ اللہ ہم ان تمام مسلمانوں کو جو اس جماعت سے باہر ہیں مومن اور مسلمان ہی نہیں سمجھتے ہیں۔

سچ کھانسی پینا! بدگمانی بھی انسان کو بعض اوقات کہاں سے کہاں لے جاتی ہے — اس ”تجدید ایمان“ اور ”اداعے شہادتین“

کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ ”ایمان لانے“ اور صدق دل سے سوچ سمجھ کر توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے سے جو ذمہ داریاں ایک مومن پر عائد ہوتی ہیں، جن کا ذکر ”دستور“ میں کر دیا گیا ہے ان کا احساس پھر تازہ ہو جائے اور ان کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے آدمی اس جماعت میں داخل ہو جس کے داخلہ کی شرط بس ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کا عہد و پیمان ہی ہے۔

نیز اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ خدا اور رسول پر واقعی ایمان رکھنے والے مومنین صادقین اور دین کے بنیادی اصولوں تک سے نا آشنا (بلکہ ان کے منکرین تک) جس طرح ”مسلمان قوم“ میں آج گڈ مڈ ہو رہے ہیں اور ”مسلمان سوسائٹی“ کے مساوی درجہ کے ممبر سمجھے جاتے ہیں، یہ جماعت اس طرح کے خلط ملط سے محفوظ رہے جو آئے خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والا ایمان لانے والا ہی آ بہر حال ”تجدید ایمان“ اور سمجھ بوجھ کر ادعاء شہادتین سے ہماری غرض صرف یہی ہے۔ نہ یہ کہ ہم دوسرے سارے مسلمانوں کو ”نہج مومن“ سمجھتے ہیں۔ مَعَآذَ اللہ! ان نکون من الغالین۔

خود ہماری نگاہوں میں بہت سے ایسے ایمان و صلاح والے ہیں جن کا ایمان اور جن کا ورع و تقویٰ خود ہمارے لئے لائق تقلید نمونہ ہو سکتا ہے۔ اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان کے ان محاربین اعمال میں ان کے نفس قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

(۶) کچھ شکوک و شبہات اور اعتراضات وہ ہیں جن کا تعلق

مولینا مودودی کی ذات سے ہے۔

ان میں کچھ اعتراضات تو وہ ہیں جو محض افتراء و ہمتان کے قبیل سے ہیں۔ اس قسم کے اعتراضات کے متعلق ہم کو کچھ بھی عرض کرنا نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ اللہ پاک ان لوگوں کو جھوٹ اور افتراء سے بچنے کی توفیق دے اور مسلمانوں کو اتنی سمجھ اور دیانت دے کہ وہ بلا تحقیق کسی کے متعلق اس قسم کی بدگمانیوں کو اپنے دلوں میں جگہ دینے کے لئے تیار نہ ہوں۔

ان کے علاوہ کچھ اور شبہات و اعتراضات بھی ہیں جن کے لئے فی الواقع کوئی منشا اور مصلحت ہو سکتا ہے اور صرف انہی کے متعلق یہاں کچھ عرض کرنا ہے۔

مثلاً بعض حضرات کو ان کے فقہی مسلک پر اعتراض ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ اس بارہ میں بالکل متضاد قسم کے اعتراضات خود میرے علم میں آئے ہیں۔ مثلاً بعض انتہا پسند قسم کے غیر مقلد حضرات کو ان پر اعتراض ہے کہ وہ تقلید اور آراء فقہاء سے پورے آزاد نہیں ہیں اور اس کے برعکس بعض سخت قسم کے مقلد حضرات سے یہ نے خود کو ناکہ ان میں غیر مقلدی کا رنگ ہے۔ اور اس تضاد رائے میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اصولی درجہ میں ان کا مسلک اور طریق عمل اس بارہ میں وہ ہے جو ضابطہ میں حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیمؒ کا اور ضعیفہ میں حضرت شاہ ولی اللہ (قدس سرہم) کا تھا اور ان حضرات کے متعلق بھی یہی کہنچا تاں آج تک باقی ہے۔

بعض دوسرے حضرات کو ان کے اس رویہ پر اعتراض ہے کہ

وہ دن کے قدیم حقائق کو ان جدید اصطلاحات سے تعبیر کرتے ہیں جن کے موضوع نہ کچھ اور ہیں، اور جو خالص ماویٰ فلسفہ کی پیداوار ہیں اس سے ان کو یہ خطرہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ یا کم از کم اس کا تجدّد پسند حصہ دینی حقائق کو انہیں اصطلاحات کی خرابی پر چڑھانے لگے گا اور مولانا مودودی کا یہ طریق عمل ان کے لئے تائیدی سند بن جائے گا۔

بعض اور حضرات کو ان کی ”غیر مولویانہ“ وضع پر بھی اعتراض ہے۔ اس قسم کی تمام چیزوں کے متعلق صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اگر اللہ نے آپ کو دین کا صحیح علم دیا ہے تو براۓ خدا سوچیے کہ کیا ان میں سے کوئی چیز بھی اتنی اہم سم اور اتنی سنگین ہے کہ اس کی وجہ سے نفس جماعت کی مخالفت کرنا آپ کے لئے ضروری یا درست ہو؟ کیا آپ جیسا ”پکا غیر مقلد“ یا ”پکا مقلد“ ہونا بھی شرائط ایمان اور ضروریات اسلام سے ہے؟ — یقیناً ایسا نہیں ہے! — علیٰ ہذا آپ کو ان کی جن تعبیرات اور جس طرز کلام پر اعتراض ہے اس کو آپ زیادہ سے زیادہ حکمت اور احتیاط کے خلاف ہی تو کہہ سکتے ہیں بالخصوص جبکہ اُن ”جدید اصطلاحوں“ کے استعمال کے ساتھ اصل مسائل کی پوری تشریح بھی ہوتی ہے جس کے بعد وہ خطرہ باقی نہیں رہتا، تو کس دلیل شرعی سے اس تعبیر کو آپ حرام اور اس درجہ کا ممنوع سمجھتے ہیں کہ اس کا مرکب جس جماعت کا قاعد اور امیر ہو اس کی مخالفت آپ کے لئے ضروری ہو جائے؟ اسی طرح ”مولویانہ وضع“ میں آپ اُن کو نہیں دیکھتے کیا

اس کے بارہ میں کوئی ایسی نظر ہے جس کی وجہ سے اس سے تباہی
حرام یا ناجائز ہو؟

اگرچہ ان امور میں خود میرا مذاق اور میرا مسلک ان سے الگ
ہے اور میں اپنے مذاق اور اپنے مسلک ہی کو بہتر سمجھتا ہوں۔
لیکن اس گزارش سے میری غرض یہ ہے کہ یہ چیزیں اس قسم کی نہیں
ہیں کہ ان کو اتنی اہمیت دی جائے اور ان کی بنیاد پر جماعت
اسلامی سے اختلاف یا اس کی مخالفت کی جائے۔ بالخصوص
جب کہ ان کی حیثیت ”جماعت“ کے ”امیر مطلق“ کی بھی نہیں ہے،
اور جب کہ ”جماعت“ کی دعوت نفس عقیدے اور مسلک کی
طرف ہے نہ کہ اپنے امیر کی شخصیت اور اس کی امارت کی طرف
اور جب کہ ”جماعت“ اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے امیر کو معزول
کرنے کی بھی مجاز ہے (ملاحظہ ہو دستور کی دفعہ ۱۰، متعلقہ امارت)۔
مولانا مودودی کے متعلق ایک آخری اور جامع بات یہ اور
عرض کرنی ہے کہ ہمارے نزدیک وہ علم دین میں اچھی بصیرت رکھنے
والے بس ایک مومن ہیں، ہم نے ان کو فرائض کی ادائیگی اور دنیا
سے اجتناب کا عملاً اہتمام کرنے والا بھی پایا اور ”جماعت اسلامی“
کے منصب العین کے پیش نظر اس کے قائد اور امیر میں جو خاص صلاحیتیں
ہونی چاہئیں وہ بھی ہم نے ان میں سمجھیں اور اس پوری جماعت
میں جو تاسیس کے وقت لاہور میں موجود تھی مجموعی حیثیت سے
اس منصب کے لئے انہی کو سب سے زیادہ اہل دیکھا۔ اور صرف
اسی بنیاد پر ہم نے ان کا انتخاب کیا ہے۔۔۔ نہ اس لئے کہ ہم

نزدیک وہ دنیاۓ اسلام کے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے متقی اور خدا رسیدہ شخص ہیں اور نہ وہ خود اس کے مدعی ہیں۔ اس قسم کے غلو اور اطراء سے ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔

درمندانہ دعوت اور مخلصانہ گزارش

”جماعت اسلامی“ کا دستور آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس کی حیثیت اور حالت کے متعلق جو کچھ یہاں عرض کیا گیا وہ بھی آپ کی نظر سے گزر چکا ہے جو شکوک و شبہات عام طور سے پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کئے جاتے ہیں ان کی حقیقت بھی آپ کو معلوم ہو چکی ہے۔ اب آپ اپنی دینی اور ایمانی ذمہ داریوں کو پوری طرح ملحوظ رکھ کے غور فرمائیں اور خوب اچھی طرح غور فرمائیں کہ جو ”جماعت“ ان مقاصد کے لئے اٹھی ہے اور جس کے اصول اور شرائط یہ ہیں وہ آپ کی طرف سے کس رویہ کی مستحق ہے اور آپ کے دین و ایمان کا مطالبہ اس کے بارہ میں کیا ہے۔ یہاں رویے پیسے کے چندے کا سوال نہیں ”درکار ہیں دہوا نے چند“

اسلام کا نظریہ سیاسی

حکومت الہیہ کا قیام

حضرت مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدبر ”ترجمان القرآن“ تحریک ”حکومت الہیہ“ کے داعی ہیں انھوں نے اس موضوع پر عظیم الشان تحریری ذخیرہ فراہم کر دیا ہے مسلمانوں کے ایک وسیع حلقہ میں لینا کی تصانیف پہنچ چکی ہیں اور ان کا حلقہ ترویج و اشاعت و زافروں ترقی کر رہا ہے جن لوگوں نے اب تک مولینا کی تصانیف نہیں دیکھی ہیں وہ تحریک حکومت الہیہ کی تفصیلات و جزئیات سمجھنے کیلئے مولینا کی تصانیف کا مطالعہ کریں یہاں ان کی مشہور تصنیف ”مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش“ حصہ سوم کے بعض صفحات نقل کئے جا رہے ہیں تاکہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں صرف یہی کتاب پہنچے وہ مولینا کی دعوت اور تحریک حکومت الہیہ سے روشناس ہو جائیں۔

اسلام کے متعلق یہ فقرہ آپ اکثر سنتے رہتے ہیں کہ یہ ”ایک
 جمہوری نظام“ ہے پچھلی صدی کے آخری دور سے اس فقرے کا
 بار بار اعادہ کیا جا رہا ہے مگر جو لوگ اس کو زبان سے نکالتے ہیں
 مجھے یقین ہے کہ ان میں سے شاید ایک فی ہزار بھی ایسے نہیں ہیں
 جنہوں نے اس دین کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہو، اور یہ سمجھنے کی کوشش
 کی ہو کہ اسلام کی جمہوریت کس حیثیت سے ہے اور کس نوعیت کی
 ہے۔ ان میں سے بعض لوگ تو اسلامی نظام جماعت کی چند ظاہری
 شکلوں کو دیکھ کر جمہوریت کا نام اس پر چسپاں کر دیتے ہیں اور اکثر
 ایسے ہیں جن کی ذہنیت کچھ اس گھور پرستی ہے کہ دنیا میں (اور جو دنیا
 ان کے فکر اور میں) جو چیز مقبول عام ہو، اس کو کسی نہ کسی
 طرح اسلام میں موجود ثابت کر دینا ان کے نزدیک اس مذہب
 کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ شائد وہ اسلام کو اس پیغمبرؐ
 کی طرح سمجھتے ہیں جو ہلاکت سے بس اسی طرح بچ سکتا ہے کہ
 کسی بااثر شخص کی سرپرستی اس کو حاصل ہو جائے، یا پھر غالباً ان
 کا خیال یہ ہے کہ ہماری عزت و حضور مسلمان ہونے کی حیثیت سے
 قائم نہیں ہو سکتی بلکہ صرف اس طرح قائم ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے
 مسلک میں دنیا کے کسی چلتے ہوئے مسلک کے اصولوں کی جھلک
 دکھا دیں۔ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ جب دنیا میں اشتراکیت کا
 نفعیہ بلند ہوا تو مسلمانوں میں کچھ لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ
 اشتراکیت تو محض اسلامی کا ایک جدید ایڈیشن ہے اور جب
 ڈکٹیٹر شپ کا آواز اٹھا تو کچھ دوسرے لوگوں نے اطاعت امیر

اطاعت امیر کی صدا میں بلند کرنی شروع کر دیں، اور لکھنے کہنے کو دیکھو یہاں سارا نظام جماعت کو کیٹنر شپ ہی پر قائم ہے۔ غرض اسلام کا نظریہ سیاسی اس زمانہ میں ایک چیتاں، ایک چول چوں کا مہرہ بن کر رہ گیا ہے، جس میں سے ہر وہ چیز نکال کر دکھا دی جاتی ہے جس کا بازار میں چلن ہو۔ ضرورت ہے کہ باقاعدہ علمی طریقے سے اس امر کی تحقیق کی جائے کہ فی الواقع اسلام کا سیاسی نظریہ کیا ہے اس طرح نہ صرف ان پر اگندہ خیالیوں کا خاتمہ ہو جائے گا جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، اور نہ صرف ان لوگوں کا منہ بند ہو جائیگا جنہوں نے حال میں غلی الاعلان یہ لکھ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا تھا کہ ”اسلام سرے سے کوئی سیاسی و تمدنی نظام تجویز ہی نہیں کرتا“ بلکہ درحقیقت تاریکیوں میں بھٹکنے والی دنیا کے سامنے ایک ایسی روشنی نمودار ہو جائے گی جس کی وہ سخت حاجت مند ہے اگرچہ اس حاجتمندی کا شعور نہیں رکھتی۔

تمام اسلامی نظریات کی اس سب سے پہلے یہ بات ذمہ نشین کر لیجئے کہ اسلام محض چند منتشر خیالات اور منتشر طریقہ ہمارے عمل کا مجموعہ نہیں ہے جس میں ادھر ادھر سے مختلف قسم کی چیزیں لا کر جمع کر دی گئی ہوں بلکہ یہ ایک باضابطہ نظام ہے جس کی بنیاد چند مضبوط اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اس کے بڑے بڑے ارکان سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے جزئیات تک ہر چیز اس کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ایک منطقی ربط رکھتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام مختلف شعبوں کے متعلق اس نے جتنے قاعدے اور ضابطے مقرر کئے ہیں ان سب کی

روح اور ان کا جوہر اس کے اصولِ اولیہ ہی سے ماخوذ ہے۔ ان اصولِ اولیہ سے پوری اسلامی زندگی اپنی مختلف شاخوں کے ساتھ بالکل اسی طرح نکلتی ہے جس طرح درخت میں آپ دیکھتے ہیں کہ بیج سے ٹہریں اور جڑوں سے تنہ، اور تنے سے شاخیں اور شاخوں سے پتیاں پھوٹتی ہیں اور خوب پھیل جانے کے باوجود اس کی ایک ایک پتی اپنی جڑ کے ساتھ مربوط رہتی ہے۔ پس آپ اسلامی زندگی کے جس شعبے کو بھی سمجھنا چاہیں آپ کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کی جڑ کی طرف رجوع کریں، کیونکہ اس کے بغیر آپ اس کی روح کو نہیں پاسکتے۔

انبیاء علیہم السلام کا مشن | اسلام کے متعلق یہ بات تو آپ مجھلا جاتے ہی ہیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کا مشن ہے یہ صرف محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مشن نہیں ہے، بلکہ انسانی تاریخ کے قدیم ترین دور سے جتنے انبیاء بھی خدا کی طرف سے آئے ہیں، اُن سب کا یہی مشن تھا اس کے ساتھ یہ بھی اجمالی طور پر آپ کو معلوم ہے کہ یہ سب نبی ایک خدا کی خدائی منوانے اور اسی کی عبادت کرانے آئے تھے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کا پردہ اٹھا کر ذرا آپ گہرائی میں اتریں سب کچھ اسی پردے کے نیچے چھپا ہوا ہے جس کی نگاہِ ذال کر اچھی طرح دیکھئے کہ ایک خدا کی خدائی منوانے سے مقصد کیا تھا۔ اور صرف اسی کی عبادت کمرانے کا مطلب کیا تھا؟ اور آخر اس میں ایسی کونسی بات تھی کہ جہاں کسی اللہ کے بندے نے مالکِ مین اللہ غیر کا اعلان کیا اور ساری طاغوتی طاقتیں جھاڑ کا کاٹناں کر اس کو چمٹ گئیں؟ اگر بات صرف اتنی ہی تھی جتنی آج کل سمجھی جاتی

ہے کہ مسجد میں خدائے واحد کے آگے سجدہ کر لو اور پھر باہر نکل کر حکومت
وقت (جو بھی وقت کی حکومت ہو) کی وفاداری و اطاعت میں
لگ جاؤ تو کس کا سر پھراٹھا کہ اتنی سی بات کے لئے خواہ مخواہ اپنی
وفادار رعایا کی مذہبی آزادی میں مداخلت کرتا؟ آئیے ہم تحقیق کرنے
دیکھیں کہ خدا کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کا اور دنیا کی دوسری
طاقتوں کا اصل جھگڑا کس بات پر تھا۔

قرآن میں ایک جگہ نہیں بکثرت مقامات پر یہ بات صاف
کر دی گئی ہے کہ کفار و مشرکین جن سے انبیاء کی لڑائی تھی اللہ کے
منکر نہ تھے ان سب کو تسلیم تھا کہ اللہ ہے، اور وہی زمین و آسمان کا
خالق، اور خود ان کفار و مشرکین کا خالق بھی ہے۔ کائنات کا سارا
انتظام اسی کے اشارے سے ہو رہا ہے، وہی پانی برساتا ہے وہی
ہواؤں کو گردش دیتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں سورج اور چاند اور زمین
سب کچھ ہیں۔

قُلْ لِلّٰهِ الْاَمْرُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ قُلْ
مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ - قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ
قُلْ مَنْ يَّبْدِءُ مَلٰٓئِكَتِهٖ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يَخْبُرُ
وَلَا يُجَادُّ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ
لِلّٰهِ قُلْ نَآئِيْ سَهْرٌ وَاَنْ

ان سے پوچھو کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کا ہے
 بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے اللہ کا ہے کہو پھر تم خود نہیں
 کرتے؟ ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم
 کا رب کون ہے؟ کہیں گے اللہ کہو پھر تم اس سے ڈرتے
 نہیں؟ ان سے پوچھو وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز
 کا اختیار ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے مگر کوئی اس کے
 مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟
 وہ کہیں گے اللہ کہو پھر تم کس دہوکے میں ڈال دئے گئے ہو؟
 وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
 وَسَمِيحَةَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ
 فَأَنْتَ يُوفِّكُون ۖ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ
 مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْبَاهُ بِهِ الْأَرْضَ
 مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (النکبتہ ۶)
 اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا
 کیا ہے؟ اور کس نے سورج اور چاند کو اپنا تابع فرمان بنا
 رکھا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ خدا نے۔ پھر آخر یہ کدھر بھٹکا
 جا رہے ہیں؟ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان
 پانی اتارا اور کس نے مری ہوئی زمین کو روئیدگی بخش دی؟
 وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

وَ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ
 اللَّهُ فَأَنْتَ يُوفِّكُون ۖ (الزخرف - ۷)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ تم کو کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر آخر یہ کہہ کر بھٹکا جا رہے ہیں۔ ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے ہونے میں اور اس کے خالق ہونے اور مالک ارض و سما ہونے میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ لوگ ان باتوں کو خود ہی مانتے تھے، لہذا ظاہر ہے کہ انہی باتوں کو منوانے کے لئے تو انبیاء کے آنے کی ضرورت تھی ہی نہیں۔ اب پوچھئے کہ انبیاء کی آمد کس لئے تھی اور جھگڑا کس چیز کا تھا؟ قرآن کہتا ہے کہ سارا جھگڑا اس بات پر تھا کہ انبیاء کہتے تھے، جو تمہارا اور زمین و آسمان کا خالق ہے وہی تمہارا رب اور اللہ بھی ہے اس کے سوا کسی کو اللہ اور رب نہ مانو مگر دنیا اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔ آئے ذرا پھر تجسس کریں کہ اس جھگڑے کی تہ میں کیا ہے؟ اللہ سے کیا مراد ہے؟ رب کسے کہتے ہیں؟ انبیاء کو کیوں اصرار تھا کہ صرف اللہ ہی کو اللہ اور رب مانو اور دنیا کیوں اس پر لڑنے لگھڑی ہو جاتی تھی؟

اللہ کے معنی آپ سب جانتے ہیں کہ معبود کے ہیں۔ مگر معاف کیجئے گا، معبود کے معنی آپ بھول گئے ہیں معبود کا مادہ عبد ہے عبد بند ہے اور غلام کو کہتے ہیں۔ عبادت کے معنی محض پوجا کے نہیں ہیں، بلکہ بندہ اور غلام جو زندگی غلامی اور بندگی کی حالت میں بسر کرتا ہے وہ پوری کی پوری سراسر عبادت ہے۔ خدمت کے لئے کھڑا ہونا، احترام میں ہاتھ باندھنا، اعترافِ بندگی میں سر

جھکانا، فرماں برداری میں دوڑ دھوب اور سعی و جہد کرنا، جس کام کا اشارہ ہوا اسے بجالانا جو کچھ آقا طلب کرے اسے پیش کر دینا، اس کی طاقت و جبروت کے آگے ذلت اور عاجزی اختیار کرنا، جو قانون وہ بنائے اس کی اطاعت کرنا جس کے خلاف وہ حکم دے اس پر چڑھ دوڑنا، جہاں اس کا فرمان ہو سرتک کھڑا دینا یہ عبادت کا اصلی مفہوم ہے، اور آدمی کا مبعود حقیقت میں وہی ہے جس کی عبادت وہ اس طرح سے کرتا ہے۔ اور رب کا مفہوم کیا ہے؟ عربی میں رب کے اصلی معنی پرورش کرنے والے کے ہیں اور چونکہ دنیا میں پرورش کرنے والے کی اطاعت و فرماں برداری کی جاتی ہے، لہذا رب کے معنی مالک اور آقا کے بھی ہوئے۔ چنانچہ عربی محاورہ میں مال کے مالک کو ربّ السّماں۔ اور صاحب خانہ کو ربّ الدّار کہتے ہیں آدمی جس کو اپنا رازق اور اپنا مربی سمجھے جس سے نوازش اور سرفرازی کی امید رکھے جس سے عزت اور ترقی اور امن کا متوقع ہو جس کی نگاہ لطف کے پھر جانے سے خوف کرے کہ میری زندگی بگڑ جائیگی جس کو اپنا آقا اور مالک قرار دے اور جس کی فرماں برداری و اطاعت کرے، وہی اُس کا رب ہے۔

ان دونوں لفظوں کے معنی پر نگاہ رکھئے اور پھر غور سے دیکھئے انسان کے مقابلے میں یہ دعویٰ لے کر کون کھڑا ہو سکتا ہے کہ میں تیرا اللہ ہوں، اور میں تیرا رب ہوں، میری بندگی و عبادت کر؟ کیا درخت؟ پتھر؟ دریا؟ جانور؟ سورج؟ چاند؟ تارے؟

کسی میں بھی یہ یار ہے کہ وہ انسان کے سامنے آکر یہ دعویٰ پیش کر سکے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ صرف انسان ہی ہے جو انسان کے مقابلہ میں خدائی کا دعویٰ لے کر اٹھتا ہے اور اٹھ سکتا ہے۔ خدائی کی ہوس انسان ہی کے سر میں سما سکتی ہے۔ انسان ہی کی حد سے بڑھی ہوئی خواہش، اقتدار یا خواہش انتفاع اُسے اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کا خدا بنے۔ اُن سے اپنی بندگی کرائے ان کے مراپے آگے جھکوائے۔ اُن پر اپنا حکم چلائے اُن کو اپنی خواہشات کے حصول کا آلہ بنائے۔ یہ خدا بننے کی لذت ایسی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی لذت چیز انسان آج تک دریافت نہیں کر سکا ہے جس کو کچھ طاقت یا دولت، یا چالاکي و موثری یا کسی نوع کا زور حاصل ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ اپنے فطری اور جائزہ حد و دسے آگے بڑھے، پھیل جائے اور اُس پاس کے انسانوں پر جو اس کے مقابلے میں ضعیف یا مفلس یا بیوقوف، یا کسی حیثیت سے بھی کمزور ہوں، اپنی خدائی کا سکہ جھادے۔

یہی وہ بنیادی اصلاح تھی جو انسانی زندگی میں انبیاء علیہم السلام نے کی۔ وہ دراصل انسان پر انسان کی خدائی تھی جس کو مٹانے کے لئے یہ لوگ آئے۔ اُن کا اصلی مشن یہ تھا کہ انسان کو اس ظلم سے ان جھوٹے خداؤں کی بندگی سے، اس طغیان اور ناجائز انتفاع سے نجات دلائیں۔ ان کے آنے کا مقصد یہ تھا کہ جو انسان، انسانیت کی حد سے آگے بڑھ گئے ہیں انہیں ہکمل کر پھر اُس حد میں واپس پہنچائیں، جو اس حد سے نیچے گرا دیئے گئے ہیں، انہیں ابھار کر اس حد

اٹھالائیں اور سب کو ایک ایسے عادلانہ نظام زندگی کا پابند بنا دیں جس میں کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا عبد ہو نہ معبود بلکہ سب ایک اللہ کے بندے بن جائیں، ابتدا سے جتنے نبی دنیا میں آئے ان سب کا ایک ہی پیغام تھا اور وہ یہ تھا کہ **يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ** ”لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الہ نہیں ہے“ یہی حضرت نوحؑ نے کہا یہی حضرت ہودؑ نے کہا یہی حضرت صالحؑ نے کہا، اور اسی کا اعلان محمدؐ مغربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ :-

**إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ اللَّهِ وَإِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا** - (ص-۵)

میں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں۔ کوئی الہ نہیں ہے بجز
اس ایک اللہ کے جو سب پر غالب ہے، جو رب ہے آسمانوں
اور زمین کا اور ہر اس چیز کا جو آسمان و زمین کے درمیان
**إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ اللَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا..... وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
وَالنُّجُومَ مُسْتَخَرَاتٍ بِأَمْرِهِ آيَاتُ الْخَلْقِ
وَالْآفَاقِ** - (اعراف-۷)

یقیناً تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں
اور زمین کو..... اور سورج اور تاروں کو۔ سب اس کے
تاج ہیں خبردار! خلق بھی اسی کی ہے اور حکومت بھی اسی کی ہے

ذَٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَلَقَ
كُلَّ شَيْءٍ فَإِعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ وَكِيلٌ - (انعام - ۱۳)

وہ ہے اللہ، وہی تمہارا رب ہے اور اس کے سوا کوئی اللہ
نہیں وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ لہذا تم اس کی بندگی کرو۔ اور
وہ ہر چیز پر نگہبان ہے +

وَمَا أَمْرُهُ إِلَّا لِيَعْبُدَ اللّٰهُ مُخْلِصِينَ
لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ ()

انسانوں کو کوئی حکم نہیں دیا گیا بجز اس کے کہ اللہ
کی بندگی کریں۔ سب کو چھوڑ کر صرف اسی کی اطاعت کریں
تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا
وَلَا يَلْحَظُ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ
اللّٰهِ (آل عمران)

آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے
درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں
اور خدائی میں کسی کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور ہم میں
سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا رب نہ بنالے +

یہی وہ منادی تھی جس نے انسان کی روح اور اس کی
عقل و فکر اور اس کی ذہنی و مادی قوتوں کو غلامی کی ان بندشوں سے
رہا کر یا جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے، اور وہ بوجھ ان پر سے

اتارے جن کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے۔ یہ انسان کے لئے حقیقی آزادی کا چارٹر تھا۔ محمد رسول اللہ کے اسی کارنامے کے متعلق قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ وَ يُضَعُّ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَ الْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ يَئِیْنِیْهِ نَبِیُّ اِنْ پُرسے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور ان بندھنوں کو کاٹتا ہے جن میں وہ کسے ہوئے تھے۔

نظریہ سیاسی کا نقطہ آغاز | انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی کے لئے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز و محور اس کی روح اور اس کا جوہر یہی عقیدہ ہے اور اسی پر اسلام کے نظریہ سیاسی کی بنیاد بھی قائم ہے۔ اسلامی سیاست کا اولین اصول یہ ہے کہ حکم دینے اور قائل بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے فرداً فرداً اور مجتمعاً سلب کر لئے جائیں کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور اور دوسرے اس کی اطاعت کریں۔ وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں۔ یہ اختیار صرف اللہ کو ہے۔

اِنْ اَحْكَمْتَ اِلَّا لِلّٰهِ اَمْرًا اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا
اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیْمُ (یوسف ۵)

حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے۔
یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ؟
قُلْ اِنَّ اَمْرًا كُلَّهُ لِلّٰهِ (ال عمران - ۱۶)

وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہے؟

کہہ دو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں +
وَلَا تَقُولُوا لِمَا أَصِفَّا لَسَيَنْتَكُمُ الْكَذِبُ
هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ - (النمل - ۱۵)
اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو کہ یہ

حلال ہے اور یہ حرام +
وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ
هُمُ الظَّالِمُونَ +
(مائدہ - ۴)
جو خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ
نہ کریں وہی واصل ظالم ہیں -

اس نظریہ کے مطابق حاکمیت Sovereignty وہ
خدا کی ہے قانون ساز (Lawgiver) صرف خدا ہے کوئی انسان
خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو بذات خود حکم دینے اور منع کرنے کا حقدار
نہیں نبی خود بھی اللہ ہی کے حکم کا پیرو ہے - اِنْ أَتَيْتُمُ الْإِلَٰهَ يَاسُوعَىٰ إِلَى
(انعام - ۵) میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی
کیا جاتا ہے - عام انسان نبی کی اطاعت پر صرف اس لئے مامور
ہیں کہ وہ اپنا حکم نہیں بلکہ خدا کا حکم بیان کرتا ہے -

وَمَا أَسْرَأْنَا مِنْ حَمِئٍ سَوَّلِ إِلَّا لِيُطَاعَ
بِإِذْنِ اللَّهِ - (النساء - ۹)

ہم نے جو رسوں بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے
اِذْنِ (SANCTION) کے تحت اس کی اطاعت
کی جائے +

روح اور ان کا جوہر اس کے اصول اولیہ ہی سے ماخوذ ہے۔ ان اصول اولیہ سے پوری اسلامی زندگی اپنی مختلف شاخوں کے ساتھ بالکل اسی طرح نکلتی ہے جس طرح درخت میں آب دیکھتے ہیں کہ بیج سے جڑیں اور جڑوں سے تنہ، اور تنہ سے شاخیں اور شاخوں سے پتیاں پھوٹتی ہیں اور خوب پھیل جانے کے باوجود اس کی ایک ایک پتی اپنی جڑ کے ساتھ مربوط رہتی ہے۔ پس آپ اسلامی زندگی کے جس شعبے کو بھی سمجھنا چاہیں آپ کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کی جڑ کی طرف رجوع کریں، کیونکہ اس کے بغیر آپ اس کی روح کو نہیں پاسکتے۔

انبیاء علیہم السلام کا مشن | اسلام کے متعلق یہ بات تو آپ مجھلا جاتے ہی ہیں کہ یہ انبیا علیہم السلام کا مشن ہے یہ صرف محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مشن نہیں ہے، بلکہ انسانی تاریخ کے قدیم ترین دور سے جتنے انبیا بھی خدا کی طرف سے آئے ہیں، ان سب کا یہی مشن تھا۔

اس کے ساتھ یہ بھی اجمالی طور پر آپ کو معلوم ہے کہ یہ سب نبی ایک خدا کی خدائی منوانے اور اسی کی عبادت کرانے آئے تھے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کا پردہ اٹھا کر ذرا آپ گہرائی میں آئیں۔ سب کچھ اسی پر دے کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ تجسس کی نگاہ ڈال کر ابھی طرح دیکھئے کہ ایک خدا کی خدائی منوانے سے مقصد کیا تھا۔

اور صرف اسی کی عبادت کرانے کا مطلب کیا تھا؟ اور آخر اس میں ایسی کونسی بات تھی کہ جہاں کسی اللہ کے بندے نے مالکِ مومن اللہ غیریہ کا اعلان کیا اور ساری طاغوتی طاقتیں جھاڑ کا کاٹنا بن کر اس کو چمٹ گئیں؟ اگر بات صرف اتنی ہی تھی جتنی آج کل سمجھی جاتی

کی طرف سے اس کے نبی نے دیا ہے۔ اور اس اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہوگی کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔

اسلامی اسٹیٹ کی نوعیت | ایک شخص بیک نظر ان خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ جمہوریت (Democracy) نہیں ہے اس لئے کہ جمہوریت تو نام ہی اس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت حاصل ہو، انہی کی رائے سے قوانین بنیں اور انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو جس قانون کو وہ چاہیں وہ نافذ ہو اور جسے نہ چاہیں وہ کتاب آئین پر سے محو کر دیا جائے، یہ بات اسلام میں نہیں ہے، لہذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے لئے زیادہ صحیح نام۔ ”الہی حکومت“ ہے جس کو انگریزی میں (Theocracy) کہتے ہیں۔ مگر یورپ جس تھیا کریسی سے واقف ہے، اسلامی تھیا کریسی اس سے بالکل مختلف ہے۔ یورپ اس تھیا کریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ (Priest class) خدا کے نام سے خود اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا ہے، اور عملاً اپنی خدائی عام باشندوں پر مسلط کر دیتا ہے۔ ایسی حکومت کو تو

یہ عیسائی پاپاؤں اور پادریوں کے پاس مسیح کی چند اخلاقی تعلیمات کے سوا کوئی شریعت سرے سے تھی ہی نہیں لہذا وہ اپنی مرضی سے اپنی خواہشات نفس کے مطابق قوانین بناتے تھے اور یہ کہہ کر انھیں نافذ کرتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ فویل للذین یکتبون الکتاب باید یحکموا بقولون هذا من عند الله

الہی حکومت کے بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔
 بخلاف اس کے اسلام جس تھیا کر سبی کو پیش کرتا ہے وہ کسی مخصوص
 مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں نہیں ہوتی بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی
 ہے، اور یہ عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت
 کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر مجھے ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی
 اجازت دی جائے تو میں اس طرز حکومت کو (THEO-
 DEMOCRACY) یعنی الہی جمہوری حکومت کے نام سے موسوم کروں گا۔ کیونکہ اس
 میں خدا کی حاکمیت اور اس کے اقتدار علی (Paramountness)
 کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت (limited
 sovereignty) عطا کی گئی ہے۔ اس میں عالم
 یعنی (conscience) مسلمانوں کی رائے سے بنے گی مسلمان
 ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے سارے انتظامی مسائل
 اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم
 موجود نہیں ہے مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہوں گے، اور
 الہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا وہاں کوئی مخصوص نسل یا طبقہ نہیں
 بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے
 اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔ اس لحاظ سے یہ دیکھ کر سبی ہے
 مگر جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں، جہاں خدا اور اس کے رسول کا
 حکم موجود ہو وہاں مسلمانوں کے کسی امیر کو کسی لیجسلیٹر کو کسی مجتہد
 اور عالم دین کو، بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو مل کر بھی اس حکم میں
 ایک سر موثر بہیم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اس لحاظ سے یقیناً کر سبی ہے۔

ایک اعتراض | آگے بڑھنے سے پہلے میں اس امر کی تھوڑی سی تشریح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام میں تئو کریسی پر یہ حدود و قیود کیوں عاید کئے گئے ہیں۔ اور ان حدود و قیود کی نوعیت کیا ہے۔ اعتراض کرنے والا یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اس طرح تو خدا نے انسانی عقل و روح کی آزادی سلب کر لی، حالانکہ ابھی تم یہ ثابت کر رہے تھے کہ ایک خدا کی الہیت انسان کو عقل و فکر اور جسم و جان کی آزادی عطا کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قانون سازی کا اختیار اللہ نے اپنے ہاتھ میں انسان کی فطری آزادی سلب کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کو محفوظ کرنے کے لئے لیا ہے۔ اس کا مقصد انسان کو بے راہ ہونے اور اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے سے بچانا ہے۔

یہ مغرب کی نام نہاد ڈیموکریسی جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس میں عمومی حاکمیت (Popular sovereignty) ہوتی ہے اس کا ذرا تجزیہ تو کر کے دیکھئے جن لوگوں سے مل کر کوئی اسٹیٹ بنتا ہے وہ سب کے سب نہ تو خود قانون بناتے ہیں اور نہ خود اس کو نافذ کرتے ہیں۔ انھیں اپنی حاکمیت چند منتخب لوگوں کے سپرد کرنی پڑتی ہے تاکہ ان کی طرف سے وہ قانون بنائیں اور انھیں نافذ کریں۔ اسی غرض سے انتخاب کا ایک نظام مقرر کیا جاتا ہے اس انتخاب میں زیادہ تر وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو عوام کو اپنی دولت اپنے علم، اپنی چالاکی اور اپنے جھوٹے پروپیگنڈا کے زور سے یوں قوت بنا سکتے ہیں۔ پھر یہ خود عوام کے ووٹ ہی سے

ان کے الہ بن جاتے ہیں عوام کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ اپنے شخصی اور طبقاتی فائدے کے لئے قوانین بناتے ہیں اور اسی طاقت سے جو عوام نے ان کو دی ہے ان قوانین کو عوام پر نافذ کرتے ہیں۔ یہی مصیبت امریکہ میں ہے۔ یہی انگلستان میں ہے اور یہی ان سب ممالک میں ہے جن کو آج جمہوریت کی جنت ہونے کا دعوئے ہے۔

پھر اس پہلو کو نظر انداز کر کے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہاں عام لوگوں ہی کی مرضی سے قانون بنتے ہیں، تب بھی تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عام لوگ خود بھی اپنے مفاد کو نہیں سمجھ سکتے۔ انسان کی یہ فطری کم زوری ہے کہ یہ اپنی زندگی کے اکثر معاملات میں حقیقت کے بعض پہلوؤں کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا اس کا فیصلہ (JUDGMENT) عموماً ایک طرفہ ہوتا ہے، اس پر جذبات اور خواہشات کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ یہ خالص عقلی اور علمی حیثیت سے لے لاگ رائے بہت کم قائم کر سکتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات عقلی و علمی حیثیت سے جوابات اس پر روشن ہو جاتی ہے اس کو بھی یہ جذبات و خواہشات کے مقابلہ میں رو کر دیتا ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سی مثالیں میرے سامنے ہیں مگر طوالت سے بچنے کے لئے میں صرف امریکہ کے قانون منع شراب (PROHIBITION LAW) کی مثال پیش کر رہا ہوں۔ علمی اور عقلی حیثیت سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ شراب صحت کے لئے مضر ہے۔ عقلی و ذہنی قوتوں پر برا اثر ڈالتی ہے اور انسانی

تہذیب میں فساد برپا کرتی ہے۔ انہی حقائق کو تسلیم کر کے امریکہ کی رائے عام اس بات کے لئے راضی ہوئی تھی کہ منع شراب کا قانون پاس کیا جائے جتنا بچہ عوام کے ووٹ ہی سے یہ قانون پاس ہوا تھا مگر جب وہ نافذ کیا گیا تو انہی عوام نے جن کے ووٹ سے وہ پاس ہوا تھا اس کے خلاف بغاوت کی۔ بدتر سے بدتر قسم کی شرابیں ناجائز طور پر بنائیں اور بیئیں۔ پہلے سے کئی گنا زیادہ شراب کا استعمال ہوا جراثیم میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ آخر کار انہی عوام کے ووٹوں سے وہ شراب جو حرام کی گئی تھی، حلال کر دی گئی۔ یہ حرمت کا فتویٰ اہل حق سے جو بدل گیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ علمی و عقلی حیثیت سے اب شراب کا استعمال مفید ثابت ہو گیا تھا۔ بلکہ صرف یہ وجہ تھی کہ عوام اپنی جاہلانہ خواہشات کے بندے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی حاکمیت اپنے نفس کے شیطان کی طرف منتقل کر دی تھی، اپنی خواہش کو اپنا آلہ بنالیا تھا اور اس آلہ کی بندگی میں وہ اس قانون کو بدلنے پر مہم تھے جسے انہوں نے خود ہی علمی اور عقلی حیثیت سے صحیح تسلیم کر کے پاس کیا تھا۔ اس قسم کے اور بہت سے تجربات میں جن سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ انسان خود اپنا وضع قانون (مکملہ منوعہ) بننے کی پوری اہلیت نہیں رکھتا۔ اگر اس کو دوسرے اہل حق کی بندگی سے رہائی مل بھی جائے تو وہ اپنی جاہلانہ خواہشات کا بندہ بن جائے گا۔ اپنے نفس کے شیطان کو آلہ بنالے گا لہذا وہ اس کا محتاج ہے کہ اس کی آزادی پر خود اس کے اپنے مفاد کیلئے مناسب حدیں لگادی جائیں۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہ فیود عائد کی ہیں جن کو اسلام کی اصطلاح میں ”حدود اللہ“ (Divine limits) کہا جاتا ہے یہ حدود زندگی کے ہر شعبے میں چند اصول چند ضوابط اور چند قطعی احکام پر مشتمل ہیں جو اس شعبے کے اعتدال و توازن کو برقرار رکھنے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ ان کا منشاء یہ ہے کہ یہ تمھاری آزادی کی آخری حدیں ہیں۔ ان کے اندر رہ کر تم اپنے برتاؤ کے لئے ضمنی اور فروری قاعدے (Regulations) بنا سکتے ہو مگر ان حدود سے تجاوز نہ کرنے کی تمھیں اجازت نہیں ہے۔ ان سے تجاوز کرو گے تو تمھاری اپنی زندگی کا نظام فاسد و مختل ہو جائے گا۔

حدود اللہ کا مقصد | مثال کے طور پر انسان کی معاشی زندگی کو سمجھئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے شخصی ملکیت کا حق، زکوٰۃ کی فرضیت، سود کی حرمت، جوئے اور سٹے کی ممانعت، وراثت کا قانون، اور دولت کمانے، جمع کرنے اور خرچ کرنے پر پابندیاں عائد کر کے چند سرحدی نشانات لگا دیے ہیں، اگر انسان ان نشانات کو برقرار رکھے اور ان کے اندر رہ کر اپنے معاشی معاملات کی تنظیم کرے تو ایک طرف شخصی آزادی (Personal liberty) بھی محفوظ رہتی ہے اور دوسری طرف طبقاتی جنگ (class war) اور ایک طبقہ پر دوسرے طبقے کے تسلط کی وہ حالت بھی پیدا نہیں ہو سکتی جو ظالمانہ سرمایہ داری سے شروع ہو کر مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ پر منتهی ہوتی ہے اسی طرح عائلی زندگی (Family life) میں اللہ نے تباب شرعی، مرد کی قوامیت، شوہر بیوی اور بچوں کے حقوق و فرائض

طلاق اور خلع کے احکام، نفاذ و اذواج کی مشروط اجازت، زنا اور
 قذف کی سزائیں مقرر کر کے ایسی حدیں کھڑی کر دی ہیں کہ اگر انسان
 ان کی ٹھیک ٹھیک نگہداشت کرے اور ان کے اندر رہ کر اپنی
 خانگی زندگی کو مضبوط کرے تو نہ گھر ظلم و ستم کی دوزخ بن سکتے ہیں اور
 نہ انہی گھروں سے عورتوں کی شیطانی آزادی کا وہ طوفان اٹھ سکتا
 ہے جو آج پوری انسانی تہذیب کو غارت کر دینے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔
 اسی طرح انسانی تمدن و معاشرت کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ
 نے قصاص کا قانون، چوری کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا، شراب کی
 حرمت، جسمانی ستر کے حدود اور ایسے ہی چند مستقل قاعدے مقرر
 کر کے فساد کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دئے ہیں۔
 میرے لئے اتنا موقع نہیں ہے کہ میں حدود اللہ کی ایک مکمل
 فہرست آپ کے سامنے پیش کر کے تفصیل کے ساتھ بتاؤں کہ انسانی
 زندگی میں توازن و اعتدال قائم کرنے کے لئے ان میں سے ایک ایک
 حد کس قدر ضروری ہے۔ یہاں میں صرف یہ بات آپ کے ذہن نشین
 کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے ایک ایسا مستقل
 ناقابلِ تغیر و تبدل دستور (Constitution) بنا کر انسان کو
 دیے دیا ہے جو اس کی روح کی آزادی کو سلب اور اس کی عقل و فکر کو
 مسطل نہیں کرتا، بلکہ اس کے لئے ایک صاف واضح اور سیدھا راستہ
 مقرر کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنی جہالت اور اپنی کمزوریوں کے سبب سے
 تباہی کی بھول بھلیوں میں بھٹک نہ جائے اور اس کی قوتیں غلط راستوں
 میں ضائع نہ ہوں، اور وہ اپنی حقیقی فلاح و ترقی کی راہ پر سیدھا بڑھتا

چلا جائے۔ اگر آپ کو کسی پہاڑی مقام پر جانے کا اتفاق ہوا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ پیرتھ پہاڑی راستوں میں جن کے ایک طرف عمیق غار اور دوسری طرف بلند چٹانیں ہوتی ہیں بلکہ کے کناروں کو ایسی رکاوٹوں سے محفوظ کر دیا جاتا ہے کہ مسافر غلطی سے کھڈ کی طرف نہ چلا جائے۔ کیا ان رکاوٹوں کا مقصد راہِ رو کی آزادی کو سلب کرنا ہے؟ نہیں۔ دراصل ان سے مقصد یہ ہے کہ اُس کو حالت سے محفوظ رکھا جائے۔ اور ہر بیچ، ہر موڑ اور ہر امکانی خطرہ کے موقع پر اُسے بتایا جائے کہ تیرا راستہ اُدھر نہیں، ادھر ہے، مجھے اُس رخ پر نہیں اس رخ پر مڑنا چاہئے تاکہ تو یہ سلامت اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکے۔ بس یہی مقصد ان حدوں کا بھی ہے جو خدا نے اپنے دستور میں مقرر کی ہیں۔ یہ حدیں انسان کے لئے زندگی کے سفر کا صحیح رخ معین کرتی ہیں اور ہر بیچ مقام، ہر موڑ، ہر دور، ہر اُسے بتاتی ہیں کہ سلامتی کا راستہ اس طرف ہے، مجھے ان سمتوں پر نہیں بلکہ اس سمت پر پیش قدمی کرنی چاہئے۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں خدا کا مقرر کیا ہوا یہ دستور ناقابلِ تغیر و تبدیل ہے، آپ اگر چاہیں تو ٹرکی اور ایران کی طرح اس دستور کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں مگر اس کو بدل نہیں سکتے۔ یہ قیامت تک کے لئے اٹل دستور ہے۔ اسلامی اسٹیٹ جب بنے گا اسی دستور کے ساتھ بنے گا جب تک قرآن اور سنت رسول دنیا میں باقی ہے اس دستور کی ایک دفعہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹائی جاسکتی جس کو مسلمان رہنا ہو وہ اس کی پابندی پر مجبور ہے۔

اسلامی اٹھٹھ کا مقصد اس دستور کی حدود کے اندر جو اسٹیٹ نے اس کے لئے ایک مقصد بھی خدا نے معین کر دیا ہے، اور اس کی تشریح قرآن میں متعدد مقامات پر کی گئی ہے مثلاً فرمایا:-

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا
مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ
بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ
شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحديد-۳)

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایتوں کے ساتھ بھیجا
اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف
پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں زبردست طاقت
ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ ہے۔

اس آیت میں لوہے سے مراد سیاسی قوت ہے اور رسولوں کا کام
یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی واضح ہدایات اور اپنی کتاب
آئین میں جو میزان ان کو دی ہے۔ یعنی جس ٹھیک ٹھیک متوازن
(well balanced) نظام زندگی کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی ہے
اس کے مطابق اجتماعی عدل (Social Justice) قائم کریں۔
دوسری جگہ فرمایا:-

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ ضَلَّ قُلُوبُهُمْ
الضَّلَوةَ وَاتَّوَلَّوْا السَّرَّكَوَّةَ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ
وَلَهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج-۶)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں ممکن (حکومت)

عطا کریں گے تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے۔

ایک اور جگہ فرمایا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (ال عمران ۱۱۰)

تم وہ بہترین جماعت ہو جسے نوعِ انسانی کے لئے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن جس سٹیٹ کا تخیل پیش کر رہا ہے اس کا مقصد محض سلبی (NEGATIVE) نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایجابی (POSITIVE) مقصد اپنے سامنے رکھتا ہے، اس کا مدعا صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکے، ان کی آزادی کی حفاظت کرے اور مملکت کو بیرونی حملوں سے بچائے۔ بلکہ اس کا مدعا اجتماعی عدل کے اس متوازن نظام کو رائج کرنا ہے جو خدا کی کتاب پیش کرتی ہے اس کا مقصد بدی کی ان تمام شکلوں کو مٹانا اور نیکی کی ان تمام صورتوں کو قائم کرنا ہے جن کو خدا نے اپنی واضح ہدایات میں بیان کیا ہے اس کام میں حسبِ موقع محلِ سیاسی طاقت بھی استعمال کی جائیگی تبلیغ و تلقین سے بھی کام لیا جائے گا تعلیم و تربیت کے ذرائع بھی کام میں لائے جائیں گے، اور جماعتی اثر اور رائے عام کے دباؤ کو بھی

استعمال کیا جائے گا۔

جہ گیر اسٹیٹ | اس نوعیت کا اسٹیٹ، ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کر سکتا۔ یہ ہمہ گیر اور کُلّی اسٹیٹ ہے۔ اس کا دائرہ عمل پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ یہ تمدن کے ہر شعبے کو اپنے مخصوص اخلاقی نقطہ پر اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اپنے کسی معاملہ کو پرائیویٹ اور شخصی (Personal) نہیں کہہ سکتا۔ اس لحاظ سے یہ اسٹیٹ فاشسٹی اور اشتراکی حکومتوں سے یک گونہ مماثلت رکھتا ہے۔ مگر آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اس کلیت کے باوجود اس میں جو وہ زمانہ کی کُلّی (Totalitarian) اور استبدادی (-Authoritarianism) حکومتوں کا سارنگ نہیں ہے، اس میں شخصی آزادی سلب نہیں کی جاتی۔ ورنہ اس میں آمریت (Dictatorship) پائی جاتی ہے، اس معاملہ میں کمال درجہ کا اعتدال اسلامی نظام حکومت میں قائم کیا گیا ہے اور حق و باطل کے درمیان جیسی نازک اور باریک مرحدیں قائم کی گئی ہیں، انھیں دیکھ کر ایک صاحب بصیرت آدمی کا دل بے اختیار گواہی دینے لگتا ہے کہ ایسا متوازن نظام حقیقت میں خدائے حکیم و بخیر وضع کر سکتا ہے۔

جماعتی اور ملکی اسٹیٹ | دوسری بات جو اسلامی اسٹیٹ کے دستور اور اس کے مقصد اور اس کی اصلاحی نوعیت پر غور کرنے سے خود بخود واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے اسٹیٹ کو صرف وہی لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے دستور پر ایمان رکھتے ہوں، جنہوں نے اس کے مقصد کو

اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو، اور جو اس کے اصلاحی پروگرام سے نہ صرف پوری طرح متفق ہوں، نہ صرف اس میں کامل عقیدہ رکھتے ہوں بلکہ اس کی اسپرٹ کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہوں اور اس کی تفصیلات سے واقف بھی ہوں، اسلام نے اس باب میں کوئی نسلی، جغرافی، لونی یا لسانی قید نہیں رکھی ہے۔ وہ تمام انسانوں کے سامنے اپنے دستور، اپنے مقصد، اور اپنے اصلاحی پروگرام کو پیش کرتا ہے جو شخص بھی اسے قبول کر لے خواہ وہ کسی نسل، کسی ملک اور کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو وہ اس جماعت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس اسٹیٹ کو چلانے کے لئے بنائی گئی ہے۔ مگر جو اسے قبول نہ کرے اسے اسٹیٹ کے کام میں ذخیل نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اسٹیٹ کے مدد میں وقتی (Temporary) کی حیثیت سے رہ سکتا ہے اس کے لئے اسلام کے قانون میں معین حقوق اور مراعات موجود ہیں اس کی جلن و مال اور عزت کی پوری حفاظت کی جائے گی، اور اگر وہ کسی خدمت کا اہل ہوگا تو اس سے خدمت بھی لی جائے گی لیکن بہر حال حکومت میں شریک کی حیثیت نہیں دی جائے گی، کیونکہ یہ ایک خاص مسلک رکھنے والی پارٹی کا اسٹیٹ ہے یہاں بھی اسلام اسٹیٹ اور کمیونسٹ اسٹیٹ میں یک گونہ مماثلت پائی جاتی ہے لیکن دوسرے مسلمانوں پر اعتقاد رکھنے والوں کے ساتھ جو برتاؤ اشتراک جماعت کا اسٹیٹ کرتا ہے اس کو اس برتاؤ سے کوئی نسبت نہیں جو اسلامی جماعت کا اسٹیٹ کرتا ہے۔ اسلام میں وہ صورت نہیں ہے جو کمیونسٹ حکومت میں ہے کہ غلبہ و اقتدار حاصل کرتے ہی اپنے تہذیب

ہولوں کو دوسروں پر بکسر مسلط کر دیا جائے۔ جائدادیں ضبط کیا جائیں
قتل و خون کا بازار گرم ہو اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو پکڑ کر
زمین کے جہنم ساعیر یا کی طرف پیک کر دیا جائے۔ اسلام نے
غیر مسلموں کے لئے جو فیاضانہ برتاؤ اپنے اسٹیٹ میں اختیار
کیا ہے، اور اس بارے میں عدل و ظلم اور راستی و ناراستی کے درمیان
جو باریک خط امتیاز کھینچا ہے اُسے دیکھ کر ہر انصاف پسند آدمی
بہ یک نظر معلوم کر سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے جو مصلح آتے ہیں وہ کس
طرح کام کرتے ہیں، اور زمین میں جو مصنوعی اور جعلی مصلحین اُٹھ
کھڑے ہوتے ہیں ان کا طریق کار کیا ہے۔

ذیل اقتباس حضرت مولانا مودودی کی ایک سیٹ اور ہم بحث کا ٹکڑا ہے:

اسلامی نصب العین کیا ہے؟

اس سوال کا جواب قرآن مجید میں جو کچھ دیا گیا ہے وہ یہ ہے:-
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ مَعَهَا هُدًى وَذِينَ
الْحَقِّ لَيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ
”وہی ہے (یعنی اللہ) جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق
کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو پوری جہنم دین پر غالب کر دے خواہ
یہ کام مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔“

اس آیت میں اَلْهَدٰی (ہدایت) سے مراد دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔ انفرادی بُرناؤ، خاندانی نظام، سوسائٹی کی ترکیب، معاشی معاملات، ملکی انتظام، سیاسی حکمت علیٰ ملکی تعلقات غرض زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسان کی زندگی کے لئے صحیح رویہ کیا ہونا چاہئے۔ یہ چیز اللہ نے اپنے رسول کو بتا کر بھیجا۔ دوسری چیز جو اللہ کا رسول لے کر آیا ہے وہ دین حق ہے دین کے معنی اطاعت کے ہیں۔ کیش اور مذہب کے لئے جو دین کا لفظ استعمال ہوتا ہے یہ اس کا اصل معنی موضوع لہ نہیں ہے بلکہ اس کو دین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں انسان خیال و عمل کے ایک خاص سسٹم کی اطاعت کرتا ہے۔ ورنہ دراصل دین کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے جو زمانہ حال میں لفظ ”اسٹیٹ“ کے معنی ہیں۔ لوگوں کا کسی بالاتر اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرنا یہ ”اسٹیٹ“ ہے۔ یہی دین کا مفہوم بھی ہے۔ اور دین حق یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی، خود اپنے نفس کی اور تمام مخلوقات کی بندگی و اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرے اور اسی کی بندگی و اطاعت اختیار کرے پس درحقیقت اللہ کا رسول اپنے بھیجنے والے کی طرف سے ایک ایسے ”اسٹیٹ“ کا نظام لے کر آیا ہے جس میں نہ تو انسان کی خود اختیاری کے لئے کوئی مقام بلکہ حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ جو کچھ بھی ہے صرف اللہ کے لئے ہے۔ پھر رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اس نظامِ اطاعت

(دین) اور اس قانونِ حیات (الہدی) کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے۔ پوری جنسِ دین سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جن صورتوں سے کسی کی اطاعت کر رہا ہے وہ سب ”جنسِ دین“ کی مختلف انواع ہیں جیسے کادالین کی اطاعت کرنا، بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا، نوکر کا آقا کی اطاعت کرنا، ماتحت کا افسر کی اطاعت کرنا، رعیت کا حکومت کی اطاعت کرنا، پیروؤں کا پیشواؤں اور لیڈروں کی اطاعت کرنا یہ اور یہی ہی دوسری بے شمار اطاعتیں بحیثیت مجموعی ایک نظامِ اطاعت بناتی ہیں اور اللہ کی طرف سے رسول کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پورے نظامِ اطاعت اپنے تمام اجزاء سمیت ایک بڑی اطاعت ایک بڑے قانون کے ماتحت ہو جائے، تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہوں اُن سب کو منضبط (REGULATE) کرنے والا ایک اللہ ہی کا قانون ہو، اور اس بڑی اطاعت اور اس ضابطہٗ قانون کی حدود سے باہر کوئی اطاعت باقی نہ رہے۔ یہ رسول کا مشن ہے اور رسول اس مشن کو پورا کرنے پر مامور ہے خواہ شرک کرنے والے اس پر کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں شرک کرنے والے کون ہیں؟ وہ سب لوگ جو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری مستقل بالذات ایضے خدا کی اطاعت سے آزاد) اطاعتیں شریک کرتے ہیں جہاں تک اللہ کے قانونِ طبیعی (LAW OF NATURE) کا تعلق ہے، ہر انسان طوعاً و کرہاً اس کی اطاعت کر رہا ہے کیونکہ اس اطاعت کے

بغیر تو اس کے لئے کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ مگر جہاں تک انسان
 کے دائرہ اختیار کا تعلق ہے، اس دائرے میں بعض انسان تو
 بالکل ہی غیر اللہ کے مطیع بن جاتے ہیں اور بعض انسان اپنی زندگی
 کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے کسی حصہ میں خدا کے بھیجے ہوئے
 قانونِ اخلاقی (شریعت) کی اطاعت کرتے ہیں اور کسی دوسرے
 حصہ میں اپنے نفس کی یاد دہروں کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی
 چیز کا نام اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری اطاعتوں کو شریک
 کرنا ہے اور جو لوگ شرک کی ان مختلف صورتوں میں مبتلا ہیں
 ان کو یہ بات ناگوار ہوتی ہے کہ اپنی فطری اطاعت کی طرح
 اپنی اختیاری اطاعت و بندگی کو بھی بالکلیہ اللہ کے لئے خالص
 کر دیں۔ خواہ نادانی کے سبب سے یا اخلاقی کمزوری کے سبب سے
 بہر حال وہ شرک و ملوث کرتے ہیں لیکن اللہ کے رسول پر یہ فرض نہ کیا گیا ہے
 کہ ایسے لوگوں کی مزاحمت کے باوجود اپنے مشن کو پورا کرے۔

اسلامی نصب العین سنبھالنے کا حکم

یہ ہے اسلامی نصب العین اور اس نصب العین کی طرف پیش
 قدمی کرنے کے لئے راہِ راست وہی ہے جو اللہ کے رسول نے
 اختیار کی، یعنی یہ کہ لوگوں کو ”الھدٰی“ اور ”دین حق“ کی طرف
 دعوت دی جائے۔ پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کر کے اپنی زندگی
 و اطاعت کو اللہ کے لئے خالص کر دیں دوسری اطاعتوں کو اللہ
 کی اطاعت کے ساتھ شریک کرنا چھوڑ دیں، اور خدا کے قانون کو

اپنی زندگی کا قانون بنالیں اُن کا ایک مضبوط جھنڈا بنایا جائے۔
 پھر یہ جھنڈا تمام ان اخلاقی، علمی اور مادی ذرائع سے جو اس کے
 امکان میں ہوں، دین حق کو قائم کرنے کے لئے جہاد کبیر کرے
 یہاں تک کہ اللہ کے سوا دوسری اطاعتیں جن جن طاقتوں کے
 بل پر قائم ہیں اُن سب کا زور ٹوٹ جائے اور پورے نظام
 اطاعت پر وہی الھدیٰ اور دین حق غالب ہو جائے۔
 اس راہ راست کا ہر جز قابلِ غور ہے۔

پہلا جز یہ ہے کہ انسانوں کو بالعموم اُتھری حاکمیت پر اقتدار
 اعلیٰ تسلیم کرنے اور اس کے پیچھے ہوئے قانون کو اپنی زندگی کا
 قانون بنانے کی دعوت دی جائے۔ یہ دعوت عام ہونی چاہئے
 ہر وقت جاری رہنی چاہئے۔ اور اس کے ساتھ دوسری غیر متعلق
 باتوں کی آمیزش نہ ہونی چاہئے قوموں اور نسلوں اور ملکوں
 کے مابین جھگڑے خود اپنے سیاسی اور معاشی مفادات کی بحثیں
 غیر الہی نظامات میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یا کسی قسب
 نظام فاسد کی خود غرضانہ حمایت کرنا، یا کسی نظام فاسد میں اپنی
 جگہ بنانے کی کوشش کرنا، یہ سب چیزیں نہ صرف یہ کہ الھادی
 اور دین حق کی دعوت کے ساتھ میل نہیں کھائیں بلکہ صریح طور پر
 اُس کے منافی اور اس کے لئے مضرت رساں ہیں۔ پس جب
 کسی شخص یا گروہ کو دعوت حق کی خدمت انجام دینی ہو تو اسے ان
 تمام جھگڑوں اور بحثوں سے الگ ہو جانا چاہئے اور اپنی دھڑ
 کے ساتھ کسی دوسرے غیر متعلق اور بے جوڑ قضیے کو شامل نہ کرنا چاہئے۔

دوسرا جزء یہ ہے کہ جتنا صرف ان لوگوں کا بنایا جائے جو اس دعوت کو جان کر اوز... سمجھ کر قبول کریں، جو بندگی اور اطاعت کو فی الواقع اللہ کے لیے خالص کر دیں، جو دوسری اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ واقعی شریک کرنا چھوڑ دیں اور حقیقت میں اللہ کے قانون کو اپنا قانون زندگی بنالیں رہے دوسرے لوگ جو اس طرز خیال یا اس طرز زندگی کے محض معترف ہوں، یا اس سے ہمدردی رکھتے ہوں تو وہ مجاہدہ کرنے والے جتنی کے لیڈر کیا معنی، کارکن بھی نہیں بن سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ جو جس درجہ میں بھی اس کا ہمدرد یا بیرونی معاون بن جائے بسا غنیمت ہے، مگر ارکان اور ہمدردوں کے درمیان جو حقیقی فرق و امتیاز ہے اُسے کسی حال میں نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔

تیسرا جزء یہ ہے کہ براہ راست غیر الہی نظام اطاعت پر حملہ کیا جائے۔ تمام کوششوں کا مقصد صرف ایک بات کو بنایا جائے کہ اللہ کی حاکمیت ہو اور اس کے سوا کسی دوسری چیز کو مقصود بنا کر اسکے پیچھے قوتیں ضائع نہ کی جائیں۔

امام تفسیر حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

کے افادات

تعارف۔ حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین سے حضرت مولانا کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔

حضرت مولانا حمید الدین کا وطن اعظم گڑھ کا ایک گاؤں ہے جس کی نسبت سے آپ فراہی مشہور ہیں۔ مولانا کی ولادت ۱۲۸۶ھ میں ہوئی اور وفات ۱۳۴۳ھ میں، دینیات میں درس نظامیہ کے فارغ التحصیل تھے۔ اور انگریزی میں علیگڑھ کے بی۔ اے، عربی ادب کی تکمیل شاجہارہ مولانا فیض الحسن صاحب سے کی تھی جو علامہ شبلی مرحوم کے بھی استاد تھے۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے حضرت مولانا حمید الدین صاحب

کو خصوصی تعلق ہے، مولانا ہی نے اس کی تعلیم کا خاکہ تیار کیا تھا اور تجویز پیش کی تھی کہ دینیات کی تعلیم عربی میں ہو اور باقی تمام علوم و فنون، اصول فقہ تک کی تعلیم اردو زبان میں دی جائے، کتابوں کے ترجمے اور اصطلاحات کی وضع کے لئے جو مجلس بنائی گئی تھی اُس میں مولانا بھی شامل تھے۔

مولانا حمید الدین کی سب سے بڑی خصوصیت اُن کی قرآن فہمی کی درک و ہمارت تھی، قیام حیدر آباد کے زمانہ میں مولانا نے وہاں درس قرآن کا ایک حلقہ قائم کیا تھا لوگ اس میں اپنے شکوک بھی پیش کرتے اور مولانا جواب دیتے۔ اس حلقہ میں شرکت کرنے والوں میں مولانا مناظر گیلانی اور مولوی وحید الدین سلیم مرحوم بھی تھے۔

جامعہ عثمانیہ کی تعلیم کے متعلق اس مسعود صاحب اور نواب سر حیدر نواز جنگ نے مولانا حمید الدین کی تجویز کا یہ حصہ تو منظور کر لیا کہ تعلیم کی زبان اردو ہو، لیکن اس حصہ کو قبول نہ کیا کہ تمام لڑکوں کو دینیات کی تعلیم عربی میں دی جائے، اس کا مولانا پر یہ اثر ہوا کہ ۱۹۱۷ء میں جب جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آ رہا تھا ارکانِ حکومت کی خواہش کے برعکس ایک ہزار روپے مانہوار کی جگہ چھوڑ کر آپ حیدر آباد سے وطن چلے آئے۔

علامہ شبلی مرحوم کی وفات کے بعد سیرۃ النبی کی تکمیل اور دارالمصنفین کی بقا کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا

تھا، حضرت مولانا حمید الدین نے بھوپال اور حیدر آباد
جا کر کوشش کی، اور ان دونوں ریاستوں سے علامہ
شبلی کو جو وظیفے ملنے تھے ان کا سلسلہ جاری رہا۔
مولانا آخر وقت تک دارالمصنفین کی مجلس عاملہ کے
صدر رہے۔

مولانا حمید الدین کی یادگار مکتبہ سائنس
سہرائے میر ہے جو قرآن مجید کی تعلیم کے لئے ہندوستان
کے دینی مدارس میں ایک امتیازی خصوصیت کا مالک ہے۔
علم و عمل میں حضرت مولانا حمید الدین کا جو مرتبہ تھا
اس کا اندازہ ان کا برہمت کی آراء سے ہو سکتا ہے حضرت
مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:-

”مولانا حمید الدین میرجوم..... ان علمائے

حق میں سے تھے جن کا سرمایہ امتیاز صرف علم ہی نہیں
بلکہ عمل بھی ہوتا ہے، اور اس دوسری جنس کی کمیابی کا
جو عالم ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ میں جب کبھی
ان سے ملا مجھ پر ان کے علم سے زیادہ ان کی عملی پائی کا
اثر ہوا۔ وہ پورے معنوں میں ایک متقی اور راست باز
انسان تھے، اُن کے دل کی پاکی اور نفس کی طہارت
دیکھ کر رشک ہوتا تھا“

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی رسالہ ”الاصلاح“ نمبر ۷ میں مولانا قزاقی
کے سوانح لکھ رہے تھے، یہ حالات اسی سے ماخوذ ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

مولانا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف
علم و فضل میں یکتا اے زمانہ تھے بلکہ اپنی صحت اعتقاد
اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے خواص امت میں تھے۔

حضرت مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب مرحوم نائب شریعت
صوبہ بہار نے لکھا ہے :-

”مولانا مرحوم نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قرآن کریم کی
خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، اور حتیٰ یہ ہے کہ
انہوں نے جس وقت نظر کے ساتھ قرآن کریم کا مطالعہ
کر کے قرآن کریم کے مضامین عالیہ اور اس کے اسلوب
بیان اور طرز ادا کو جس عنوان سے قوم و ملت کے سامنے
پیش کیا ہے اس کا ثمرہ بجز اسکے اور کیا ہو سکتا ہے
کہ قرآن کریم کلام ربانی ہے اور تمام لفظی اور معنوی عیوب
و نقائص سے پاک ہے“

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی

نے حضرت مولانا حمید الدین کی وفات پر علامہ سید سلیمان ندوی کو
لکھا تھا۔

”مجھ کو مولانا سے دیرینہ نیاز حاصل تھا۔ ابتدائی ملاقات
کا ذریعہ علامہ شبلی مرحوم تھے۔ علی گڑھ کی پروفیسری کے
زمانے میں ملا پھر حیدر آباد میں..... علی گڑھ کے
در میں بھی تدبر قرآنی کا شغف جاری رہا۔ روزانہ دو بجے

شب سے صبح کے نو بجے تک اسی میں وقت صرف کرتے
تھے۔ ملاقات کے وقت نتائج تحقیق بیان فرماتے۔
مولانا عبدالماجد دریا بادی ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء کے صدق
میں لکھتے ہیں :-

”علامہ حمید الدین فراہی اس دور میں علوم قرآنی
کے لحاظ سے امام وقت تھے، لکھ جانے کی جتنی ضرورت
اس کے مساعد تو حالات نہ ہو سکے پھر بھی عربی میں جتنا
تحریر فرما گئے ہیں وہ اچھا خاصہ ذخیرہ ہے۔ خدمت
قرآن کے مدعی تو بہت ہیں لیکن مولانا اپنی وقت نظر
عمیق فکر۔ حکیمانہ ژرف نگاہی، علم و فضل، تبخیر ادبی اور
تقویٰ و طہارت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھے۔“
جمعیتہ علمائے ہند کے ترجمان ”اخبار الجمیعہ“ ۱۷ جولائی ۱۹۳۶ء
کی اشاعت میں لکھتا ہے :-

”مولانا حمید الدین فراہی مرحوم و مغفور ان مخصوص
بزرگوں اور کتاب الہی کے عاشقوں میں سے تھے جن پر
جناب الہی سے فہم قرآن کی راہیں کشادہ ہوئیں اور سعاد
ازلی نے جن کو قرآن کے اسرار و حکم کا عارف کامل بنایا
..... مرحوم کی علمی قابلیت اور معرفت کتاب الہی کے
متعلق و نبائے اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنی فکری
صلاحیت، اجتہاد و بصیرت اور قرآن کی معرفت میں
اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے..... مرحوم علامہ شبلی

ان کی استعداد و قرآنی سے تاحیات بہرہ اندوز ہوتے
 رہے اور عرب کے جتید اور مفکر علماء اب تک ان کی
 بے نظیر تصنیف ”امعان فی اقسام القرآن“
 کو حیرت اور استحسان کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔
 حضرت مولانا حمید الدین کے علمی و کمال کی زندہ
 یادگار جناب مولانا امین احسن صاحب اور دوسرے
 اصلاحی علماء ہیں۔

حضرت مولانا کے چھوٹے بھائی رشید الدین صاحب
 بسلسلہ تجارت بنارس میں مقیم تھے۔ زندگی کے آخری
 ایام میں حضرت مولانا ان کے پاس بنارس تشریف
 لائے تھے اور مفتوں رہتے تھے، راقم الحروف کے رفقاً
 نے قرآن مجید کے درس کا ایک حلقہ قائم کر رکھا تھا،
 حضرت مولانا ہماری درخواست پر حلقہ درس کو اپنی
 شرکت سے نوازتے، راقم الحروف رفقاء کے ساتھ
 حضرت مولانا کی قیام گاہ پر بھی حاضری دیتا۔ مدرسہ
 جا کر بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت
 حاصل ہوتی، مبارک تھیں زندگی کی وہ گھڑیاں جو اس بابرکت
 ذات کی خدمت میں گزر گئیں اور حسرت ہے ان لمحات
 زندگی پر جو بنارس میں حضرت کی خدمت میں گزرا جاسکے
 اس تعارف کے بعد مولانا کے افادات ملاحظہ کیجئے۔

انبیاء کرام کا مقصد بعثت

قیام حکومت الہیہ

حضرت مولانا حمید الدین نے ”سورۃ الکافرون“ کی تفسیر کے شروع میں بتایا ہے کہ یہ سورہ کفار سے غلجہ کی اور ترک تعلق سے سورہ ہے اس لئے اس کو سورہ برأت کی طرح ہجرت اور جنگ کی سورہ سمجھنا چاہئے۔ سورہ برأت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اور اس کا نزول ہجرت سے پہلے ہوا، مکہ اور اس کے اطراف کے کفار نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول نہ کی اور حضور کے قتل و اخراج کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور کو برأت ہجرت اور جنگ کا حکم دے دیا۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے بتایا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد کیا ہوتا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔
 ”انبیاء کرام کی دعوت و تبلیغ کے معاملے میں قانون الہی ہمیشہ سے یوں ہی رہا ہے۔ ایک مدت تک ان کو صبر و تحمل اور انتظار فتح و نصرت کا حکم دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے سرکش طبیعتیں تسلیم قبول کی طرف مائل ہوں لیکن جب ان کی طرف سے برابر سرکشی کا اظہار ہوتا ہے اور سرکش آہستہ آہستہ پیغمبر کے ارادہ قتل و اخراج تک متصدی ہونے لگتی ہے تو خدا کا آخری حکم برأت ہجرت، اور جنگ کے اعلان اور انتقام کے تازیانہ کے ساتھ نمودار ہو جاتا ہے۔ یہ

وقت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہوں ظالم ہلاک ہوں اور ان کی جگہ اہل ایمان خدا کی زمین میں ممکن ہوں یہی بُعْثت کی اصلی غرض ہے۔

کسی قوم میں کسی رسول کی بُعْثت کا زمانہ اس قوم کے بحران کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور اس وقت تین حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت ظہور میں آ جاتی ہے

(۱) پوری قوم اپنی شرارتوں کی پاداش میں ہلاک کر دی جاتی ہے صرف ایک مختصر جماعت نیکو کاروں کی بچ رہتی ہے اور یہی بُعْثت ہلاک ہونے والوں کی جگہ زمین کی وارث ہوتی ہے، حضرت نوح علیہ السلام اور اکثر انبیاء کی امتوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ (۲) تباہی اور ہلاکت کی آخری منزلوں تک پہنچ کر ایک بیک قوم پیغمبر کی دعوت سے چوکتی ہو جاتی ہے اور خدا کی رحمت اس کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے حضرت ابراہیم حضرت داؤد حضرت یوسف اور پیغمبر عالم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔

(۳) ایک امت تباہ کر دی جاتی ہے اور دوسری زندہ کی جاتی ہے حضرت موسیٰ اور پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بُعْثت میں یہی معاملہ پیش آیا۔ حضرت یعقوب اور حضرت ابراہیم کی ذریت کے انتقام میں فرعون اور کسریٰ کی قومیں مٹا دی گئیں قرآن مجید کی مختلف آیات میں ان حقائق کی طرف اشارات کئے گئے ہیں سورہ یونس میں ہے۔

اِنَّا نرینک بعض الذی نعدہم ا و
نتوفینک فالینا سر جمعہم ثم اللہ
شہید علی ما یفعلون۔ ولکل امۃ
رسول۔ فاذا جاء رسولہم قضی
بینہم بالقسۃ۔ وہم لا یظلمون۔
و یقولون متی ہذا الوعد ان کنتم
صدقین، قل لا املک لنفسی ضراً
ولا نفعا الا ما شاء اللہ۔ لکل امۃ
اجل، فاذا جاء اجلہم فلا یستخلون
ساعۃ ولا یستقدمون ہ

”یا تو ہم جس چیز کی ان کو دہمکی دے رہے ہیں اس
میں سے کچھ ہم تم کو دکھا دیں گے یا یہ ہوگا کہ ہم تم کو وفا
دیں گے اور ان کا پلٹنا ہماری طرف ہوگا پھر اللہ ان
کے اعمال پر گواہ ہوگا۔ ہر امت کے لئے ایک رسول
ہے جب ان کا رسول آ جاتا ہے عدل کے ساتھ ان کے
درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو
تو بتاؤ تمھاری یہ دہمکی کب پوری ہوگی کہہ دو میں تو اپنی
جان کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں مگر
جو اللہ چاہے، ہر امت کے لئے ایک اجل مبین ہے
جب ان کی اجل آ جائے گی نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹیں گے
نہ ایک گھڑی آگے“

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی بعثت کا اصلی مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جو امت صالح اور نیکو کار ہے وہ زندگی اور حیات کے دلوں سے معمور ہو جائے۔ اور جو قوم راہِ حق و ہدایت سے ہٹ کر گمراہیوں اور شرارتوں میں پڑ چکی ہے وہ تباہ ہو جائے اور یہ بات بالکل آپ سے آپ ظہور میں آتی ہے۔ سرکش اور نافرمان قوموں کا ہمیشہ سے یہ چلن رہا ہے کہ جب ان کے پاس انبیاء آئے انھوں نے ان کی تکذیب کی قرآن مجید نے ان کی اس حالت کی طرف جا بجا اشارے کئے ہیں مثلاً :-

يَحْسِرُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ
أَلَا كَانُوا بِآيَاتِهِ لَا يَشْعُرُونَ -

”انہوں نے بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر انھوں نے اس کے ساتھ استہزاء کیا۔“

دیکھئے حضرت مولانا حمید الدین نے انبیائے کرام کی دعوت تبلیغ کے متعلق قانونِ الہی کی کیا توضیح فرمائی ہے ؟ اور انبیائے کرام کی بعثت کا کیا مقصد بیان فرمایا ہے ؟ منکروں اور مفسدوں کی ہلاکت و تباہی اور اللہ کی زمین پر اللہ کے ان فرمانبردار اور نیکو کار بندوں کا ٹکڑا اور اقتدار جو انبیائے کرام کے لائے ہوئے قانونِ حیات کو نافذ کرتے ہیں۔ یہی ہے حکومتِ الہیہ۔

حضرت مولانا حمید الدین تحریر فرماتے ہیں :-

نُصْرَتِ الٰہیہ کے ظہور کا قانون

نُصْرَتِ الٰہیہ کے ظہور کا بھی ایک قانون ہے وہ قانون یہ

کہ اس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب پیغمبرِ برأت کا اعلان کر کے کفار کو چھوڑ کر ہجرت کر جاتا ہے۔ نصرتِ الہیہ کے ظہور سے پہلے پیغمبر کے لئے ان مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے۔ قرآن مجید نے جا بجا اس قانونِ الہی کی طرف اشارات کئے ہیں۔

ان الذین یجادون اللہ ورسولہ
اولئک فی الاذلین کتب اللہ لاغلبن
انا ورسولی۔ ان اللہ قوی عزیز لا یخذل
قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون
من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباہم
او ابناء ہم او اخوا ہم او عشیرتہم
اولئک کتب فی قلوبہم الایمان وایدہم
بروح منہ ویدخلہم جنۃ تجری من
تحتہا الانہار وخلدین فیہا رضی اللہ
عنه ورضوا عنه۔ اولئک حزب اللہ
الا ان حزب اللہ هم المفلحون ہ

”بے شک جو لوگ اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ ذلیل ہونے والوں میں ہوں گے اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ البتہ میں غالب رہوں گا اور میرے انبیاء بے شک اللہ قوی اور غالب ہے، تم کوئی ایسی قوم نہیں پاسکتے جو اللہ پر اور یومِ آخر پر ایمان رکھتی ہو پھر ان لوگوں سے یا راکھتی ہو جو اللہ اور اس کے رسول

کے مخالف ہیں اگرچہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا
 بھائی ہوں یا کنبہ و خاندان کے ہوں یہی لوگ ہیں کہ
 اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی
 جانب سے روح سے ان کی تائید فرمائی ہے اور ان
 کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں
 جاری ہوں گی۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے
 راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ اللہ کی
 جماعت ہیں اور یقیناً اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہونے
 والی ہے۔“

انبیاء کے غلبہ کے لئے جو قانوں الہی ہے آیت میں پہلے اس کی طرف
 اشارہ فرمایا پھر اس سنتِ برأت کا ذکر فرمایا جو مومنین کے لئے ناگزیر
 ہے۔ اس کے بعد اپنے قانوں کا حوالہ دیا کہ وہ مومنین کو بخشے گا اور
 ان کو اپنی جماعت میں داخل کرے گا اور یہی لوگ کامیاب ہونگے
 ”انا ورسلی“ میں ”و“ بیان کے لئے ہے۔ ان آیات میں بیان کیا
 ہے کہ غلبہ اللہ کی جماعت کے لئے ہے اور اس جماعت ہی کا غلبہ اللہ
 اور اس کے رسول کا غلبہ ہے۔ کیونکہ بعض انبیاء کو ان کی زندگی میں
 غلبہ حاصل نہیں ہوا بلکہ ان کی موت ہجرت کی قائم مقام ہوئی موت
 کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے متبعین کو فروغ دیا۔ حضرت یحییٰ
 علیہ السلام کے معاملہ میں یہی ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین
 کو بھی ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی
 اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کا غلبہ درحقیقت رسول ہی کے غلبہ کا

مترہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کے شواہد بہت ہیں۔ ایک جگہ فرمایا ہے :-

اِنَّا لَنَنْصُرُ وَرُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَبِوَعْدِیْهِمْ یَقُوْلُ اَکْثَھَاد-
ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان
لائے دنیا کی زندگی میں غالب کریں گے اور اُس دن
جس دن گواہ کھڑے کریں گے۔

یہاں بھی ”و“ بیان کے لئے ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ نبین
کا غلبہ رسول کا غلبہ ہے اور رسول کا غلبہ اللہ کا غلبہ ہے یہی لاغلبین
انا ورسلی کی صحیح تاویل ہے۔

حضرت مولانا محمد الدین نے اوپر جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس پر
غور کیجئے۔ ہر نبی کی بُخت و دعوت کو حاکمانہ غلبہ و اقتدار عطا فرمانا
اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا قانون ہے جو جو دیں آئے بغیر نہیں رہتا۔
یہ قانون کبھی براہِ راست نبی کے غلبہ و اقتدار کی صورت میں نمودار
ہوتا ہے کبھی اُن کے متبعین کی فتح و کامرانی کی صورت میں اور کبھی
نبی کے متبعین کا غلبہ و اقتدار بھی اللہ و رسول ہی کا غلبہ و اقتدار ہوتا۔
دیکھئے یہ کتنی کھلی ہوئی حقیقت ہے حکومتِ الہیہ کی۔

یہاں ایک اور اہم حقیقت قابلِ غور ہے۔ (۱) ہر نبی کی بُخت
کے لئے حاکمانہ غلبہ و اقتدار لازمی ہے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی بُخت کسی خاص ملک و قوم اور کسی خاص زمانے
تک محدود نہیں ہے حضور کا مادی جسم دنیا میں موجود نہیں لیکن حضور

کی دعوت باقی ہے اور وہ تمام جہان کے لئے قیامت تک باقی رہے گی۔ اس لئے جس زمانے میں بھی حضور کی دعوت غالب اور فتح مند نہ ہو حضور کے متبعین کا فرض ہے کہ وہ حضور کی دعوت کو لے کر اٹھیں اور اسے غالب و فتح مند بنانے کے لئے جدوجہد کریں۔

(۲) اگر کسی زمانے میں کوئی جماعت حضور کی دعوت کو غالب اور فتح مند بنانے کے نصب العین کو لے کر اٹھی ہو اور وہ کامیاب نہ ہوئی ہو تو اس کے یہی معنی نہیں کہ وہ نصب العین غلط تھا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس جدوجہد میں وقت اور حالات کے اعتبار سے کوئی نقص باقی رہ گیا ہو گا۔

(۳) جب ہر نبی کی دعوت کو غلبہ و اقتدار عطا فرمانا اللہ کا قانون ہے تو جس زمانے اور جس ملک میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت غالب نہ ہوگی اسے غالب کرنے کے لئے آنحضرت کے نقش قدم پر صحیح اور کامل جدوجہد کی جائے گی۔ اگر جماعت کو غلبہ و اقتدار حاصل نہ ہونے کے باوجود موجودہ جماعت کو اس طرح غلبہ و اقتدار حاصل ہو گا جس طرح بعض انبیاء کرام کی حیات کے بعد ان کے متبعین کو غلبہ و اقتدار حاصل ہوا۔

(۴) اگر یہ دوسری جماعت بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے پھر بھی اس جدوجہد سے کنارہ کشی جائز نہ ہوگی۔ ان میں سے تیسری جماعت کو کھڑا ہونا پڑے گا تا آنکہ حضور کی دعوت غالب ہو جائے۔ آیہ کریمہ ہوا الذی ارسل رسولاً بالھدی و دین الحق لیظہر علی الدین کلہا بھی

اسی حقیقت کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔
 بعض لوگ دیکھتے ہیں کہ ایسے انبیائے کرام بھی گزرے
 ہیں جن کو حاکمانہ قوت و شوکت حاصل نہ تھی تو ان کو اس بات
 میں شبہ ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کی بعثت و دعوت کے لئے
 غلبہ و اقتدار لازمی ہے حضرت مولانا حمید الدین کی متذکرہ صلد
 تحقیقات سے ایسے لوگوں کا شبہ دور ہو جائے گا۔

قرآن کریم میں ایک اور حقیقت بھی ملتی ہے جو اس شبہ
 کے جواب میں پیش کی جاسکتی ہے۔ دوسرے پارے کے آخر میں
 طالوت اور جالوت کی جنگ کا واقعہ مذکور ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کے بعد اپنی ناکرد دنیوں سے بنی اسرائیل عمالiquہ کی دست برد سے
 غلامی میں مبتلا ہو گئے تھے عمالiquہ نے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے
 ان کے بڑے حصے کو محکوم و غلام بنا لیا تھا بنی اسرائیل نے عمالiquہ
 سے انتقام لینا اور اپنی قوم کو ان سے آزاد کرانا چاہا تو انھوں نے
 اپنے وقت کے نبی سے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے ایک
 بادشاہ مقرر کر دیں جس کے زیرِ علم وہ عمالiquہ سے جہاد کریں چنانچہ
 وحی الہی کے مطابق نبی نے جالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر
 کر دیا اس کی قیادت میں بنی اسرائیل عمالiquہ سے لڑے اور فتح
 ہوئے درآخا لیکہ عمالiquہ کے مقابلے میں بنی اسرائیل محض مٹھی بھر تھے
 یہ واقعہ اس آیت سے شروع ہوتا ہے۔

الم تر االی الملائک من بنی اسرائیل من بعد
 موسیٰ اذ قالوا لنبی لهم ابعت لنا ملکاً

نقاقل فی سبیل اللہ -

(اے رسول) کیا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے جو موسیٰ کے بعد گزری تھی اس واقعہ پر غور نہیں کیا جب اُس نے اپنے نبی سے درخواست کی کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو تاکہ ہم خدا کی راہ میں جنگ کریں۔

اس واقعہ کے تحت میں صاحبِ تفسیر مواب الرحمن لکھتے ہیں۔
 ”بنی اسرائیل کا کام اسی طرح سنورتا تھا کہ وہ لوگ اپنے بادشاہ کے حکم پر متفق ہوتے تھے اور ان کے بادشاہ ان کے نبی کے حکم کے مطیع ہوتے تھے، پس بادشاہ ہی ان کی جماعتوں کو لے کر چلتا اور نبی اس کو شرع کی بات بتلاتا جاتا اور جو بات راہ کی ہوتی اس سے اس کو آگاہ کرتا اور وحی الہی سے اس کو خبردار کرتا رہتا تھا۔
 اوپر کا واقعہ خود اس صورتِ حال کا مؤید ہے، لہذا انبیاءِ کرام کی دعوت کے غلبہ و اقتدار کی ایک صورت یہ بھی تھی

نصرتِ الہیۃ کا ظہور | کار و بار نبوت کی پہلی منزل نصیح و دعوت اور صبر ہے، اس کے بعد برأت

و ہجرت کی منزل آتی ہے اور سب سے آخر میں فتح و کامرانی کی اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ صرف آنحضرتِ صلعم کے ساتھ مخصوص نہیں رہا۔ یہ اس کا ایک عام قانون ہے جو تمام انبیاءِ ملکہ تمام خلق کے لئے یکساں ظاہر ہوا ہے، قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کی طرف اشارات ہیں بعض سورتوں میں یہ چیز عمود کی حیثیت رکھتی ہے

اور بعض میں اس کا ذکر نہایت اہتمام سے ہوا ہے۔ سورہ اعراف،
ہود، یوسف اور نحل میں اس کی تفصیلات موجود ہیں ہم صرف بعض
جامع آیات کے ذکر پر اکتفا کریں گے سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔

وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ
لَيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
أَلَا قَلِيلًا سَنَۃٌ مِّن قَدَرٍ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ
مِّن نَّبِّئِنَا وَلَقَدْ لَعَنَّاهُ فَاسْتَغْوٰى
وَحْيِيَّ وَتَوَلَّىٰ ظَهْرَهُ فَفُتِنَّا

قُرْبَيْبَ تَحْتَهُ كَآسَ زَمِيْنٍ سَے گھبرا دیں تاکہ تجھ کو
اس سے نکال دیں اور اس وقت تیرے بعد وہ بھی
اس میں بہت کم ہی رہتے یہ ہمارا قانون رہا ہے ان تک
انبیاء کے ساتھ جو تم سے پہلے ہم نے بھیجے اور نہ ہی ہمارے
قانون میں تبدیلی پاؤ گے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَرَ لِّلرَّسُولِ وُضِعَ الْوَعْدُ
لَهُمْ يَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُكَ
وَعْدُكَ وَلَا يَنْفَعُكَ

یہاں تک کہ جب انبیاء مایوس ہو گئے اور کفار نے
گمان کر لیا کہ ان کو جو دھمکیاں دی گئی ہیں جھوٹ ہیں
ہماری مدد ان کے پاس آگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب پیغمبر رحمت کرتا ہے احتساب کی گھڑی
آن پہنچتی ہے اس وقت اسلام غالب ہوتا ہے اور کفر نہایت
اٹھاتا ہے یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ۵

سورہ ابراہیم کی ایک طویل آیت پیش کرنے کے بعد مولانا
تحریر فرماتے ہیں۔

”انبیاء کے ساتھ جو معاملات پیش آتے ہیں۔ ان آیات
میں ان کی تفصیل کر دی گئی ہے اس خاص معاملہ میں سنت
الہیہ جاری و نافذ ہے اس کو سمجھنے کے لئے ان آیات کو
پیش نظر رکھو، انبیاء کا دستور یہ ہے کہ وہ توحید کی دعوت دیتے
ہیں توبہ کی منادی کرتے ہیں مغفرت کا اعلان کرتے ہیں اور
ساتھ ہی ساتھ اپنی بندگی اور بیچارگی کا بھی اعلان کرتے ہیں کہ
اللہ کے بھروسہ کے سوا کوئی چیز نہیں ہے جس پر ان کا اعتماد ہو
کفار اس کے جواب میں ان کو طرح طرح کی ایذا میں دیتے ہیں
توحید کا انکار کرتے ہیں، وعدہ قیامت کا مذاق اڑاتے ہیں
اور بالآخر پیغمبر کو ملک سے نکال دینے پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں
جب یہ سب کچھ ہو لیتا ہے تو پیغمبر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے
اس وقت اللہ کی مدد ظہور میں آتی ہے ظالم ہلاک ہوتے ہیں
اور اہل ایمان اُن کی جگہ زمین کے وارث ہوتے ہیں!“

ظالموں اور فتنہ پردازوں کی ہلاکت و تباہی کے بعد اُن
کی جگہ اہل ایمان کا وارث زمین ہونا ہی حکومت الہیہ کا قیام
ہے کیونکہ اہل ایمان اسی لئے تو ہر طرح کی جدوجہد اور قربانی
کرتے ہیں کہ زمین پر خدا کے بھیجے ہوئے قوانین کا اجراء و نفاذ
ہو، چنانچہ عنان اقتدار کے ہاتھ میں لیتے ہی وہ اپنے حلقہ اقتدار
میں قوانین الہی نافذ کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا حمید الدین کے یہ افادات اُن کی تفسیر ”سورۃ الکافرون“ مترجمہ مولانا امین احسن سے لئے گئے ہیں، اب آگے سورہ والعصر کے افادات ملاحظہ کیجئے۔

حکومتِ الہیہ کا قیام مسلمانوں کے واجب

وَالْعَصْرَانِ الْاِنْسَانُ لَنَفْسٍ خَسِرًا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَّاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّاصَوْا بِالصَّبْرِ
 ”زمانہ گواہی دیتا ہے کہ آدمی ٹھانے میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور بھلائیاں کیں اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔“

سورہ کے اجمالی مفہوم کے بیان لفظ عصر کی تحقیق اور زمانے کی شہادت کھانے کے وجہ بتانے کے بعد فرماتے ہیں۔

”انسانوں کی عام نامرادی بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کی خصوصیات بیان کیں جنہوں نے اس حیاتِ چند روزہ کے بدلے میں ابدی مسرت و کامیابی حاصل کی ان لوگوں کی تین خصوصیتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایمان، عملِ صالح، تواضع، ان تین صفتوں نے اپنے اندر دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں سمیٹ لی ہیں۔ جو لوگ اس کلام پر غور کریں گے وہ پائیں گے کہ باوجود غایتِ ایجاز ان الفاظ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ فنی اور بھلائی کی قسم کی کوئی بات ان کے دائرے سے باہر نہیں رہ گئی ہے۔ ایمان تمام عقائد کا شیرازہ ہے، عملِ صالح تمام شرائع کا مجموعہ ہے اور تواضع ایک مرتبہ کمال و فضیلت ہے

جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے مخصوص فرمایا اور اس امت میں سے بھی خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو ائمہ میں کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصلی ذمہ داری انہی پر ہے۔

اس تو اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی شیرازہ بندی فرمائی اور ان کو اختلاف و نزاع کے تمام خطروں سے محفوظ کر کے بھائی بھائی بنا دیا، جب تک امت کے اندر نظام باقی رہا اس کے قدم برابر ترقی کی راموں میں بڑھتے رہے جیسا کہ اوائل خلافت میں ہم دیکھتے ہیں لیکن جب یہ نظام درہم برہم ہو گیا و نعمت بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ قرآن مجید کی آیت ذیل میں اس فریضہ کی تفصیل کی گئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ
وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا
وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ
أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَةِ اللَّهِ أَوْنَا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا
حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا
كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ وَلِتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ
إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ

المفلحون . ولا تكونوا كالذين تفرقوا
واختلفوا من بعد ما جاءهم البیت
واولئک لهم عذاب عظیم.....
الى قوله تعالى..... عنتم خیر امة
اخرجت للناس تامرون بالمعروف
وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے

ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو تم مگر اس حالت میں کہ مسلم
ہو اور اللہ کی رشتی سب متحد ہو کر مضبوط پکڑو اور متفرق
نہ ہو اور اللہ کے فضل کو اپنے اوپر یاد کرو جب تم باہم
ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے
دلوں کو باہم جوڑا اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی
بن گئے اور تم آگ کے گرہے کے کنارے کھڑے
تھے تو اللہ نے اس سے تم کو بچا یا اس طرح اللہ اپنی آیتیں
کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ اور چاہئے
کہ تم میں سے ایک امت دعوت الی النجرا مر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کے لئے ہو اور وہی لوگ نلاح پانے
والے ہوں گے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق
ہو گئے۔ اور کھلی کھلی نشانیاں پانے کے بعد انہوں نے
اختلاف کیا یہی لوگ ہیں جن کے لئے عذاب عظیم ہے
..... تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لئے

اٹھائے گئے ہو تم نکلی کا حکم دو گئے برائی سے روکو گئے
اللہ پر ایمان لاؤ گئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے جہات فرائض میں سے ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق دوسری آیات بھی وارد ہیں لیکن یہ امر واضح ہے کہ اس کی اصلی ذمہ داری جیسا کہ ولتکن منکم امة تبا درموتا ہے صرف امراء امت پر ہے البتہ تو اسی ایک فرض عام ہے جس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں اس سے معاملہ کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے عمل صالح کریں پھر ادائے حقوق کے معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت و سیاست کے ناممکن ہے اس لئے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں اور خلافت کا قیام چونکہ اطاعت پر منحصر ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان کے اندر اطاعت بھی موجود ہو۔

حکومت کے مستحق مومنین صالحین ہیں

حضرت مولانا فرامی رحمۃ اللہ علیہ عمل صالح کی حقیقت اس طرح سمجھاتے ہیں :-

”اللہ تعالیٰ نے اعمال حسنہ کو ”صالحات“ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس سے ایک عظیم الشان حکمت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ درحقیقت انسان کی تمام ظاہری و باطنی دینی و دنیاوی شخصی

و اجتماعی جسمانی و عقلی صلاح و ترقی کا ذریعہ اعمالِ حسنہ میں یعنی عملِ صالح وہ عمل ہو جو انسان کی زندگی اور نشوونما کا سبب ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں جو صلاحیتیں ودیعت کی ہیں ان کے مطابق وہ عروجِ ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچ جائے یہی چیز انسان کے غایتِ وجود کو پورا کرتی ہے اور اسی سے وہ درجہ کمال تک پہنچتا ہے۔ فطرتِ انسان سے یہی چیز مراد ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ
اور ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر بنایا۔

اور آیت ذیل میں عبادت سے یہی چیز مقصود ہے :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

اور میں نے جنہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر تاکہ میری عبادت کریں۔
عبادت یعنی طاعتِ الہی جس پر تمام شخصی و اجتماعی صلاح و فلاح کا دارومدار ہے۔ اس نکتہ کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کا ثنات کی اس مجموعی مشین کا ایک پرزہ ہے۔ اس لئے اس کے اعمال میں سے صالح اعمال صرف وہی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی اس حکمت و تدبیر کے موافق ہوں جو اس نے اس کلی نظام کے لئے پسند فرمائی ہیں کیونکہ خدا نے اس دنیا کو عبث نہیں بنایا ہے ایک خاص نظام حکومت ہے جو اس پورے کارخانے میں جاری ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس کا ثنات کے اندر جو کچھ ہو اس نظامِ حکمت کے ماتحت ہو۔ اس سے الگ ہو کر نہ ہو۔

اور یہ جو تم اس کا ثنات کے ہر گوشہ میں ایک شکش اور تصادم

دیکھ رہے ہو تو یہ بھی درحقیقت اس کائنات کی ترقی اور نشوونما
ہی کے لئے ہے۔ یہ تغیر و تحول کا سلسلہ ہے جو ہر برائی حالت کو ایک
نئی حالت سے بدل رہا ہے تاکہ یہ نظام اپنی حالت پر قائم رہ سکے۔

قرآن مجید میں صاف نص ہے کہ انسان کا ارتقاء عمل
صالح پر مبنی ہے۔ اور تمام عالم اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے ایک خاص
حکمت کی طرف جارہا ہے

الیه يصعد الكلم الطيب والعمل الصالح
يرفعه والذین یمکرون السعیات
لهم عذاب شدید ومکراولئک
ھما یمیزان

اسی کی طرف عروج پاتا ہے کلام طیب اور وہ عمل صالح
کو رفعت بخشا ہے (انسان کا یہ عروج عمل صالح اور
اس غایت حسن کا نتیجہ ہے جو اس کائنات کی خلقت
سے اللہ تعالیٰ کا منشا ہے) اور جو لوگ برائی کی سازشیں
کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان لوگوں
کی تدبیر نامراد ہوگی (کیونکہ بڑی تدبیریں اس حق کے خلاف
میں جو کائنات کی اصلی روح ہے اس لئے جو کوشش اس
کے انبطلان کے لئے ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو فروغ نہ دیگا
کیونکہ اس کائنات کی تخلیق کا منشا درحقیقت ایک
عظیم الشان غایت و حکمت ہے جس کا نام قرآن مجید
کی اصطلاح میں "حق" ہے)

اس تفصیل کے بعد یہ حقیقت اچھی طرح کھل گئی کہ زمین کی وراثت صالحین کے لئے نگیدہ محفوظ ہوئی، مفسدین اس غایت کے خلاف چلتے ہیں جو اس عالم کی تخلیق کا منشاء ہے اور صالحین اس روش پر چلتے ہیں جو صحیح منزل مقصود پر پہنچاتی ہے اس لئے فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ۔

جو لوگ ایمان لائے اور بھلائیاں کیں البتہ ہم ان کو داخل کریں گے صالحین میں۔

یعنی صلحاء کے زمرہ میں جو درحقیقت انبیاء صدیقین اور شہداء کا زمرہ ہے۔

قرآن مجید اور اگلے صحیفوں میں مفسدین کی ہلاکت اور صالحین کی برکت کا ذکر اکثر آیا ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ بَعْدَ الذِّكْرِ

اِنَّ الْاَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

اِنَّ فِي هَذَا الْبَلَاغِ لَقُوْرًا عِبَادِيْنَ ه

اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین

کے وارث ہمارے صالح بندے ہوں گے، بے شک

اس میں پیام (خوشخبری) ہے عبادت کرنے والی

قوم کے لئے۔

”عبادت کرنے والی قوم“ یعنی وہ قوم جو اللہ تعالیٰ کے احکام

کی تابعدار ہو کیونکہ تمام صلاح و تقویٰ کی جڑ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے

نافرمان شخص صرف اپنا ہی دشمن نہیں ہوتا بلکہ تمام خلق کا دشمن ہوتا ہے۔ اس کے پیش نظر صرف اپنا نفس ہوتا ہے اس لئے وہ شرائع و حدود کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور نہیں جانتا کہ کسی بہبود و حقیقت سب کی بہبود سے وابستہ ہے۔ باقی رہے صحابین تو وہ زمین کے نمک میں تمام عالم کی اصلاح و ترقی انہی کے دم سے ہے وہ جو کچھ سوچتے اور کرتے ہیں تمام عالم کے لئے کرتے ہیں اور صرف اپنے ابناءے زمانہ ہی کے لئے نہیں کرتے بلکہ ان نسلوں کے لئے بھی کرتے ہیں جو ان کے بعد آئیں گی اور یہی وجہ ہے کہ وہ وراثت عالم اور خلافت الہیہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

حق کا قیام مسلمانوں کیلئے لازمی ہے
 حق و صبر کی توضیح کرتے ہوئے حضرت مولانا فرامی تحریر فرماتے ہیں۔
 ”حق و صبر کی حیثیت و حقیقت و عظیم نشان پہاڑوں کی تری جن پر شریعت غرائے اسلامیہ کے ستون اور اس ملکوت اللہ کے ارکان قائم ہیں۔“

اوپر گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ حق یعنی عدل و حکمت چنانچہ فرمایا :-

لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ
 السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ

اگر حق ان کے خواہشوں کی پیروی کرتا تو آسمان و زمین دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

یہی وجہ ہے کہ جب خدا زمین کی خلافت اور نبوت و شریعت کی

نعمت کسی قوم کو بخشتا ہے تو اس کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ قوم حق کی اطاعت کرنے والی اور قسط کو قائم کرنے والی ہو چنانچہ فرمایا ہے -

يا ايها الذين امنوا كونوا قوامين
بالقسط شهداء لله ولو على انفسكم
اے ایمان والو! عدل کے قائم کرنے والے
بنو، اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے (یعنی قسط کی
گواہی) اگرچہ تمہارے خلاف ہو -

قسط سے مراد حق ہے اور علم و عمل دونوں سے اس کا تقاضا ہوتا ہے چنانچہ فرمایا :-

وايها الذين امنوا كونوا قوامين بالقسط - دوسری جگہ فرمایا -
واحكم بينهم بالقسط ایک جگہ ہے قل امر ربی
بالقسط - والذين يامررون بالقسط پھر فرمایا -
يهدون بالحق وبه يعدلون - اسی طرح وقال
رب احكم بالحق - ثم يفتم بيننا بالحق، فاحكم
بيننا بالحق واللہ یقضی بالحق -

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حق کا قیام اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لازمی فرمایا ہے کیونکہ اس نے آسمانی بادشاہت کی بنیادیں اسی بناء پر قائم کی ہیں

يا اداؤا انا جعلناك خليفة في الارض
فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى

فیضلك عن سبيل الله ان الذين یضلون
عن سبيل الله لهم عذاب شدید
بما نسوا يوم الحساب . وما خلقنا
السماء والارض وما بینهما باطلا
ذلك ظن الذين یعرفون

اے داؤد ایم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے
پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو (یعنی
قسط کے ساتھ) اور خواہش کے پیچھے نہ چلو (کیونکہ یہ
حق کے راستہ سے انحراف ہے) کہ تمہیں اللہ کے
راستہ سے ہٹا دے (اس آسمانی بادشاہت کے
راستے سے جس کے تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ مقرر
کئے گئے ہو) بیشک جو لوگ اللہ کے راستے سے
بھٹک جائیں گے ان کے لئے سخت عذاب ہے
بوجہ اس کے کہ انہوں نے حساب کے دن کو فراموش
کر دیا (حساب کا دن یعنی ظالموں کے بدلہ پانے کا
دن) اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمان اور زمین کو اور
جو کچھ ان کے درمیان ہے باطل (پھر انہی مخلوق کے
بغض کیسے پسند کر سکتا ہوں کہ وہ حق کے راستے سے منحرف
ہو جائے) یہ (یعنی آسمان و زمین کا بے مقصد اور باطل
ہونا) ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا (یعنی اللہ
تعالیٰ کی پروردگاری کا انکار کیا)۔

حکومت الہیہ کی تکمیل کی راہ

اس تفسیر کے آخر میں مولانا فرامی رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت الہیہ کی تکمیل کی راہ بتائی ہے ارشاد فرماتے ہیں ۔

اگر قوموں کی تاریخ پر غور کرو گے تو دو باتیں نہایت صاف نظر آئیں گی ایک یہ کہ خدا کا قانون عدل ہر گوشہ میں جاری و نافذ ہے اور ہر معاملہ کی آخری ہر کروٹ حق کی طرف ہوتی ہے ۔

بل نقد ف بالحق علی الباطل فید مغلہ دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بندوں کے معاملہ میں نہایت حلیم ہے وہ ان کو آخری حد تک مہلت دیتا ہے تاکہ جو کچھ ان کو بخشا ہے اس میں پوری طرح آزمائے کہ وہ کونسی راہ اختیار کرتے ہیں ان لوگوں کی جنہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور تباہ ہوئے یا ان لوگوں کی جنہوں نے شک کیا اور اطاعت کی راہ پر چل کر منزلِ مقصود کو پہنچے ۔ فرمایا ۔

ولقد اهلکنا القرون من قبلکم لما

ظلموا و اجاء تھم رسولھم بالبینات

ف ما کانوا لیومنونوا کذلک تجزی القوم

المجرمین ثم جعلکم خلائف فی الارض

لتنظر کیف تعلمون !

اور ہم نے بہت سی قوموں کو تم سے پہلے ہلاک کیا

انہوں نے ظلم کیا اور آپکے ان کے پاس ان کے رسول

کھلی کھلی نشانیاں لے کر نہیں تھے ایمان لانے والے

اور ایسے ہی ہم بدلہ دیتے ہیں مجرم قوم کو۔ پھر ہم نے بنایا
 تم کو جانشین ان کا زمین میں تاکہ دیکھیں تم کیسے کھل کر رہے ہو۔
 اور حلم اور صبر دونوں کی اصل ایک ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صبر
 حق کی بنیاد ہے پس اگر اللہ تعالیٰ عذاب میں جلدی فرمائے تو وہ حکمت
 باطل ہو جائے گی جس کو وہ ظاہر فرمانا چاہتا ہے اور وہ حق ظہور میں
 نہ آ سکے گا جو اس تمام کائنات کا خلاصہ ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔
 وهو الذی یخرج الخبث فی السموات
 والارض -

یعنی زمین اور آسمان کی فطرت کے اندر جو مصلح و حکم و نیت
 میں ان کو ظاہر فرماتا ہے اس پر ایک حد تک جھٹی اور بارہویں فصل
 میں ہم روشنی ڈال چکے ہیں اس لئے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہو۔
 حق اور حلم دونوں کے مزاج میں کس قدر نمایاں تفاوت ہے
 ایک متراپا سخت گیری اور احتساب کا مظاہرہ ہے دوسرا یکسر
 عفو و درگزر کی خاموشی، لیکن اس کے باوجود تم نے دیکھ لیا کہ یہ دونوں
 اس طرح ساتھ ساتھ نمودار ہوتے ہیں گویا دونوں بالکل تو آم ہیں
 اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان دونوں کا حکم ایک ساتھ فرمایا تاکہ ایک
 ہی وقت میں ہمارے لئے ہماری باطنی و ظاہری اخلاق کی اصلاح
 کے دروازے بھی کھول دے اور زمین کی وراثت اور آسمان
 کی تمام نعمتیں و برکتیں بھی بخش دے اور ہم اس راہ پر محکم و نازک
 ہو جائیں جو بندگی اور خلافت الہیہ کی تکمیل کی راہ ہے اور جو ہمارے
 اس پروردگار نے کھولی ہے جو عدل اور عفو کو پسند کرتا ہے اور

انہیں کے ذریعہ اس کائنات کا انتظام فرماتا ہے۔“

حضرت مولانا قمر ای رحمتہ اللہ علیہ کے افادات کے آخر میں اس قدر واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا زمانہ کے سیاسی و اجتماعی منگاموں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ آپ قرآن مجید پر خالص قرآنی روشنی میں غور و فکر فرماتے تھے۔ چنانچہ اوپر مولانا کے جو افادات پیش کئے گئے ہیں وہ آپ کے بے لوث قرآنی غور و مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے افادَات

تعارُف

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد جن فضائل و اوصاف سے بہرہ ور ہیں وہ صدیوں کے بعد کسی قوم کے فردِ واحد میں جمع ہوا کرتے ہیں، وہ اپنی عظمتِ علم، شوکتِ تحریر و تقریر اور اپنی استقامتِ عمل کے اعتبار سے جس بلند مقام پر فائز ہیں اس میں کوئی اُن کا ہمسر نہیں، مولانا کی اولین دعوت کیا تھی؟ وہ کس عقیدے و عمل کے پیغام کے ساتھ مسلمانوں سے روشناس ہوئے؟ اس سوال کا جواب مولانا کے موجودہ موقف اور ان کے موجودہ پیغامِ عمل سے نہیں مل سکتا اس کے لئے ہمیں ربعِ صدی سے بھی کچھ زیادہ پیچھے ہٹنا پڑے گا اور اس مقام کی طرف دیکھنا پڑے گا جہاں کھڑے ہو کر اولِ اول مولانا نے اپنا ایمان افروز اور روح پرور پیغام سنایا تھا، اور اللہ کی کتاب کو ہاتھوں میں لے کر مسلمانوں

کو پکارا تھا۔ کہ
 مسلمانو! او منزل نا آت نا مسلمانو! او گم کردہ راہ
 مسلمانو! او بے بصیر تو! او ظلمت کو نور، ضلالت کو
 ہدایت اور ذلت و خواری کو عزت و برتری سمجھنے والے
 مسلمانو! تم کہہ جا رہے ہو: کن لوگوں کے پیچھے چلے
 جا رہے ہو؟ تمھاری منزل اس طرف نہیں ہے جس طرف
 تم گام زن ہو، تمھاری راہ وہ نہیں جس پر تم چل رہے
 ہو، تمھارے رہنا وہ نہیں جن کی تم پیروی کر رہے ہو،
 خبردار! خبردار! تم ان کے پیچھے چل کر کبھی اپنی منزل
 مقصود پر نہیں پہنچ سکتے سنو! اگر تم اسی راہ پر چلتے رہے
 تو منزل کے ساتھ تم خود بھی لھو جاؤ گے، ادھر آؤ ادھر
 میری سنو! میں بتاؤں کہ تم کس منزل کے رہو ہو! اور
 تمھارا امام کون ہے! اور تم کس کی پیروی کر کے اپنی
 عروس منزل سے ہم آغوش ہو سکتے ہو، یہ دیکھو میرے
 ہاتھ میں اللہ کا سچا اور پاک کلام ہے، یہ تمھارا امام
 اور تمھارا چراغ راہ ہے، تم اس کی پیروی کر کے اور اس
 کتاب کی روشنی میں چل کر اپنی منزل پر پہنچ سکتے ہو، تم پیروی
 کے لئے پیدا نہیں ہوئے ہو تمھارا منصب امامت و قیادت
 ہے اور یہ منصب تمھیں اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے
 جب تم قرآن کریم کو اپنا رہنما اور چراغ راہ بناؤ، یاد رکھو
 جو مسلمان کسی عمل و اعتقاد کے لئے بھی اس کتاب کے

سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو این رہنما بنائے وہ
مسلم نہیں شرک فی صفات اللہ کی طرح شرک
فی صفات القرآن کا مجرم ہے۔

یہاں سے اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔
۱۹۱۲ء میں جب حضرت مولانا آزاد نے اپنا مشہور
جریدہ ”الہلال“ جاری کیا کسی مسلمان نے مولانا
سے اس کا سیاسی مسلک دریافت کیا تھا۔ ۱۹۱۲ء ستمبر
کے الہلال میں جواب دیتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں
”ان کے خطوط میں کئی باتیں قابل غور ہیں (۱)،

پولٹیکل مباحث مذہبی تعلیم سے الگ ہونے چاہئیں
(۲) ہندوستان میں اس وقت جو پولٹیکل گروہ موجود ہیں
ان میں سے ”الہلال“ کس کا ساتھ دیتا ہے؟

مسلمانوں کا امام و رہنما قرآن ہے | امراول کی نسبت گزارش ہے
کہ جناب نے اس بنیادی اصول
کو چھوڑ دیا جس پر ہم ”الہلال“ کی پوری عمارت کھڑی کرنا چاہتے
ہیں آپ کہیں کہ محراب خوشنما نہیں تو ممکن ہے ہم اسے بدل دیں
لیکن اگر آپ کی خواہش ہو کہ بنیاد کا پتھر بدل دیا جائے تو معرفت
فرمائیے اس کی تکمیل سے ہم مجبور ہیں انسانی اعمال کی خواہ کوئی
شاخ ہو ہم تو اسے مذہب ہی کی نظر سے دیکھتے ہیں ہمارے پاس
اگر کچھ ہے تو صرف قرآن ہی ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے
ساری دنیا کی طرف سے ہماری آنکھیں بند ہیں اور تمام آوازوں

سے کان بہرے ہیں اگر دیکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے تو یقین کیجئے ہمارے پاس تو معراجِ متبرک کی بخشی ہوئی ایک ہی روشنی ہے اسے ہٹا دیجئے گا تو ہم بالکل اندھے ہو جائیں گے۔

کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس
من الظلمات الى النور۔

قرآن ایک کتاب ہے جو ہم پر نازل کی گئی اسلئے کہ انسان کو تاریکی سے نکالے اور روشنی میں لائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ پولیٹیکل مباحث کو مذہبی رنگ سے الگ کر دیجئے لیکن اگر اسے الگ کر دیں تو ہمارے پاس نہ کیا جاتا ہے؟ ہم نے تو اپنے پولیٹیکل خیالات مذہب ہی سے سیکھے ہیں۔ وہ مذہبی رنگ ہی میں نہیں بلکہ مذہب کے پیدا کئے ہوئے ہیں ہم انھیں مذہب سے کیونکر علیحدہ کر دیں؟ ہمارے عقیدے میں تو سب وہ خیال جو قرآن کے سوا کسی اور تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ ایک کفر صریح ہے۔ اور پالیٹیکس بھی اس میں داخل ہے۔ افسوس کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی بھی اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا مافلہ **رُفِیَ اللہ** حق فکرتہ۔ ورنہ پولیٹیکل پالیسی کے لئے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ مندوں کی اقتدا کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اسی سے سب کچھ سیکھتے جس کی بدولت تمام دنیا کو آپ نے سب کچھ سکھلایا تھا اسلام انسان کے لئے ایک جامع اور مکمل قانون لے کر آیا۔ اور انسانی اعمال کا ایسا

کوئی مناقشہ نہیں جس کے لئے وہ حکم نہ ہو وہ اپنی توحید
تعلیم میں نہایت غیور ہے۔ اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی
جو کھٹ پہ جھکنے والے کسی دوسرے دروازے کے سائل
بنیں۔ مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا علمی۔ سیاسی ہو یا معاشرتی
دینی ہو یا دنیاوی۔ حاکمانہ ہو یا محکومانہ۔ وہ ہر زندگی کے لئے
ایک احسن ترین قانون اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا
تو وہ دنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہو سکتا۔ وہ خدا کی
آواز اور اس کی تعلیم گاہ خدا کا حلقہ درس ہے جس نے خدا
کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا وہ پھر کسی انسانی دستگیری کا محتاج
نہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ہر جگہ اپنے میں ”إِمَامَةٌ مُبِیِّنَةٌ“
”حَقُّ الْیَقِیْنِ“ ”نُورٌ وَکِتَابٌ مُبِیْنٌ“ ”تَبِیَانٌ
لِّکُلِّ شَیْءٍ“ ”بَصَائِرُ لِلنَّاسِ“ ”هَادِیٌّ وَاهِدٌ
إِلَى السَّبِیْلِ“ ”جَامِعُ اضْرَابٍ وَامْتِنَانٌ“ ”بَلَاغٌ لِلنَّاسِ“
”هَادِیٌّ بِحُرُوبٍ“ اور اس طرح کے ناموں سے یاد کیا ہے
اکثر موقعوں پر کہا کہ وہ ایک روشنی ہے۔ اور روشنی جب نکلتی
ہے تو ہر طرح کی تاریکی دور ہو جاتی ہے خواہ مذہبی گمراہیوں
کی ہو یا سیاسی۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِیْنٌ
يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلُ
السَّلَامِ مَرْجِعُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ
بِإِذْنِهِ وَيَهْدِي اللَّهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

بے شک تیرے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور ہر بات کو بیان کرنے والی کتاب آئی ہے۔ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ہدایت کرتا ہے اس کو جو اس کی رضا چاہتا ہے اور اس کو ہر طرح کی گمراہی کی تار بجی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے اور صراطِ مستقیم پر چلا تا ہے۔

دنیا میں کونسی کتاب ہے جس نے خود اپنی زبان سے اپنے نسبت ایسے عظیم الشان دعا و سے کئے ہوں؟ اس آیت میں صاف صاف بتلادیا گیا ہے کہ قرآن مجید روشنی ہے۔ اور روشنی ہے تو تمام اعمال کی تاریکیاں صرف اسی سے دور ہو سکتی ہیں۔ پھر کہا کہ وہ ہر بات کو کھلے کھلے طور پر بیان کرنے والی ہے۔ اور انسانی اعمال کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس کے لئے اس کے اندر کوئی فیصلہ نہ ہو اس ٹکڑے کی تائید دوسری جگہ کر دی کہ :-

وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ
عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔

بے شک ہم نے ان کو کتاب دی جس کو ہم نے علم کے ساتھ مفصل کر دیا ہے وہ ہدایت بخشش اور رحمت ہے اربابِ ایمان کے لئے۔

اس کے بعد پہلی آیت میں قرآن کو سبیلِ اسلام کے لئے ہادی بتلایا گیا ہے۔ کہ وہ تمام سلامتی کی راہوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اگر آپ کے سامنے پولیٹیکل اعمال کی بھی کوئی راہ ہے تو کوئی

وجہ نہیں کہ اس کی سلامتی آپ کو قرآن سے نہ ملے۔ پھر کہا کہ وہ انسان کو تمام گمراہیوں کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری پولیٹیکل گمراہیاں صرف اس لئے ہیں کہ قرآن کے دستِ راہنما کو اپنا ہاتھ سپرد نہیں کیا۔ ورنہ تاریکی کی جگہ آج ہمارے چاروں طرف روشنی ہوتی۔ آخر میں کہہ دیا کہ وہ ”صراطِ المستقیم“ پر لے جانے والی ہے اور ”صراطِ المستقیم“ کی اصطلاح قرآن کی زبان میں ایسی جامع و مانع ہے کہ ساری دنیا اس کے اندر سمجھے۔

أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

(اے پیغمبر! ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کر دینے والی ہے اور نیز ہدایت بخشش اور رحمت ہے صاحبانِ ایمان کے لئے۔)

اس کے بعد مولانا نے استدلال و استشہاد میں قرآن مجید کی متعدد آیتیں پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ مسلمانوں کا امام اور رہنما صرف قرآن مجید ہے، اور اس کی تعلیم و ہدایت مسلمانوں کے لئے بس ہے، نیز مسلمان اسی کی اقتداء اور پیروی پر مامور ہیں، مسلمانوں کی نجات و سر بلندی اسی میں ہے کہ وہ کتاب اللہ کو دستورِ حیات بنائیں۔ بعد ازاں مولانا نے اپنے سائل کے دوسرے سوال پر گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں۔

قرآن کے سوا کسی انسانی راہ | آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ ہندو

کی بیروی شرک فی صفا القرآن ہے | میں پولیٹیکل خیالات کے تین
 راستے موجود ہیں۔ الہلال کس راہ پر قوم کو چلانا چاہتا ہے؟ پھر
 آپ نے ان کو گنوا بھی دیا ہے لیکن افسوس کہ آپ ایک چوتھی راہ
 کو بالکل بھول گئے ہیں۔ یہ تین راستے تو آج آپ کے سامنے نمودار
 ہیں۔ مگر وہ چوتھی راہ تو وہ قدیمی راہ ہے جس پر کل کمر ہزاروں ہستیاں منزل
 مقصود پر پہنچ چکی ہیں، آسمان و زمین کے فاطر نے جس وقت انسان
 کو دیکھنے کے لئے آنکھیں عطا فرمائیں اسی وقت اس کے سامنے
 یہ راہ بھی کھول دی تھی۔ آدم نے اس پر قدم رکھا۔ اور نوح نے پتھر
 کی بارش میں اس کا وعظ کیا۔ ابراہیم نے اسی کی نشانی کے لئے قربان
 بنائی اور اسمعیل نے اُس کے لئے اٹلیں جنیں۔ یوسف سے مصر کے
 قید خانے میں جب ایک ساتھی نے پوچھا تو اسی راہ کی اُس نے
 رہنمائی کی۔ اور موسیٰ جب وادی الیمین میں ریشی کے لئے مقرر ہوئے
 تو اس راہ کی تجلی ایک سبز درخت کے اندر نظر آئی۔ گلیل کا اسرائیلی
 واعظ جب یروشلم کے قریب ایک پہاڑ پر چڑھا تو اس کی نظر اس
 راہ پر پڑی۔ اور پھر جب خداوند سعیر سے چمکا اور فاران کی چوٹیوں
 پر نمودار ہوا تو وہی راہ تھی جس کی طرف اس نے دنیا کو دعوت دی۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ
 نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا
 بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا
 الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ

اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ ٹھیک فرمایا جس

پر چلنے کا اس نے نوح کو حکم دیا اور اسے پیغمبر ہی تھا
طرف اتارا گیا اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ
کو حکم دیا کہ اس دین کے راستے کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ
نہ ڈالنا۔

یہی وہ راستہ ہے جس کی نسبت (یوسف صدیق) نے قید خانہ
مصر میں یہ کہہ کر اپنا وعظ ختم کیا تھا۔

ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِن أَكْثَرُ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۱۱۲: ۴)

یہی سیدھا راستہ ہے مگر بہت میں جو نہیں جانتے۔

اور جس کی نسبت داعی اسلام کو حکم ہوا تھا کہ کہہ دے !
هٰذَا سَبِيلِي اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيْرَةٍ
اِنَّا فَ مِنَ اتَّبِعْنِيْ - (۱۱۲: ۱۰۸)

میرا راستہ یہ ہے کہ تم سب کو اللہ کی طرف بلاؤ
اس یقین کے ساتھ جو مجھ کو اور میرے ماننے والوں کو

طریق الہی پر ہے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ ہم ”وَمَنْ اتَّبَعْنِي“ کے زمرے میں داخل
ہیں اور اسی لئے جناب کی قرار دی ہوئی ان تینوں (انسانی راہوں)
سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ بلکہ اس جو سچی راہ الہی کی طرف دعوت
دیتے ہیں۔ یہ قرآن کی بتلائی ہوئی راہ مستقیم ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ
جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لئے بھی اس کتاب کے سوا
کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا راہنما بنائے وہ مسلم نہیں بلکہ مشرک

فی صفات اللہ کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم ہے اور اس لئے مشرک ہے :- الحمد لله الذی ہدانا لهذا فَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنَّ هَدَانَا اللّٰهُ (۲۳: ۴) -

ہندوؤں کی سیاسی پیروی | آپ پوچھتے ہیں کہ "آجکل ہندو غیرت الہی کے منافی ہے" کے دو پولیٹیکل گروہ موجود ہیں۔ آپ ان میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ گزارش ہے کہ ہم کسی کے ساتھ نہیں۔ بلکہ صرف خدا کے ساتھ ہیں۔ اسلام اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کے پیروں کو اپنی پولیٹیکل ایسی طے کرنے کے لئے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی غیرت انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیم کے آگے جھکا کر اپنا راستہ پیدا کریں ان کو کسی جماعت میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود دنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنے والے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں وہ خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ساری دنیا ان کے آگے کھڑی ہو جائے۔ ان کا خود اپنا راستہ موجود ہے وہ راہ کی تلاش میں کیوں دوسروں کے دروازوں پر بھٹکتے پھرتے؟ خدا ان کو سر بلند کرتا ہے تو وہ کیوں اپنے سروں کو جھکاتے ہیں؟ وہ خدا کی جماعت میں اور خدا کی غیرت اس کو کبھی گوارا نہیں کرتی کہ اس کی چوکھٹ پر چھپنے والوں کے سر غیروں کے آگے بھی جھکیں :- اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ

لَمَنْ يَشَاءُ ۝

پس ”الہلال“ کی تمام چیزوں کی طرح پائٹیکس میں بھی یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر بجا اعتماد کیجئے اور نہ ہندوؤں کے خلفہ دُرس میں شریک ہو جئے۔ صرف اس راہ پر چسے جو اسلام کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا آزاد نے چھ غیروں میں صراطِ مستقیم کے نشاوت بتائے ہیں، آخر میں تحریر فرمایا ہے :-

”خدا کے سوا کوئی نہیں جو انسانوں کو محض اپنی رائے اور خواہش سے بنائے ہوئے احکام کی تعمیل پر مجبور کرنے کا حق رکھتا ہو۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحَكْمَ
وَالنَّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ
مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۝

یقین کسی انسان کا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کی بندگی چھوڑ کر میری بندگی کرو۔“

مولانا آزاد نے میں ”صراطِ مستقیم“ کا سب سے پہلی اور غیر متبدل نشان بتا دیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اگر حضرت مولانا بھی اس کے سوا کسی اور راہ کو ہمارے سامنے پیش کریں تو ہم اُسے اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیں، یہی صحیح تہذیبی ہے مولانا آزاد کی، کیونکہ ”امام مبین“ کی بتائی ہوئی یہی راہ ہے۔

اس کے بعد ۲۲ ستمبر ۱۹۱۷ء کے الہلال میں مولانا نے ”صبحِ مہینہ“

کے عنوان سے ایک مضمون شائع فرمایا جس میں بتایا ہے کہ مسلمان
ہند کی حیات ملی و اجتماعی کی طرف سے مولانا کو قطعی مایوسی ہو چکی
تھی لیکن تقسیم بنگال کی تیغ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے معاملات
میں مسلمانوں نے جس احساس و شعور کا ثبوت دیا اس نے مولانا کی
یاس کو امید سے بدل دیا۔ زیر نظر مضمون میں اس تعبیر کو مولانا نے صبح
سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس کے بعد ۹-۱۶-۲۳۔ اکتوبر اور ۶ نومبر ۱۹۱۲ء کے اعلان
میں حضرت مولانا نے ایک سلسلہ مضمون شائع فرمایا۔ اس کا
عنوان ہے ”مسلمانوں کی آئندہ شاہراہ مقصود“۔ اس مضمون کے
اقتباسات نہایت فکر انگیز اور بصیرت افروز ہیں ان کو عند و تامل
سے ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت مولانا نے اپنے مضمون ”صبح امید“ میں مسلمانوں کی جس
حرکت و بیداری کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرنے کے
بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:-

جمود و حرکت | حقیقت یہ ہے کہ خیالات کی جنبش اور حرکت
فی نفسہ کوئی مفید شے نہیں ہے جب تک
کہ وہ کسی آئندہ صحیح ایجاد و افکار سے متصل نہ ہو جائے اور اگر ایسا
نہ ہو تو حرکت محض بعض خالتوں میں بیکار و لا حاصل اور اکثر خالتوں
میں جمود سے نہاد وہ ہلک ہو و خطرناک ثابت ہوتی ہے

بالفاظ سادہ تر، اس کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص مدتوں
سے ایک جگہ بیٹھا ہے۔ بالکل بیٹھا رہنا زندگی کے لئے نہایت

مضر اور اعضا و جوارح کو معطل کر دینے والا ہے۔ اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ وہ حرکت کرے۔ یہ نہایت عمدہ خیال ہے لیکن یہ حرکت اسی وقت مفید ہوگی جب آپ اُسے چلا کر کسی عمدہ باغ کی روش پر لا کھڑا کریں۔ لیکن اگر آپ اس میں حرکت پیدا کر کے سامنے کے گڑھوں سے اُسے نہ بچا یا اور وہ غریب اُس میں گر گیا تو اس حرکت سے تو اس کا بیٹھا رہنا ہی بہتر تھا۔

لیڈروں کا طبقہ اپنے گزشتہ عہد کو خواہ جدوجہد کی ایک شاندار تاریخ سمجھے مگر ہمارے نزدیک مسلمانوں کی حرکت کی تاریخ اب شروع ہوگی۔ وہ فی الحقیقت اب تک سو رہے تھے زندگی کی ان میں کوئی حرکت نہ تھی اور نیند نے اُن پر موت کا جمود طاری کر دیا تھا و ہوا الذی یتوقکم باللیل ایک سوے ہوئے انسان کے لئے اس کی کوئی بحث نہیں ہوتی کہ دوڑنا بہتر ہے یا آہستہ چلنا؟ کتھ لگا کر بیٹھنا بہتر ہے یا دوڑنا؟ ہو کر بیٹھنا۔ کیونکہ یہ حالتیں اسے پیش ہی نہیں آئیں۔ لیکن اب وہ جاگے ہیں۔ ان کو بیٹھنا بھی پڑے گا، اٹھنا بھی پڑے گا پس اب ان کی حالت پیشتر کی سی بے خطر نہ ہوگی کیونکہ امن موت میں ہے مگر خطرہ صرف زندگی ہی میں ہوتا ہے جب تک غافل پڑے ہوئے اینٹھ رہے تھے تو ان کو فرش گل پر چلنا تھا اور نہ جنگل کے خارزار پر لیکن اب دونوں قسم کی زمینوں پر ان کے قدم پڑ سکتے ہیں اس لئے فی الحقیقت سوچنے، غور کرنے، اور حزم و احتیاط کا وقت اب آیا ہے بہت ممکن ہے کہ بیٹھنے

کی جگہ اٹھ کھڑے ہوں۔ کچھ بعید نہیں کہ آہستہ چلنے کے بجائے بے اختیار دوڑنے لگیں۔ ٹھوکریں بھی کھا سکتے ہیں اور وردوار سے ٹکرا بھی سکتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ سوے ہوئے نہیں ہیں بلکہ زندہ اور متحرک ہیں۔ خطرات سے مقابلہ زندگی اور حرکت میں ہوتا ہے جو وہ اور سکون میں نہیں ہوتا پس پہلے نہیں تو اب ضرورت ہے کہ ایک ایسی حقیقی رہنمائی کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ ہو، جو ان کو معطل بیٹھنے نہ دے۔ چلا تا رہے۔ لیکن ساتھ ہی نگرانی بھی رہے کہ کہیں راہ کے اوھراؤ دھر گر گڑھوں اور غاروں میں پھسل نہ پڑیں

مراد و خضر عنان گیر باید از چپ است

کے کج روی نہ کہنم ورنہ عنبرم راہ خطاست

اولین بنیادی مسئلہ | سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ ان تغیرات حالات کا منشا کیا ہے اور رخ کس طرف ہونا چاہئے؟ ہم کو نہایت رنج اور قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس لحاظ سے موجودہ تغیرات خیال کا منظر زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ ہم صاف صاف اور باوازا بلند کہہ دیتے ہیں کہ اگر مسلمان اپنی قدیمی پالیسی کو صرف اس لئے چھوڑتے ہیں کہ تنبیخ بنگال اور مسئلہ یونیورسٹی کی وجہ سے وہ گورنمنٹ سے روٹھ گئے ہیں یہ تغیر صرف اس لئے پیدا ہوا ہے کہ آزاد خیال ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اب مسلمان بھی پالیٹکس پالیٹکس پکارنے کے لئے مضطرب ہیں۔ تو وہ یاد رکھیں کہ اس نئے تغیر اور انقلاب میں ان کے لئے کوئی برکت نہیں ہے بہتر

یہ ہے کہ وہ اب تک جہاں پڑے ہوئے سسک رہے ہیں میں
بقیۃ ایام ذلت و خواری میں اور کاٹ لیں۔ تاریکی میں رہنا ہے
تو پھر اس سے کیا بحث کہ وہ کوئی گڑھا ہے یا عمدہ بنا ہوا تہ غلہ
آج تک اُن کی تمام ناکامیوں کی علت حقیقی یہ رہی ہے کہ انہوں
نے اپنے اعمال زندگی کی شاخ کو "سلطان قرآن" کے ماتحت
نہیں رکھا۔ اور جب کوئی تحریک شروع کی یا اپنے لئے کسی پالیسی
کا پروگرام مرتب کیا تو قرآن کریم کو اس طرح بھولے گویا اس
کا نزول تاریخِ عالم کا کوئی واقعہ ہی نہیں ہے اور یہ بھی سچ نہیں
کہ وہ اس نام کی کسی کتاب کے پیرو ہیں۔ اگر مسلمان اس تغیر
کے بعد پھر اسی گمراہی میں پڑنا چاہتے ہیں تو یہ ایک دلدل میں سے
نکل کر دوسری دلدل میں پھنسنا چاہتے ہیں اور ایک دام سے بچا
یا کر دوسرے دام میں گرفتار ہونا چاہتے ہیں۔ پھر اگر ان کو گمراہیوں
کے قفس ہی میں ہمیشہ مقید رہنا ہے تو موجودہ قفس میں کون سی
بُرائی ہے کہ نئے پتھر کی جستجو کی جائے ؟

بیشک تقسیم بنگال کی تینج اور یونیورسٹی کا مسئلہ ہمارے وجود
و غفلت کے لئے ایک تازیانہ بنیہ ضرور ہے اور ہم یقیناً
شَدَّ الدَّوْلَہِ عِنْدَ اللّٰہِ ہوں گے۔ اگر اس سے عبرت
نہ لیں لیکن ہماری آئندہ پالیسی کی بنیاد کوئی وقتی یا فوری واقعہ
نہ ہونا چاہیے، بلکہ وہ ایک مستقل اور دائمی اعتقاد ہونا چاہیے
جو اپنے قیام کے لئے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہ ہو۔
مان نیچے کل گورنمنٹ نے بنگال کے دو نہیں بلکہ دس ٹکڑے

کر دئے اور وزیر ہند نے اعلان کر دیا کہ یونیورسٹی کا نام علیگڑھ نہیں مسلم ہوگا۔ کیونکہ جو گورنمنٹ ایک بار تقسیم کر کے منسوخ کر سکتی ہے وہ اب بھی سب کچھ کر سکتی ہے۔ پھر کیا اس حالت میں مسلمانوں کی پالیسی پر ایک غیر انقلاب طاری ہو جائے گا؟ اور پھر تغیر و تغیر کی صدا بلند کی جائے گی۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ کا کوئی عقیدہ کوئی خیال کوئی نصب العین اور کوئی اصلی پالیسی نہیں۔ آپ صرف گورنمنٹ کے چشمہ و ابرو کا نام ہیں۔ اور صرف اس کو تکتے رہتے ہیں۔ اگر مصلحتاً لطف و دہ کی علامتیں نمایاں ہوئیں تو نکمہ مکتناً و اطحناً، کہہ کر آپ سر بسجود ہو گئے۔ اور اگر مصلحت نے گوشہ چشم و قیون کی طرف پھیر دیا تو لگے منہ بسور نے اور آنسو بہانے۔ سوال یہ ہے کہ خود آپ کے پاس بھی کوئی شے ہے یا نہیں؟ مولانا آزاد نے جمود و حرکت اور بنیادی مسئلہ کے ماتحت جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس پر غور کرنے کے بعد آپ اس کے سوا کسی اور نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے کہ مسلمانوں کو اپنی منزل اور راہ کو سمجھے بغیر نقل و حرکت شروع نہ کر دینی چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ وہ منزل مقصود پر پہنچنے کی بجائے غلط راستے پر پڑ کر تباہ ہو جائیں مولانا نے جو سب سے اہم اور بنیادی بات ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری آئندہ پالیسی کی بنیاد کوئی وقتی یا فوری واقعہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ وہ ایک مستقل اور دائمی اعتقاد ہونا چاہئے جو اپنے قیام کے لئے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہ ہو۔

آپ غور کر لیجئے کہ یہ مستقل اور دائمی اعتقاد اللہ کی حاکمیت

کے عقیدے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے جس کی قرآن مجید تعلیم دیتا ہے اور جسے بعنوان ”مسلمانوں کا نصب العین کیا ہونا چاہئے“ مولانا نے آگے چل کر خود ہی پیش فرمایا ہے۔ اب اس کے بعد کا حصہ ملاحظہ کیجئے جس میں مولانا نے ہمیں سمجھایا ہے کہ اجماع عالم میں امت مسلمہ کا مخصوص و امتیاز کیا ہے۔

اَجماعِ عالم میں امت کا امتیاز | حضرت مولانا فرماتے ہیں ”ہمارے نزدیک اسلام کے دائرہ تقدیس پر اس سے بڑھ کر اور کوئی بدنام و ہتھی نہیں ہو سکتا کہ انسانی حریت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں۔ اس بارے میں ہمارے خیالات، الحمد للہ عام خیالات کی سطح سے بہت بلند ہیں اور گو موقع نہیں مگر ضمناً ان کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے ہمارے عقیدہ ہے کہ جس طرح اسلام کا خدا اپنی ذات و صفات میں کَلَامُ شَرِیک لَمْ یَکُ ہے کوئی ہستی اور وجود اس میں شریک نہیں اسی طرح اس کا قرآن کریم اپنی جامعیت اور کمال اور کمال تعلیم میں ”وَحَدَّثَنَا کَلَامُ شَرِیک“ اور بالکل اسی طرح اس کا لالنے والا رسول کمال انسانیت و تعبد اور قوائے نبوت و اصلاح میں ”وَحَدَّثَنَا کَلَامُ شَرِیک“ ہے ان کی صفات و خصائص میں کوئی ان کا شریک نہیں۔

راہ نسبت ظہبی میں کہ چہ شایانِ فہم

پس ضرور ہے کہ جو امت اس خدائے واحد اس قرآنِ احد اور رسولِ واحد کے دائرہ تعلیم سے وابستہ ہو وہ بھی اپنے اندر

اس شان وحدت و یکتائی کا جلوہ رکھے وہ بھی اپنے اعمال زندگی کی ہر شاخ میں ”وَحَدَّثَكَ لَا تُؤْنِثُ“ ہو۔ اس کے اعمال و خصائص بھی ”مَنْ سَأَلَنِي فَقَدْ سَأَلَ الْحَقَّ“ کی صدا سے اتحاد سے غلغلہ انداز عالم ہوں۔ تمام دنیا کی قومیں اس کے اعمال کا اتباع کریں زندگی کے ہر حصہ و جمال میں اس کے خال و خط مرقع عالم کے لئے نمونہ بنیں ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا“ کے یہی معنی ہیں اور اس لئے مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ لِيَجْعَلَ لَكُمْ فُرْقَانًا - (۹۲-۸)

مسلمانوں اگر تم اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا کر کے متقی بن جاؤ گے تو وہ تمہارے لئے تمام دنیا میں ایک خاص امتیاز و خصوصیت پیدا کر دے گا۔

جس قوم کو اس صدائے الہی نے مخاطب بنایا ہو اس کے لئے اس سے بڑھ کر کیا بد بختی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ہر شاخ میں غیروں کے لئے نمونہ بننے کی جگہ خود دوسروں کو اپنا کعبہ مقصود اور قبلہ اعمال بنا رہی ہے؟ سیاسی بحث تو ضمنی ہے ہمارا اصلی ماتم صرف اتنے ہی پر موقوف نہیں ہم کو تو یہ نظر آ رہا ہے کہ آج مسلمانوں کے لئے تعلیم اخلاق معاشرت سیاست بلکہ مدنی زندگی کی ہر شاخ میں ان کے لیڈر صرف اس کو فرض رہنمائی سمجھتے ہیں کہ ان کے آگے دوسری قوموں کے اعمال پیش کر دیں تہذیب و انسانیت کی ضرورت ہے تو مسلمان یورپ کی شاگردی کریں۔ پولیٹیکل آزادی

کی ضرورت ہے تو اپنی ہمسایہ قوموں سے بھیک مانگیں، پھر یہیں
 بتلایا جائے کہ خود بد بخت مسلمانوں کے پاس بھی کچھ ہے یا
 نہیں؟ جو مسلمانوں کے رہنما قوم کے جلب قلوب کے لئے مذہب
 کے ذکر کو ناگزیر دیکھ کر اپنے شاندار اسٹیجوں پر مذہب، اندھ
 اور اسلام، اسلام بکارتے میں قطع نظر اسکے کہ خود ان کی زندگی
 میں اس اسلام کا اثر کہاں تک موجود ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کبھی
 انھوں نے قوم کو یہ بھی بتلایا کہ زندگی کی ہر شاخ میں خود اسلام کا
 نمونہ کیا ہے؟ اور اگر نہیں بتلایا ہے تو قوم کے لئے ایک سچی رہنما
 اور ایک مسلمان لیڈر میں کیا فرق ہے؟ سچ یہ ہے کہ وہ غریب
 خود جس متاع سے تہی دست ہیں اُسے دوسروں کے آگے کیا
 پیش کریں گے؟

خُفَّةٌ رَاخُفَّةٌ کئے گندبیدار؟

اس دعوت و معظمت کو اسی طرح
 دور تک جاری رکھنے کے ”مسلمانوں
 کا نصب العین کیا ہونا چاہئے۔“
 سرخی کے ماتحت حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے جو کچھ ارشاد
 فرمایا ہے مدیہ ناظرین ہے۔

”پالیٹکس جس کی طرف اب مدتوں کی غفلت کے یہ مسلمانوں
 نے شیفتگی کی نظر اٹھائی ہے قومی زندگی کے اعمال کا ایک بہت سی
 بڑا شعبہ ہے لیکن ہم اُسے مسلمانوں کے لئے کوئی اصلی مقصود اور بنیاد
 شے نہیں سمجھتے۔ اور قوموں کے لئے اگر سیاست ان کے تمام اعمال

کی بنیاد ہے تو اس لئے ہے کہ زندگی کی حرارت پیدا کرنے کے لئے وہ سیاسی اعمال سے ایک گرم انگیٹھی کا کام لیتے ہیں۔ لیکن جس قوم کے پاس ایک شعلہ فشاں آتش کدہ موجود ہو اسے انگیٹھیوں کی کیا ضرورت ہے؟ جب تنور گرم ہو جاتا ہے تو بہت سی انگیٹھیاں اس سے گرم کر لی جاسکتی ہیں۔ لیکن انگیٹھی تنور کا کام نہیں دے سکتی اس وقت پلوں کے جمود نے کروٹ لی ہے۔ اور گویا انقلاب و تغیر کا اچھا موسم مسلمانوں پر گزر رہا ہے۔ اس وقت جس چیز کی ضرورت ہے کر دی جائے گی آگے چل کر اس کے پھل کو اپنے دامن میں دیکھ سکیں گے۔ پس اس بارے میں میری دعوت کا لب لباب یہ ہے کہ مسلمان محض پالیٹکس ہی کو اپنا مقصود حقیقی نہ بنائیں۔ اور اس وقت ایک عمدہ موسم کو جس میں وہ ایک پورا باغ لگا سکتے ہیں صرف ایک درخت کے بوئے میں ضائع نہ کر دیں۔ دوسری قوموں کی نظیر پر نظر رکھنا ان کے لئے کچھ سودمند نہیں ہو سکتا۔ ان کو صرف اپنے اوپر نظر رکھنا چاہئے۔ کیونکہ ان کے پاس ایک چیز ہے جو اوروں کے پاس نہیں ہے۔ اور جس کو اپنا اصل مقصود بنا کر وہ ان تمام چیزوں کو بھی بوجہ حسن و اکمل لے سکتے ہیں جو اور قومیں حاصل کر رہی ہیں ان کو چاہئے کہ ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے اس شے کو اپنا اصل مقصود اور نصب العین بنائیں جس کی تلاش میں انھیں گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیشہ سے وہ خود ان کے گھر کے اندر موجود ہے یعنی صرف اتباعِ دین میں

اور اعتصام بحبل اللہ الملتین ان کے لئے ان کے
خدا کی طرف سے ایک دائمی مقرر کردہ نصب العین ہے،
اگر مسلمانوں نے اپنے لئے ایک نہایت آزادانہ پولیٹیکل
پالیسی تیار کر لی، کانگریس سے بھی بہتر پروگرام ان کے ہاتھ
میں ہوا، آئرلینڈ کے حکومت طلبوں سے بھی بڑھ کر خوش اور
سرگرمی پیدا کر لی، پالیٹیکس میں وہ ازسرترا یا غرق ہو گئے ان کا
ہر فرد ”کلید سٹون“ اور ”مار لے“ ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی اگر
انہوں نے اپنے معتقدات اور اعمال کے اندر اسلام کی عملی
روح پیدا نہ کی، اپنے تئیں دین مبین کے ماتحت داخل نہ کیا
اور خشیت الہی اور زاد تقویٰ سے محروم رہے تو میں یقین
کی لازوال طاقت کے ساتھ جس کے لئے کبھی موت و شکست
نہیں، اس بصیرت الہی کے ساتھ جس میں ترزل اور تذبذب
نہیں ازسرترا یا صدائے ربانی بن کر کہتا ہوں کہ اگر آگ جلائی
ہے اور پانی ڈباتا ہے، اگر آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا ہے
اور مغرب کی جانب غروب ہوتا ہے، اگر مچھلی خشکی میں اور پرند
دریا میں زندہ نہیں رہ سکتا اگر قوانین فطریہ اور لواطیس طبعیہ
میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ دوا اور دوا پانچ
نہیں بلکہ ہمیشہ چار موتے میں۔ تو یہ بھی کبھی نہ مٹنے والی صداقت
اور صفحہ کائنات پر نقش سنگی ہے کہ مسلمانوں کو یہ تمام نہری
سیاسی منگامہ آرائیاں تعلیم و تربیت کا غوغائے محشر خیز اور پولیٹیکل
پالیسی کے تغیر و تبدل کا مہیاں طوفان آور ایک لمحہ ایک دقیقہ

ایک عشرِ دقیقہ تک کے لئے بھی کچھ نفع نہیں پہنچا سکے گا، ان کی تمام جدوجہد بیکار ہو جائے گی۔ تغیر کا ابران پر سے بغیر ایک قطرہ بارش گزر جائے گا۔ ان کی امیدوں کی خشک سالی بدستور باقی رہے گی۔ وہ جس قدر سعی رہائی کریں گے۔ اتنا ہی چاروں طرف کی پلٹی ہوئی زنجیروں کی بندش سخت تر ہوتی جائے گی۔ گمرامی و ضلالت کا شیطان کبھی ان سے الگ نہ ہوگا۔ ان کے گلوں میں جو طوقِ بند اور پاؤں میں جو زنجیر ادبار و تسفل پڑی ہوئی ہے وہ قیامت تک نہ ٹوٹے گی۔

میں نے کہا کہ ”اگر آگ جلاتی اور پانی ڈباتا ہے۔ نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ممکن ہے کہ آگ نہ جلائے اور پانی نہ ڈپائے مگر یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ خدا کا وہ قانون شقاوت و بدایت بدل جائے جس کے لئے ابتداء خلقت نبی آدم سے آج تک تاریخ میں کوئی مستثنیٰ شہادت موجود نہیں یہ میں لکھ رہا ہوں اور میرے اندر یقین و اعتقاد کی ایک آواز بے چین و مضطرب ہے مگر افسوس کہ اس کی ترجمانی کے لئے مجھے الفاظ نہیں ملتے جبران ہوں کہ کس طرح اپنا دلی یقین آپ کے دلوں میں پیدا کروں؟ تاہم میں یہ کہنے سے کبھی نہ تھکوں گا کہ جن احکام اسلام کو آپ نہایت بے پروائی سے مذہبی بندش کہہ کر گزر جاتے ہیں وہ بندش ضرور ہے مگر ایک ایسے قانون کی بندش ہے جس کی سلطنت تمام قوانینِ مادیہ کے نظامِ حکومت سے بالاتر اور وراء الوریٰ ہے اور نظم کائنات کے تمام اجزاء اسی بندش سے بندھ کر مرتب

اور منظم ہوتے ہیں یہی بندش ہے کہ لسانِ الہی نے اس کو کہیں
 ”خَلَوْا لِلّٰہ“ کے لفظ سے یاد کیا ہے کہیں ”سُنَّةُ اللّٰہ“
 کے لفظ سے تعبیر کیا ہے کہیں ”فِطْرَةُ اللّٰہ“ اس کا نام رکھا
 ہے کبھی ”صَحَاحُ الْمُسْتَقِیْمِ“ کہا ہے اور کبھی ”دِیْنِ قِیْمِ“
 کے خطاب سے یاد کیا ہے وہ درحقیقت ایک ربانی حکومت کا
 انتظام ہے اور جب کوئی فرد یا قوم اس کے تحت و تسلط سے
 نکلنا چاہتی ہے تو گویا وہ خدا کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتی ہے
 پھر اس کی زندگی اور زندگی کے تمام اعمال یکسر بغاوت اور سرکشی
 ہو جاتے ہیں اور وہ رحمانی سلطنت سے نکل کر شیطانِ حکومت
 میں داخل ہو جاتی ہے :-

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ

خدا کہتا ہے کہ اے انسان حقیر! کس نے تجھ کو آمادہ
 کیا اس بات پر کہ اپنے رب کریم سے بغاوت کرے۔
 قارئینِ کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد
 آج سے (۱۳۲) سال پیشتر کس شد و مد سے اور کس ولولہ انگیز اسلوب
 و انداز میں مسلمانوں کو حکومتِ الہیہ کی دعوت دی ہے؟ لیکن اگر
 آج مولانا کی راہ اور ہے تو یہ ان مسلمانوں کی گمراہی ہے یا ہدایت
 پسندی جو مولانا سے الگ ہو کر حکومتِ الہیہ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں؟

ادْخُلُوا فِي لِسْمِ كَافَّةً

عنوانِ صدر سے مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں -

”مہم مسلمانوں کو کبھی یہ صلاح نہیں دیں گے کہ وہ صرف پولیٹیکل آزادی کے ولولے ہی کو پیدا کر کے اصلاح و تغیر کی طرف سے فارغ البال ہو جائیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے لئے پولیٹیکل پالیسی کے تغیر میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی، اگر ان کے اندر مذہبی تغیر پیدا نہ ہوا۔ بخار کے مریض کے لئے ڈاکٹر کے آگے یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ اس کا جسم گرم کیوں ہے؟ اس کی آنکھوں میں سرخی کیوں ہے؟ بلکہ اس پر غور کرتا ہے کہ بخار کی تولید کی اصلی علت کیا ہے۔ اگر آپ صرف مریض کے جسم کی حرارت کے شاک کی ہیں۔ تو زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں۔ ایک من برف منگوا کر اس کے ریزوں میں اسے بٹھا دیجئے امید ہے کہ سارا جسم ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آپ کہتے ہیں کہ مسجد کا مینا رسیدھا نہیں، میں رونا ہوں کہ بنیا ڈیڑھی ہے۔ آپ صرف پالیٹیکس کو کیوں ڈھونڈتے ہیں۔ جب کہ آپ کو ایک ایسی مضبوط اور لازوال کرسی ملتی ہے جس پر نہ صرف پالیٹکس بلکہ قومی زندگی کی عمارت کے تمام ستون کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اور ستون کے لئے کرسی ناگزیر ہے۔

مسلمانوں کی فلاح لیگ | پس موجودہ تغیر کے بعد اب مسلمانوں کو سفر اس منزل سے شروع کرنا چاہئے جو ان کے اور کانگریس میں نہیں۔

سفر کا حقیقی مبداء ہے اور جہاں سے ان کو پچھلا سفر شروع کرنا تھا مگر انھوں نے نہیں کیا۔ ان کو نہ تو پولیٹیکل پالیسی کی تلاش میں وقت ضائع کرنا چاہئے اور نہ اعلیٰ تعلیم کے افسانہ لاتقنا ہی میں پڑنا چاہئے۔

نہ لیگ کے غلامانہ اور موت آور پالیٹیکس پر توجہ کرنی چاہئے۔ اور نہ کانگریس کی رپورٹوں میں اپنے لئے نسخہٴ فلاح ڈھونڈنا چاہئے۔ ان کو صرف ایک ہی کام کرنا چاہئے، یعنی بلا سوچے ہوئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں اپنا ہاتھ دست الہی میں دیدینا چاہئے۔

محی بروہر جا کہ خاطر خواہ اوست

نہ وہ پالیٹیکس کو سوچیں اور نہ تعلیم کو، نہ آزادی کی مدح کریں اور نہ غلامی کا طوق پہنیں۔ یہ باتیں ان کے سوچنے یا فیصلہ کرنے کی نہیں ہیں۔ ان کا فیصلہ خدا کو کرنا تھا، اور اس نے کر لیا۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ اتباع کلمات اللہ ”مَلَجَاءَ بِالْمُقْرَأِ“ کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور اپنے میں تمام انسانی تعلیموں اور اقوام کے اتباع و محاکات کے دلوں سے خالی کر کے صرف اس ایک ہی معلم کی تعلیم پر چھوڑ دیں۔ اگر اسلام ان کو پالیٹیکس میں بلانا چاہتا ہے تو کیسی شکایت کہہ کر دور ہیں۔ اگر وہ اس سے اجتناب کی تعلیم دے تو اشارے کے ساتھ ہی مجتنب ہو جائیں۔ اگر وہ کہے کہ غلامی اور خوشامد دو ہی چیزیں اصلی ذریعہ فوز و فلاح ہیں، تو وہ نہر سے پاؤں تک غلامی کی تصویر بن جائیں۔ اگر وہ کہے کہ آزادی اور حقوق طلبی ہی میں قومی زندگی اور عزت ہے تو ان کا وجود یکسر یکسر حریت و جہد حریت ہو جائے۔ اخلاق، تعلیم، تمدن، رشتہ منشی، اصلاح معاشرت، غرض کہ ایک تمدن زندگی کے اچھے اجزاء میں ان میں وہ جس طرف بلائے اس طرف جھک جائیں۔ خود ان کی کوئی خواہش کوئی ارادہ کوئی

تعلیم کوئی پالیسی نہ ہو۔ اُن کی خواہش اور پالیسی صرف اتباع قرآن ہو۔ اور وہ اس تنکے کی طرح جس کو کسی بحر طوفان خیز میں ڈال دیا گیا ہو اپنے تئیں تعلیم الہی کے سمندر میں چھوڑ دیں جس طرف وہ چاہے لے جائے اور جس کنارے وہ چاہے انھیں لگا دے۔ جب خدا ان کے تمام بوجھ اپنے سر لیتا ہے۔ تو وہ اپنے کاندھوں کو کیوں تھکا رہیں اگر مسلمانوں نے ایسا کر لیا (اور وعدہ الہی کہ والدین جاہدوا فینا لנھد ینھم سبلنا) تو وہ یاد رکھیں کہ آج جن چیزوں کے لئے بھٹک رہے ہیں توکل خود بخود وہ اُن کے قدموں میں آکر گر جائیں گی۔ ان میں سے ایک ایک کے تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں۔ وہ بہت گمراہ ہو چکے جو میر عزت کی سر بلندیوں کے لئے بنا تھا بہت ٹھکرایا جا چکا۔ اب بھی سنبھل جائیں کہ خدا کا ہاتھ بیعت لینے کے لئے بڑھا ہوا ہے وہ اسے چھوڑ کر شیطان کے ہاتھ پر بیعت کیوں کرتے ہیں؟ ان کے تمام اعضا مردہ و غیر متحرک ہو رہے ہیں لیکن ان کے لئے سر میں تیل کی مالش یا تلوے کا سہلانا۔ اصلی علاج نہیں۔ ان کو روح کی ضرورت ہے جس دن جس آن جس لمحے۔ اُن میں اسلام کی گم گشتہ حرارت غریزی عود کر آئے گی۔ اس دقت پاؤں کے انگوٹھے سے لے کر سر کے بالوں کی جڑ تک ان کا تمام جسم زندہ ہو جائے گا۔ ان کا اخلاق، ان کا تمدن، ان کی سوشل حالت۔ ان کی سوسائٹی کا نظام اور سب سے آخر گھر سب سے پہلے یہ کہ ان کی پولیٹیکل حالت۔ غرض کہ حیات ملی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہو گا جو باخسک و باکمل حال اُن کے پاس موجود نہ ہو جائے۔

وَمَنْ يَسْلَمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَإِلَى
اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

اور جو شخص ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی طرف
متوجہ ہو گیا اور ساتھ ہی اعمالِ حسنہ اختیار کئے تو بس
یقین کرو کہ اس نے مضبوط سی تھام لی۔ اور انجام کار ستہ
اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

مسلمان لیڈروں کی گمراہی | حضرت مولانا ابوالکلام آزاد
نے اس سلسلے مضمون کے تیسرے

نمبر کو اس شعر سے شروع فرمایا ہے۔

احرامِ عہد روز ازل کعبہ کوئے دوست

جز راہِ عشق ہر کہ رود بر خطا رود

اس نمبر کے آغاز میں مسلمان لیڈروں کی گمراہیوں پر گفتگو

کرتے ہوئے حضرت مولانا فرماتے ہیں۔

”انھوں نے قومی اصلاح و ترقی کی جس قدر تحریکیں شروع کیں

ان کو مذہب سے اس طرح الگ رکھا گویا نہ تو پیر وانِ اسلام اُن

کے مخالف ہیں اور نہ مسلمانوں کی قوم سے خود انھیں کوئی واسطہ ہے

ان کی زندگی نئے اعمال، افعال و کردار یکسر اسلام سے بیگانہ اور از

فرق تابہ قدم مذہب سے نا آشنا رہے۔

مذہب سے یہ احماہ آمیز بیگانگی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ آج

اگر کوئی صدائے قرآنی بلند کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کا

منہ تکنے لگتا ہے کہ یہ کیسی آواز ہے، بہت سے اس خیال پر متعجب ہیں کہ مسلمانوں کی پولیٹیکل پالیسی بھی تعلیم قرآن پر مبنی ہو۔ ”رأيت المنافقين يصلون عندك صدوداً“۔ بہتوں کو یہ کہنے سے نفرت اور غصے کا بخار چڑھ آتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے جو کچھ ہے قرآن ہی سے ہے، اور بہت ہیں جو فرعون کے جادو گروں کی طرح خوفزدہ ہو رہے ہیں کہ کہیں مذہب کا عصائے موسوی ثعبان مبین بن کر ان کو نگل نہ جائے۔“

انسانی خیالات کے اصنام و طواغیت | آگے چل کر مولانا تحریر فرماتے ہیں ”اور باتوں سے قطع نظر

یکجہ۔ ہمارے اعتقاد میں سب سے بڑی یزداں فرشتہ سی اور اسکا دیرینی تو یہی ہے کہ ایک گروہ مسلمانوں کی اصلاح کا دعویٰ کرے اور بھراپنے تمام کاموں کے لئے اسلام اور اس کے خدا کو چھوڑ کر انسانی خیالات کے اصنام و طواغیت کو اپنا حکم بنائے۔

الم تر الى الذين يزعمون انهم امنوا بما
انزل اليك وما انزل من قبلك يريدون
ان يتحاكموا الى الطاغوت وقد امرنا ان
نكفهم وبيد يؤيد الشيطان ان يؤصلهم
ضالاً لا بعیداً۔ (۶۰۰۳)

اے پیغمبر ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اس زعمِ باطل میں پڑے ہیں کہ ہم مومن و مسلم ہیں حالانکہ وہ کبیروں کرمومن و مسلم ہو سکتے ہیں جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ خدا کو چھوڑ کر

چاہتے ہیں کہ دوسروں کو حکم بنائیں حالانکہ انھیں حکم
 دیا گیا تھا کہ خدا کے سوا دوسروں کی اطاعت سے انکار
 کر دیں اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ انھیں سخت جڑ
 کی گمراہی میں مبتلا کر دے۔

جن باتوں کو ہمارے لیڈر اسلام سے نا آشنا رہ کر کہتے رہے
 اگر چاہتے تو انھیں باتوں کو وہ اسلام کی زبان سے ادا کر سکتے۔
 تعلیم اگر ضروری تھی، علوم جدیدہ کی اگر دعوت دینا چاہتے تھے
 معاشرت میں ضروری تبدیلی کے خواہاں تھے یا اور جتنی باتیں
 قوم کے آگے پیش کرنا چاہتے تھے۔ ان میں کوئی شے ایسی
 ہے جس کے لئے قرآن کریم اور تعلیم الہی کو سامنے نہیں رکھ سکتے
 تھے؟ پھر کسی دعوت کے لئے یہ طریقہ موثر تھا کہ انسانوں کی نظر
 دی جائے یا یہ کہ خدا کا حکم ہے؟ غور کیجئے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں
 اگر واقعی یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کی دین اور دنیا۔ دونوں
 ایک ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ وہ قرآن نامی ایک کتاب کے
 پیرو ہیں اس میں کوئی دھوکہ نہیں کہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول تھا
 جس کے پیش کئے ہوئے احکام ان کے لئے ذریعہ فوز و فلاح ہیں
 تو ہمارے لیڈروں کی حالت اس سے بالکل متضاد ہوتی جو آج
 ہم بدبختی سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ایک ایسی جماعت ہوتی جس
 کے دل اور زبان۔ دونوں میں اسلام، مومن کا ہاتھ کسی راستہ
 میں قرآن سے خالی نہ ہوتا بلکہ قرآن کی گرفت سے اس طرح
 رک جاتا کہ کسی دوسری شے کو اٹھانے کی مہلت ہی نہ پاتا۔ وہ

از سر تا یا مذہب کی تصویر ہوتے۔ اور یکسر تعلیم الہی کا عملی نمونہ۔ ان کی صدا مذہب میں ڈوبی ہوئی ہوتی اور ہر قدم مذہب ہی کی جانب اٹھتا۔ ان کی زبان کھلتی تو مذہب ہی کے لئے۔ اور قلم حرکت کرتا تو مذہب ہی کے نام پر۔ وہ ہر بہتر سے بہتر خیال اور عمدہ سے عمدہ بات قوم کے آگے پیش کرتے۔ مگر جو کچھ کہتے مذہب کے واسطے سے۔ اور جو کچھ لکھتے تصحف کی سیاحت سے۔

میں نے کبھی لکھا تھا کہ قومی زندگی کے لئے دنیا میں دو چیزیں ہیں الٹیکس اور مذہب۔ یہ کہنا باقی ہے کہ اور قوموں کیلئے صرف الٹیکس جتنا بخشتی ہو تو ہو مگر مسلمانوں کے لئے جس کا راکار و بار حیات مذہب ہی کے دم سے ہے وہ راج مذہب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ
إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ
اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَهُ
تَحْتَ سِرِّهِ ۝

مسلمانو اللہ اور اس کے رسول کی پکار سنو وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ تم کو تمہارے اندر زندگی کی روح چھونکے۔ اور یقین کرو کہ اللہ انسان اور اس کے ارادوں میں جب چاہتا ہے آڑے آ جاتا ہے، یہ بھی یاد رکھو کہ بالآخر ایک دن تم سب اس کے آگے کھڑے کئے جاؤ گے۔

مسلمانوں کا مرکز قومیت | ہمارے ملکی بھائی اپنے اندر
نسل و وطن نہیں اسلام ہی | صرف قومیت اور سیاست

کی روح پھونک کے زندگی کی حرارت پیدا کر سکتے ہیں اسی طرح اور قومیں بھی لیکن مسلمانوں کی کوئی علیحدہ قومیت نہیں جو کسی خاص نسل و خاندان یا زمین کی جغرافیائی تقسیم سے تعلق رکھتی ہو ان کی چیز مذہب یا بالفاظ مناسب نژاد کا تمام کاروبار صرف خدا سے ہے۔ پس جب تک وہ اپنے تمام اعمال کی بنیاد مذہب کو نہیں قرار دیں گے، اس وقت تک نہ ان میں قومیت کی روح پیدا ہوگی۔ اور نہ وہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کر سکیں گے آج دنیا قوم اور وطن کے نام میں اپنے لئے جو تاثر رکھتی ہے مسلمانوں کے لئے وہ اثر صرف ”اسلام“ یا ”خدا“ کے لفظ میں ہے۔ یونہی میں نیشن کا لفظ کہہ کر ایک شخص ہزاروں ولولوں میں حرکت پیدا کر سکتا ہے لیکن آپ کے پاس اس کے مقابلے میں اگر کوئی لفظ ہے تو ”خدا“ یا ”اسلام“ ہے۔“

خلاصہ مطلب: اس نمبر کے خاتمے پر خلاصہ مطالب کی سرخی سے حضرت مولانا نے حسب ذیل جامع نتائج کلام پیش کئے ہیں۔

۱۔ ”موجودہ تغیر خیالات ایک قیمتی فرصت ہے۔ اگر دیوار ٹیڑھی کھڑی کر دی گئی ہو اور آپ اس کے نقص کو محسوس کر بھی لیں۔ تاہم کسی بنی ہوئی چیز کا گرانا اور پھر از سر نو بنانا اس درجہ مشکل کام ہوتا ہے کہ ممکن ہے برسوں تک آپ کو نئی دیوار کھڑی کرنے کی مہلت نہ ملے۔ لیکن اگر طوفان یا بارش کے ناگہانی حملے سے خود بخود گر جائے تو پھر آپ کو نئی دیوار بنانی ہی پڑیگی یہی حال مسلمانوں کی قدیمی پالیسی کا ہے وہ خود بخود

گر چکی ہے نئی پالیسی کی دیوار بنانے کے لئے۔ اب پھلی دیوار
گرا نے کی ضرورت نہیں۔ صرف اس کی ضرورت ہے کہ اب
جو بنیاد رکھی جائے وہ درست ہو۔

۳۔ مسلمانوں کے لئے ہر چیز ان کے مذہب میں ہے پس
اگر وہ آجکل پولیٹیکل زندگی اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو
اس کی جگہ اس شے ہی کو کیوں نہ پیدا کر لیں جو نہ صرف پالیٹیکس
بلکہ قومی اعمال کی ہر شاخ کو زندہ کرے؟

۴۔ قرآن کریم صرف نماز اور وضو کے فرائض بتلائے ہی
کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ انسانوں کے لئے ایک کامل و
اکمل قانون فلاح ہے جس سے انسانی زندگی کی کوئی شے باہر
نہیں پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی اور ہر وہ عمل جو قرآنی تعلیم
پر مبنی نہ ہوگا، ان کے لئے موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا۔
۵۔ مسلمانوں کا تمام کاروبار خدا سے ہے۔ اور خدا کے سوا
جو کچھ ہے۔ وہ ان کے لئے اصنام و طواغیت یعنی بتوں کا حکم
رکھتا ہے۔ پس جب تک خدا کے آگے نہیں جھکیں گے۔ دنیا کی کوئی
چیز ان کے آگے نہیں جھکے گی۔

۵۔ ان کو اپنا نصب العین صرف "اسلام" بنانا چاہئے
اور ساری طاقت اس میں صرف کرنی چاہئے کہ وہ ہر طرف سے
ہٹ کر صرف احکام اسلام کے مطیع و منقاد ہو جائیں۔ اسلام
ہی ان کے لئے پالیٹیکس کی راہ کھولے گا۔ تعلیم کا حکم دے گا
اخلاق و خصائل میں تبدیلی پیدا کرے گا۔ اور وہ تمام باتیں جن

ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ کر وہ للچا رہے ہیں۔ نقصانوں اور مفقوتوں سے صاف ہو کر ان میں پیدا ہو جائیں گی۔

”هَذَا تَذَكُّرٌ مِّنْ شَاءِ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا“
 اوروں کی دعوت انسانوں کی | اس کے بعد حضرت مولانا نے
 طرفے اور مولانا آزاد کی دعوت کی طرف اس مضمون کا جو حقا غیر تحریر
 فرمایا ہے جس پر یہ مضمون ختم ہو گیا ہے، اس نمبر کے بعض فقرات
 اور بصیرت افروز اقتباسات یہ ہیں۔

”ہماری دعوت اثبات فوائد و نتائج سے مستغنی ہے ہمارا
 یہ اعتقاد ہے کہ وہ انسانی عمل جو تعلیم الہی کی ہدایت بخشی ہے
 خالی ہے کبھی فوز و فلاح نہیں پاسکتا۔ اگر ہم اپنی دعوت کی خوبیاں
 بیان نہ کر سکیں تو کچھ ہرج نہیں ہے کیونکہ اس لئے یہی ایک
 خوبی کافی ہے کہ اوروں کی دعوت انسانوں کی طرف ہے اور اس
 کی دعوت تعلیم الہی کی طرف۔“

وَمِنْ أَحْسَنِ قَوْلِهِمْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَ

عَمَلِ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

اور اس سے بہتر اور کس کی پکار ہو سکتی ہے جس نے

اللہ کی طرف بلایا۔ اعمال نیک انجام دئے۔ اور اپنے

تئیں کسی انسانی نسبت کی طرف نہیں بلکہ خدا کی طرف

منسوب کر کے کہا کہ میں صرف ”مسلم“ ہوں۔“

انسانی اعمال و اقوال دوسرے انسان کے لئے محتاج تصدیق

ہیں۔ مگر خدا کی آواز جب انسان کو مخاطب کرتی ہے تو وہ خود

حق اور صداقت ہے اور اپنی تصدیق کے لئے کسی استدلال کی محتاج نہیں۔ اگر بیچ کوئی تشکیک وجود ہوتا اور بولتا۔ تو کیا اس سے دلیل طلب کی جاتی کہ وہ سچ ہے؟ آفتاب اگر کہے کہ میں روشن ہوں۔ تو آپ اُس کے جواب میں کیا کہیں گے؟

”پس ہر صحیح الفطرت انسان کے لئے یہ دعوت ایک ایسی

فطرت انسانی کی پیکار

صداقت ہے جو کسی بحث و استدلال کی محتاج نہیں، یہ اس کے لئے کوئی نئی دعوت نہیں ہے بلکہ اس کے اندر کی اس صداقت فطرت کا اعادہ ہے۔ ہر آن اور ہر لمحہ اس کے اعماق قلبی اُٹھ رہی ہے اور اس نقشِ خلقت کا عکس ہے۔ جو نقاش فطرت نے اس کے صفحہٴ جبلت پر کھینچ دیا ہے، اگر باہر کے غوغائے ضلالت نے اُس کے سامعہ کو مشغول نہ کر دیا ہو تو جب کان لگائے اس آواز کو سن سکتا ہے اور جب آنکھ بند کرے اس نقش کو دیکھ سکتا ہے۔

اِنْ فِیْ ذٰلِكَ لَذِکْرٍ لِّمَنْ كَانَ

لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقٰی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیدٌ ۝

اور اس میں بڑی بصیرت ہے اس کے لئے جو اپنے

پہلو میں سوچنے والا دل رکھتا ہو اور جس کے سر میں سننے

والا کان موجود ہو۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ دستِ خوان کے لہذاں کا اعتراف کرنے کے لئے ایک تندرست شخص کی زبان چاہئے نہ کہ ایک ایسے مریض کی جو رات بھر تپ محرقہ میں مبتلا رہ کر بستر سے اٹھا ہو اگر آپ کے

منہ کا مزا بگڑا ہوا ہے تو آپ شہد کو حفظِ ثابِت کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ اپنے کام و زبان کے ذوقِ رفتہ کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔“

مسلمانوں کی بدبختی انا ہم کیا کیجئے گا کہ بدبختی سے وہ زمانہ آگیا ہے جب ایک مسلمان کے آگے اسلام کی خوبیوں کو ثابت کرنا بہ نسبت ایک مسیحی کے زیادہ ضروری ہے۔ عین نصفِ النہار کی دھوپ میں کھڑا ہو کر ایک حریفِ قتال سے مقابلے کی آنکھیں لڑاتا ہے۔ اور پوچھتا ہے کہ اُس کے روشن ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ پیاس کسی کو نہیں بے گریانی سے پوچھتے ہیں کہ اُسے کیوں تشنگی تے لئے مغیرہ تسلیم کیا جائے؟ حریف کا دُشِ مِتر گاں خوں ریزش نئی زائد بدست آور گج جانے و نشتر راتما شاکن۔“

راہِ یقین صرف اسلام کی راہ ہے مولانا آزاد ”اتباعِ شکِ یقین“ کی سرخی کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں

اولین اور بنیادی شے تو یہ ہے کہ اگر ایک راہِ یقین کی بدست آپ کو پکار رہی ہے تو آپ شک اور ظن کی طرف کیوں دوڑتے ہیں کہ وہ پالیسی جو بعض انسانی اتباع اور نظریہ قائم کی جائے گی شک اور گمان ہوگی کیونکہ انسانی دماغ کا ہر خیال شک ہے خواہ اس کا نام محمد و معلم ہو یا محصور بخبر بہ اور یقین کا ہر شبہ اگر کوئی ہے تو وہ اسلام یا مذہبِ حقیقی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ہر جگہ کفر و ضلالت اور الحاد

دہریت کو شک اور گمان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ انسانی دماغ کی انتہائی سرحد میں بھی اگر ڈھونڈا جائے تو یقین کا پتہ نہیں چل سکتا۔ ایک ملحد فلسفی ہر چیز میں شک کر سکتا ہے کہ یہ کیونکر ہے؟ لیکن اگر اس سے پوچھا جائے کہ نہیں ہے تو نفی کے لئے حکم یقینی کہاں ہے؟ تو اس کے پاس اس کا کچھ جواب نہیں ہے مگر مذہب ایک یقین کی دعوت لے کر آتا ہے۔ وہ حقائق اور وجود میں شک نہیں پیدا کرتا۔ بلکہ حقائق کے لئے ایک یقین اپنے ساتھ رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ :-

هَذَا سَبِيلِي اَدْعُو اِلَى اللّٰهِ عَلَى الْبَصِيْر
اَنَا وَمَنْ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

یہ ہے میرا طریقہ کہ اللہ کی طرف بلانا ہوں اس یقین پر جو کچھ کو اور میرے ماننے والوں کو طریق الہی پر ہے۔ اس نے ہر جگہ منکرین تعلیم الہی کو سب سے بڑا الزام یہ دیا ہے :-

مَا لَكُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَتَّبِعُونَ
اِلَّا الظَّنَّ وَاتَّالِظُنَّ لَا يَغْنَى مِنَ الْحَقِّ
شَيْئًا ۝

ان کے پاس علم و یقین نہیں سوا اسکے کہ شک اور گمان میں گمراہ ہو رہے ہیں حالانکہ شک یقین کے مقابلے میں کہاں ٹھیر سکتا ہے؟

دوسری جگہ کہا -
 هل عندكم من علم فتخرجوه لنا
 ان تتبعون الا الظن وان انتم
 الا تخبرصون ہ

کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جو ہمارے آگے
 پیش کر سکو؟ حقیقت یہ ہے کہ کوئی علم نہیں صرف
 اپنے وہموں پر چلتے ہو -

بلکہ اگر قرآن کریم پر تدبر و تفکر کی نظر ڈالی جائے تو ثابت ہوتا
 ہے کہ کفر اور شک اس کی اصطلاح میں ہم معنی الفاظ میں اور وہ
 کفر کو ہر جگہ شک پرستی سے اور اسلام کو یقین و علم سے تعبیر کرتا ہے۔
 حضرت مولانا "عدم تغیر اور استقلال
 کی سرخی سے لکھتے ہیں :-

غیر متغیر اور مستقل راصف
 اسلام رکھتا ہے۔

"ہم نے کسی گزشتہ نمبر میں
 لکھا تھا کہ مسلمانوں کو اپنی ایک ایسی پوٹیکل یا ایسی تیار
 کرنی چاہئے جو کبھی متغیر نہ ہو اور جس کی بنیاد ایک محکم عقیدہ ہو نہ
 کہ بعض خارجی اسباب۔ لیکن مذہب کے سوا اور کوئی اسباب اعتقاداً
 ہو سکتا ہے جو تغیر و تبدل سے محفوظ ہو؟ انسانی آرا و قیاس
 میں تغیر لازمی ہے کیونکہ وہ ظنون و اوہام ہیں۔ اور خارجی اسباب
 و علل کے تابع لیکن احکام الہی کی پہلی ہیجان یہ ہے کہ وہ ایسے
 یقینات ہوں جن میں کبھی تغیر نہ ہو سکے۔ اگر کوئی مذہبی حکم متغیر
 ہو سکتا ہے تو وہ اس کا مستحق ہی کب ہے کہ اس کو مذہب کے

نام سے تعبیر کیا جائے ؟ وَلَنْ تَخْذَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَتَذَكَّرًا
پس اگر مسلمانوں کی پولیٹیکل پالیسی ان کے مذہبی اعتقاد پر
مبنی ہوئی۔ تو جب تک ان کے دلوں میں اسلام کا اعتقاد باقی
ہے اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ان کے مسایوں کی پالیسی
بدل جائے گی مگر ان کی پالیسی بدل نہ سکے گی۔ کیونکہ جس راہ نما
کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ ہوگا اس کی راہ ایک ہی ہے۔ اگر گورنٹ
کی پالیسی میں تغیر ہو تو اس کا بھی ان پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا کیونکہ
انسانی حکومتوں کے اصول حکمرانی ہی نہیں بلکہ سرے سے حکومتیں
بدل بھی جائیں تو بھی اسلام نہیں بدل سکتا۔ اور اسلام نہیں بدل
سکتا تو اس سے ماخوذ اور مبنی اعتقاد بھی نہیں بدل سکتا۔

مسلمانوں کا موقف اتحاد | جب مسلمان اپنے پولیٹیکل جدو

بلکہ اپنے اعمال دینی کی طرح شروع کریں گے۔ تو ان کی زندگی
اور اعمال احکام دینی کے تحت میں آکر بالکل محدود و متعین ہو
ہو جائیں گے۔ اختلاف و نزاع تو جب ہو جب انسانی دماغ
کو اس میں دخل ہو۔ مذہبی احکام تعددیں اختلاف کی کوئی گنجائش
نہیں۔ ان کا پالیٹیکس مذہب کی حکومت میں آجائے گا۔ وہ
خود مختار نہ ہوگا کہ اپنے لئے مقاصد اور اس کے حاصل کرنے
کے وسائل ڈھونڈھے۔ بلکہ جو ایک ہی مقصد اور ایک ہی طریق
حصول مقصد اس کو مذہب بتلا دے گا مجبور ہوگا کہ صرف اسی میں
محدود رہے جس طرح ایک مسلمان نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا

ہے۔ بالکل اسی طرح ایک سیاسی مقصد کو حکم الہی سمجھ کر تلاش کرے گا۔
قارئین کرام! آپ نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے
 مضامین کے اقتباسات پڑھے، ان سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا
 کہ اس ہندی رہنمائے اعظم نے اول اول دعوت و تبلیغ کے میدان
 میں قدم رکھا تو اس کی دعوت کس نصب العین کی جانب تھی؟ اور
 وہ نصب العین قرآن مجید کے پیغام اور حضرت محمد رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے کس قدر ہم آہنگ ہے! لیکن اگر
 آج ہماری آنکھیں اپنے محبوب و محترم داعی کو اس شاہراہ سے
 الگ دیکھ رہی ہیں جہاں کھڑے ہو کر اس نے ہندوستان کے
 گم کردہ راہ مسلمانوں کو پکارا اٹھا تو ہمارا فرض کیا ہے؟ اس کی
 بتائی ہوئی صراطِ مستقیم اور اس کے پیش کردہ نصب العین کو پشت
 دے کر ہم اس کے پیچھے ہولیں؟ یا جس شاہراہ پر کھڑے ہو کر
 جس منزل کی طرف اس نے ہم کو بلایا اٹھا اور جس کے سوا کوئی
 راہ اور کوئی منزل حق نہیں اس کی جانب ہم اُسے بھی بلائیں اور
 جب تک ہماری پکار سن کر وہ اپنی بتائی ہوئی شاہراہ پر ہمارے
 پاس واپس نہ آجائے ہم اُسے پکارتے ہی رہیں۔؟ پکارتے
 ہی ہیں۔۔۔؟ وہ ہمارا عزیز و محترم رہنما ہے اس نے ہمیں
 اس وقت راہِ حق دکھائی جب ہر طرف ضلالت کی گھٹاؤں
 اندھیری چھائی ہوئی تھی پس ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ
 کہ وہ اپنی بتائی ہوئی شاہراہ کی طرف لے آئے ہمیں راہِ حق دکھا کر اس ہم پر جو
 احسانِ عظیم کیا ہے اس کے بارے ہم اس سوا اور کبھی سوچتے بلکہ شکر نہیں کرتے۔

حکومتِ الہیہ کی ایک ولولہ انگیز دعوت

مولانا آزاد کا ایک بیان افروز مقالہ

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے جولائی ۱۹۱۷ء میں
”الحکم الالہیہ“ کے عنوان سے ایک مقالہ
سپر قلم فرمایا تھا جو حکومتِ الہیہ کی ایک ولولہ انگیز
دعوت ہے۔

اس ایمان افروز مقالہ کے اقتباسات ملاحظہ کیجئے

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ - (۱۳-۴)
الحکم الجاہلیۃ یدعون ومن احسن من اللہ
حکما القوم یؤمنون - (۵: ۵۱)
وله الحکم والیہ ترجعون (۲۸: ۴۰)
فالحکم لله العلیٰ الکبیر (۴۰: ۱۲)
وهو خیر الحاکمین (۱۳: ۱۰۹)

الالہ الحکم وهو ادرع الحاسبین (۶: ۶۲)
”لوگ دنیا میں سینکڑوں قوتوں کے محکوم ہیں۔ دوست و اجنبی
کے محکوم ہیں، استاد و مرشد کے محکوم ہیں، امیروں حاکموں اور
بادشاہوں کے محکوم ہیں۔ اگرچہ وہ دنیا میں بغیر کسی زنجیر اور پٹری
کے آئے تھے مگر دنیا نے ان کے پاؤں میں بہت سی بیڑیاں
ڈال دی ہیں۔“

لیکن مومن و مسلم وہ ہستی ہے جو صرف ایک ہی کی محکوم ہے۔ اس کے گلے میں محکومی کی ایک بو جہل زنجیر ضرور ہے مگر مختلف سمتوں میں کھینچنے والی بہت سی ہلکی زنجیریں نہیں ہیں، وہ ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے کیونکہ اس کے ایک ہی حاکم نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ دوستوں سے محبت رکھتا ہے کیوں کہ اسے رفیقوں اور ساتھیوں کے ساتھ سچے برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے وہ اپنے سے ہر بزرگ اور ہر بڑے کا ادب ملحوظ رکھتا ہے کیونکہ اس کے ادب آموز حقیقی نے اُسے ایسا ہی بتلایا ہے وہ بادشاہوں اور حاکموں کا حکم بھی مانتا ہے کیوں کہ حاکموں کے ایسے حکموں کو ماننے سے اُسے نہیں روکا گیا ہے جو اس کے حاکم حقیقی کے حکموں کے خلاف نہ ہوں۔ وہ دنیا کے ایسے بادشاہ کی بھی اطاعت کرتا ہے جو اس کی آسمانی بادشاہت کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ اُسے تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرے لیکن یہ سب کچھ جو وہ کرتا ہے اس لئے تو نہیں کرتا کہ ان سب کے اندر کوئی حکم مانتا اور ان کو چھلکنے کی جگہ سمجھتا ہے بلکہ صرف اس لئے کہ طاعت صرف ایک ہی کے لئے ہے۔ اور حکم صرف ایک ہی کا ہے۔ جب اس ایک ہی حکم دینے والے نے ان سب باتوں کا حکم دے دیا۔ تو ضرور ہے کہ خدا کے لئے ان سب بندوں کو بھی مانا جائے اور اللہ کی اطاعت کی خاطر وہ اس کے بندوں کا بھی مطیع ہو جائے۔

پس فی الحقیقت دنیا میں ہر انسان کے لئے بے شمار

حاکم اور بہت سی جھکانے والی قوتیں ہیں لیکن مومن کے لئے صرف ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہ صرف اسی کے آگے جھکتا ہے اور صرف اسی کو مانتا ہے۔ اس کی اطاعت کا حق ایک ہی کو ہے اس کی پیشانی کے جھکنے کی چوکھٹ ایک ہی ہے اور اس کے دل کی خریداری کے لئے ایک ہی خریدار ہے۔ وہ دنیا میں اگر کسی دوسری ہستی کی اطاعت کرتا بھی ہے تو صرف اسی ایک کے لئے۔ اس لئے اس کی بہت سی اطاعتیں بھی اس ایک ہی اطاعت میں شامل ہو جاتی ہیں۔ ۵

مقصود ماز و بر و حرم جس زجیب نیست

ہر کجا کنیم سجدہ ہداں آستان رسد

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں اپنے ساتھیوں سے کیا پوچھا تھا؟

اعلان یوسفی | ءاز باب متفرقون خیرا ہر اللہ الواحد

القہار (۱۲ : ۳۹)

”بہت سے معبود بنا لینا بہتر ہے۔ یا ایک ہی قہار

و مقتدر خدا کو پوجنا۔“

یہی وہ خلاصہ ایمان و اسلام ہے جس کی ہر مومن و مسلم کو قرآن کریم نے تعلیم دی ہے۔

ان الحکم الا للہ اہل لا تعبدوا

الا ایاہ -

”تمام جہان میں اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کی ستم

ہو اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کو
 نہ پوجیں اور نہ کسی کو اپنا معبود بنا میں ۹
 یہی ”دینِ قیسم“ ہے جس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔
 ذلک الدین القیم و لکن اکثر
 الناس لا یعلمون (۲۲ : ۷۰)
 حدیث صحیح ہے کہ فرمایا :-

لأطاعة المخلوق فی معصیة
 الخالق (بخاری و مسلم)

”جس بات کے ماننے میں خدا کی نافرمانی ہو
 اس میں کسی بندے کی فرمانبرداری نہ کرو“

اسلام نے یہ کہہ کر فی الحقیقت ان تمام ماسوائے اللہ اطاعت
 اور فرمانبرداریوں کی بندشوں سے مومنوں کو آزاد و حر کا مل
 کر دیا جن کی بیڑیوں سے تمام انسانوں کے پاؤں جو جھل ہو رہے
 تھے۔ اور اس ایک ہی جہد میں انسانی اطاعت اور پیروی کی
 حقیقت اس وسعت اور احاطہ کے ساتھ سمجھا دی کہ اس کے
 بعد اور کچھ باقی نہ رہا۔ یہی ہے جو اسلامی زندگی کا دستور العمل ہے
 اور یہی ہے جو مومن کے تمام اعمال و اعتقادات کی ایک مکمل تصویر
 ہے۔ اس تعلیم الہی نے بتلادیا ہے کہ جتنی اطاعتیں جتنی فرمانبرداریاں
 اور جس قدر بھی تسلیم و اعتراف ہے صرف اسی وقت تک کے
 لئے ہے جب تک بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات
 نہ جاتی ہو۔ اور دنیا والوں کے وفادار بننے سے خدا کی حکومت

کی بغاوت نہ ہوتی ہو۔ لیکن کبھی ایسی صورت پیش آجائے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے احکام میں مقابلہ آپڑے تو پھر تمام اطاعتوں کا خاتمہ تمام عہدوں اور شرطوں کی شکست، تمام رشتوں اور ناظوں کا انقطاع اور تمام دوستیوں اور محبتوں کا اختتام ہے۔ اس وقت نہ تو حاکم حاکم ہے نہ بادشاہ بادشاہ، نہ باپ، باپ، نہ بھائی، بھائی سب کے آگے تمر و سب کے ساتھ انکار سب کے سامنے سرکشی سب کے ساتھ بغاوت پہلے جس قدر نرمی تھی اتنی ہی اب سختی چاہئے، پہلے جس قدر اعتراف تھا، اتنا ہی اب تمر و چاہئے۔ پہلے جس قدر فرمانبرواری تھی، اتنی ہی اب نافرمانی مطلوب ہے۔ پہلے جس قدر جھکاؤ تھا، اتنا ہی اب غرور ہو، کیونکہ رشتے کٹ گئے۔ اور عہد توڑ ڈالے گئے۔ رشتہ درہل ایک ہی تھا۔ اور یہ سب رشتے اسی ایک رشتے کی خاطر تھے حکم ایک ہی کا تھا۔ اور یہ سب اطاعتیں اس ایک کی اطاعت کے لئے تھیں جب ان کے ماننے میں اس سے انکار اور ان کی وفاداری میں اس سے بغاوت ہونے لگی تو جس کے حکم سے رشتہ جوڑا تھا اسی کی تلوار نے کاٹ بھی دیا۔ اور جس کے ہاتھ نے ملایا تھا اسی کے ہاتھ نے الگ بھی کر دیا۔ کہ لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

سرور کائنات اور سید المرسلین (صلعم) سے بڑھ کر مسلمانوں کا کون آقا ہو سکتا ہے لیکن خود اس نے بھی جب عقبہ میں انصار سے بیعت لی تو فرمایا کہ اطاعت فی معروف، میری اطاعت نہیں ہے۔

اسی وقت تک واجب ہے۔ جب تک کہ میں تم کو نیکی کا حکم دوں
جب اس شہنشاہ کو مین کی اطاعت مسلمانوں پر نیکی اور معروف
کے ساتھ مشروط ہے تو پھر دنیا میں کون بادشاہ کو کسی حکومت
کون سے پیشوا، کون سے رہنما اور کونسی قوتیں ایسی ہو سکتی ہیں
جن کی اطاعت ظلم و عدوان کے بعد بھی ہمارے لئے باقی رہے؟
مومن ایک ذات کا محکوم | آدم کی اولاد دو کی محکوم نہیں
ہو سکتی۔ وہ ایک سے ملے گی دوسرے

کو چھوڑے گی۔ ایک سے جوڑے گی دوسرے سے کٹے گی۔
پھر خدا را مجھے بتاؤ کہ ایک مومن کس کو چھوڑے گا۔ اور کس سے
ملے گا؟ ایک ملک کے دو بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ ایک باقی
رہے گا۔ ایک کو چھوڑنا پڑے گا۔ پھر مجھے بتاؤ کہ مومن کی اقلیم دل
کس کی بادشاہت قبول کرے گی؟.....

”دنیا اور اس کی بادشاہتیں فانی ہیں۔ ان کے جبروت و
جلال کو ایک دن مٹنا ہے۔ خدائے منتقم و قہار کے بھیجے ہوئے
فرشتہ ہائے عذاب انقلاب و تغیرات کے حربے لے کر اترنے والے
ہیں۔ ان کے قلعے مسمار ہو جائیں گے۔ ان کی تلواریں کند ہو جائیں
گی۔ ان کی فوجیں ہلاک ہوں گی۔ ان کی توپیں ان کو پناہ نہ دیں
گی۔ ان کے خزانے ان کے کام نہ آئیں گے۔ ان کی طاقتیں نیست
و نابود کر دی جائیں گی۔ ان کا تاج غرور ان کے سر سے اتر جائیگا
ان کا تخت جلال و عظمت وارث گوں نظر آئے گا۔

وَيَوْمَ تَشْقُقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَتَنْزِلُ

الملئكة تنزيلاً الملك يومئذ الحق
للرحمن وكان يوماً على الكافرين عسيراً
(۲۸: ۴۵)

اور جس دن آسمان ایک بادل کے ٹکرے پر سے
پھٹ جائے گا اور اس بادل کے اندر سے فرشتے
جوق در جوق اتارے جائیں گے۔ اس دن کسی کی
بادشاہت باقی نہ رہے گی۔ صرف خدائے رحمن
ہی کی حکومت ہوگی۔ اور یاد رکھو کہ وہ دن کافروں کے
لئے بہت ہی سخت دن ہوگا۔

پھر اس دن کہ رب الفلق اپنے ہزاروں ہزار قدوسیوں کے ساتھ نمودار
ہوگا۔ اور ملک السموات والارض کا نقیب پکارے گا
لمن الملك اليوم لله الواحد القهار

(۱۶: ۴۰)

آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ کسی کی نہیں صرف

خدائے واحد و قہار کی!

تو اس وقت کیا عالم ہوگا ان انسانوں کا جنہوں نے بادشاہ
ارض و سما کو چھوڑ کر مٹی کے بتوں کو اپنا بادشاہ بنا لیا ہے۔ اور
ان کے حکموں کی اطاعت کو خدا کے حکموں کی اطاعت پر ترجیح
دیتے ہیں؟ آہ اس دن وہ کہاں جائیں گے جنہوں نے انسانوں
سے صلح کرنے کے لئے خدا سے جنگ کی، اور اپنے اس ایک ہی
آقا کو ہمیشہ اپنے رب سے روٹھا ہوا رکھا؟ وہ پکاریں گے پھر

جواب نہ دیا جائے گا۔ وہ فرمادیں گے۔ پرستی نہ جائے گی۔ وہ توبہ کریں گے۔ پر قبول نہ ہوگی۔ وہ نادم ہوں گے۔ پر ندامت کام نہ دے گی۔“.....

”پس سفر سے پہلے زادِ راہ کی فکر کر لو۔ اور طوفان سے پہلے کشتی بنا لو۔ کیونکہ سفر نزدیک ہے اور طوفان کے آثار ظاہر ہو گئے ہیں جن کے پاس زادِ راہ نہ ہوگا وہ بھوکے مریں گے۔ اور جن کے پاس کشتی نہ ہوگی وہ سیلاب میں غرق ہو جائیں گے۔ جب تم دیکھتے ہو کہ مطلع غبارِ آلود ہوا اور دن کی روشنی بدلیوں میں چھپ گئی تو تم سمجھتے ہو کہ برق و باران کا وقت آگیا۔ پھر نفیس کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کے امن و امان کا مطلع غبارِ آلود ہو رہا ہے دین الہی کی روشنی ظلمتِ کفر و طغیان میں چھپ رہی ہے مگر تم یقین نہیں کرتے کہ موسم بدلنے والا ہے۔ اور تیار نہیں ہوتے کہ انسانی بادشاہتوں سے کٹ کر خدا کی بادشاہت کے مطیع ہو جاؤ؟ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا کے تختِ جلال کی منادی پھر بلند ہو اور اس کی زمین صرف اسی کے لئے ہو جائے؟“

حتیٰ لا تَکون فتنۃً ویکون الدین للہ

(۱۸۹: ۲)

”آج خدا کی حکومت اور

انسانی بادشاہتوں میں ایک

سخت جنگ بپا ہے شیطان

کا تخت زمین کے سب سے

حکومتِ الہی اور انسانی

بادشاہتوں میں جنگ

بڑے حصے پر بچھا دیا گیا ہے۔ اس کے گھرانے کی وراثت اس کے پوجنے والوں میں تقسیم کر دی گئی ہے۔ اور ”دجال“ کی فوج ہر طرف پھیل گئی ہے۔ یہ شیطانی بادشاہتیں چاہتی ہیں کہ خدا کی حکومت کو نیست و نابود کر دیں۔ ان کے دائیں جانب دنیوی لذتوں اور عزتوں کی ایک ساحرانہ جنت ہے اور بائیں جانب جسمانی تکلیفوں اور عقوبتوں کی ایک دکھائی دینے والی جہنم بھڑک رہی ہے۔ جو فرزند آدم خدا کی بادشاہت سے انکار کرتا ہے۔ یہ دجال کفر و ظلمت اس پر اپنی جا دو کی جنت کا دروازہ کھول دیتے ہیں کہ جو حق پرستوں کی نظر میں فی الحقیقت خدا کی لعنت اور پھٹکار کی جہنم ہے۔ ”لابثین فیہا احقابا۔ لا یذوقون فیہا برطولا شربا۔“ (۴۸ : ۲۳) اور جو خدا کی بادشاہت کا اقرار کرتے ہیں ان کو ابلیسی عقوبتوں اور جسمانی سزاؤں کی جہنم میں دھکیل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”حرقوہ والنار“ آگ کھٹکھٹکھ (۲۱ : ۶۸) مگر فی الحقیقت سچائی کے عاشقوں اور راستبازی کے پرستاروں کے لئے وہ جہنم جہنم نہیں ہے۔ لذتوں اور راحتوں کی ایک جنت النعیم ہے۔ کیوں کہ ان کے لسان ایمان و یقان کی صدایہ ہے کہ :-

فاقص ما انت قاض انما تقضی ہذا
الحیوة الدنیا انا منابرنا لیغفر لنا
خطایانا (۲۰ : ۴۵)

اے دنیوی سزاؤں کی طاقت پر مغرور ہونے والے

بادشاہ توجہ کچھ کرنے والا ہے کہ گزرے تو صرف دنیا کی
اس زندگی اور گوشت اور خون کے جسم ہی پر حکم چلا
سکتا ہے پس چلا دیجئے ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان
لا چکے ہیں تاکہ ہماری خطاؤں کو معاف کرے تیری
دنیاوی سزائیں ہمیں اس کی راہ سے باز نہیں سکتیں

جب کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور زمین کے ایک خاص ٹکڑے
ہی میں نہیں بلکہ اس کے ہر گوشے میں آج ہی مقابلہ جاری ہے
تو بتلاؤ پرستار ان دین جنہیں ان دجالہ کفر و شیطنت اور اس
حکومت و امر الہی میں سے کس کا ساتھ دیں گے؟ کیا ان کو اس
آگ کے شعلوں کا ڈر ہے جو دجال کی حکومت اپنے ساتھ ساتھ لگائی
آتی ہے؟ لیکن کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کا مورث علی کون تھا؟
دین حنیف کے اولین داعی نے بائبل کی ایک ایسی ہی کسٹ حکومت
کے مقابلے میں خدا کی حکومت کو ترجیح دی۔ اور اُسے اُن کے لئے
کے لئے شعلے بھڑکائے گئے۔ مگر اس کی نظر میں ہلاکت کے وہ شعلے
گلزار بہشت کے شکفتہ پھول تھے۔ قلنا یا نار کوئی بردا
وسلاماً علیٰ ابراہیم ؑ (۶۹: ۲۱)

کیا ان کے دل میں دنیوی
پیر و ان حق کس سوچ میں ہیں | لذتوں اور عزتوں کی اس جھوٹی
جنت کی طمع پیدا ہو گئی ہے جس کے فریب باطل سے یہ جنود
شیطانی انسانی روح کو فتنہ میں ڈالنا چاہتی ہے؟ اگر ایسا ہے
تو کیا انھیں خبر نہیں کہ مصر کا بادشاہ حکومت الہی کا منکر ہو کر اپنی

عظیم الشان گاریبوں اور بڑے بڑے رتھوں سے اور اس ملک
سے جس پر اسے "سَرَبَتِ اَعْلٰی" ہونے کا گھمنڈ تھا کتنے دن
مُتَمَتِّع ہو سکا؟

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلٰى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا
شُعَايَ يَسْتُزْعِفُوْا ثَغْوًا مِنْهُمْ يَذَّخُّ
اَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا
مِنَ الْمَفْسِدِيْنَ وَنَرِيْدَانِ نَصْرَ عَلِيٍّ الَّذِيْنَ
اَسْتَضْعَفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجَعْلُهُمْ اُتُمَّةً
وَنَجَعْلُهُمُ الْوَارِثِيْنَ وَنَمَكِّنْ لَهُمْ فِي
الْاَرْضِ وَنَرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ
جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

(۳: ۲۸)

فرعون ارض مصر میں بہت سی بڑھ چڑھ نکلا تھا۔
اس نے ملک کے باشندوں میں تفریق کر کے الگ الگ
گروہ قرار دے رکھے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ بنی
اسرائیل کو اس قدر کمزور اور بے بس سمجھ رکھا تھا۔ کہ ان کے
فرزندوں کو قتل کرتا اور ان کے اعراض و ناموس کو برباد
کرتا اس میں شک نہیں کہ وہ زمین کے مفسدوں میں
سے بڑا ہی مفسد تھا لیکن بائیں ہمہ ہمارا فیصلہ یہ تھا کہ
جو قوم اس کے ملک میں سب سے زیادہ کمزور سمجھی گئی تھی
اسی پر احسان کریں اسی قوم کے لوگوں کو وہاں کی سرکاری

دریاست بخشیں انھیں کو وہاں کی سلطنت کا وارث
بنائیں اور انھیں کی حکومت کو تمام ملک میں قائم کریں
اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ فرعون دہمان اور اس کے
لشکر کو جس ضعیف قوم کی طرف سے بغاوت و خروج
کا کھڈکا لگا رہتا تھا اسی کے ہاتھوں ان کے ظلم و
استبداد کا نتیجہ ان کے آگے آئے۔

مسلمانو! کیا متاعِ آخرت بیچ کر دنیا کے چند خرف ریزوں پر
قناعت کی خواہش ہے؟ کیا اللہ کی حکومت سے باغی رہ کر دنیا
کی حکومتوں سے صلح کرنے کا ارادہ ہے؟ کیا تقدیر جیات ایدیم
کر معیشت چند روزہ کا سامان کر رہے ہو؟ کیا تمھیں یقین نہیں
ماہلہ الحیوة الدنیا الا للہ و
لعب وان الدار الاخرۃ لہی الحیوان

(۲۹ ۶۴)

یہ دنیا کی زندگی (جو تعلقِ الہی سے خالی ہے) اس کے
سوا اور کیا ہے کہ فانی خواہشوں کے پہلانے کا ایک
کھیل ہے؟ اصلی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے
جس کے لئے اس زندگی کو تیار کرنا چاہئے۔

اگر تم صرف دنیا ہی کے طالب ہو جب بھی اپنے خدا کو نہ چھوڑو
کیونکہ وہ دنیا و آخرت دونوں بخشنے کے لئے تیار ہے تم کیوں
صرف ایک ہی پر قناعت کرتے ہو؟

ومن کان یرید ثواب الدنیا فعند اللہ

ثواب الدنیا والآخرۃ (۴: ۳۳)
 اور جو شخص دنیا کی بہتری کا طالب ہے اس سے
 کہہ دو کہ صرف دنیا ہی کے لئے کیوں ہلاک ہوتا
 ہے؟ حالانکہ خدا تو دین اور آخرت دونوں کی بہتری
 دے سکتا ہے، وہ خدا کے پاس آئے اور آخرت
 کے ساتھ دنیا کو بھی لے۔

مسلمانو! پکارنے والا پکار رہا ہے کہ اب بھی خدا قدوس
 کی سرکشی اور نافرمانی سے باز آ جاؤ اور باز آ جاؤ۔ اور بادشاہ
 ارض و سما کو روٹھا ہوا نہ چھوڑو۔ جس کے روٹھنے کے بعد زمین و
 آسمان کی کوئی ہستی بھی تم سے من نہیں سکتی، اس سے بغاوت نہ
 کرو بلکہ دنیا کی تمام طاقتوں سے باغی ہو کر صرف اسی کے وفادار
 ہو جاؤ۔“

یہ ہے مولانا ابوالکلام کی دعوتِ بیدار دعوت جس طرح جولائی
 ۱۹۱۴ء میں حق حقیقی اسی طرح ضروری، سلسلہ ۱۹۱۵ء میں بھی حق ہے
 یہ دعوت دینی حقائق پر مبنی ہے اور دینی حقائق غیر تبدیل ہوتے
 ہیں کلامِ بدل تکلمت اللہ ۵

حضرت مولانا آزاد کا ایک تاریخی بیان

”میں نے ہمیشہ خدا کا کام کیا ہمیشہ قرآن کی دعوت کی“
 سلسلہ ۱۹۱۶ء میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا اہللال تبند جو کا
 تھا، اور اس کی جگہ مولانا ”البلاغ“ اٹھال رہے تھے، اس سائل

بنگال کی حکومت نے مولانا کو بنگال سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس موقع پر ۱۷-۲۴-۳۱ راج ۱۹۱۶ء کے مشترکہ ”البلک“ میں مولانا نے اپنا ایک اہم بیان شائع کیا تھا۔ اس وقت تک مولانا کی دعوت کس چیز کی طرف تھی، یہ مولانا کے اس تاریخی بیان سے ظاہر ہو گا۔
مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

”ان لوگوں کے لئے جن کو اول روز ہی،

یا عبادی الذین آمنوا ان ارضی واسعتا
فایای فاعبدوا (۲۹: ۵۷)

اے میرے بندو کہ مجھ پر ایمان رکھتے ہو یقین کرو کہ میری زمین بہت وسیع ہے اور کسی ایک ٹکڑے میں محدود نہیں پس میرے آگے جھکنا اور صرف میری ہی بندگی کرو۔

کا حکم مل چکا ہے۔ یہ احکام بالکل بے اثر ہیں اور ترک وطن و ذہاب الی اللہ تو وہ منزل محبوب و مطلوب ہے جس کا منزل تبلیغ و دعوت کے بعد پیش آنا ہر بقاء و ظہور کے لئے ناگزیر ہے۔ پس اگر یہ منزل پیش آگئی ہے تو خدا کے قدموں کی تحید و تقدیس کرنی چاہئے۔ کہ انشاء اللہ آخری منزل بھی دور نہیں اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من نکتون لہ عاقبة الدار

حضرت مولانا اپنے اصول دعوت

مولانا کا اصول دعوت | اور مسلمانوں کی فلاح و سعادت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

”جب کہ تمام زمانے کے سامنے انسانوں کے بنائے ہوئے طریقے تھے اور جب کہ سچی عمل کا ہر ولولہ اس سے زیادہ بلند نہیں ہو سکتا تھا کہ غیر قوموں کے مجلسی و اجتماعی طریقوں کی ادھوری اور ناقص تقلید کر کے امتِ موجودہ کو بھی ان کی طرف دعوت دی جا تو فضل و رحمت الہی نے اس عاجز کی رہنمائی کی۔ اور بغیر اس کے کہ کوئی انسانی نمونہ یا مادی تحریک اس کے لئے محرک ہوئی ہو خود بخود اس راہِ عمل کو کھول دیا۔ جس کو بغیر لطف و توفیق الہی کے اس دنیا میں کوئی نہیں پاسکتا۔ پس ابتداء ہی سے اس عاجز نے تمام نام نہاد سیاسی و قلبی و قومی تحریکوں سے الگ ہو کر صرف دعوت و تبلیغِ اسلامی و قرآنی کی صراطِ مستقیم کو اپنا شعار و دستور العمل قرار دیا۔ اور ایک ایسے عہدِ ضلالت میں جو طرح طرح کی انسانی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔ سب سے پہلے اجیب و احادی علی اللہ کی صدا بلند کی۔ نیز اس گم شدہ حقیقت کو آشکارا کر دینے کی توفیق پائی کہ مسلمانوں کی نجات و فلاح نہ تو محض دعوتِ تعلیم میں ہے نہ دعوتِ قومیت و سیاست میں۔ نہ انجمنوں کی کثرت میں ہے اور نہ محض مدرسوں اور کالجوں کے قائم کرنے میں بلکہ جب تک حضراتِ انبیائے کرام کے اسوۂ حسنہ اور داعیِ اسلام کی سنتِ مقدسہ سے کوئی دعوتِ ماخوذ نہ ہوگی اور انسانی طریقوں کی جگہ الہی سرچشموں سے فیض یاب ہو کر نشو و نما نہ پائے گی۔ اس وقت تک کہ کامیابی اور فلاح حاصل نہیں ہو سکتی جس کے متعلق کلامِ الہی نے فرما دیا ہے کہ صرف متقین و مومنین کے لئے مخصوص ہے۔“

حضرات انبیاء کرام کا اسوۂ حسنہ ہم کو بتلاتا ہے کہ سب سے پہلی منزل تبلیغ و دعوت کی ہے۔ اور دوسری ذہاب الی اللہ اور ترک وطن کی اور پھر تیسری ظہور امر الہی کی سادریکم ایانی فلا تست عجلون۔

۲ گے چل کر حضرت مولانا حکیم فرید الدین
”میں نے ابتدائے اشاعت

غیر مبدل حقیقت

”الہلال“ سے لے کر اس وقت تک جو کچھ لکھا اور کہا اس کا حرف حرف زمانہ کے علم و حافظہ میں محفوظ ہے۔ میں نے نہ تو کبھی تعلیم کا ذکر کیا ہے نہ سیاسی اصولوں اور تقلیدوں کی دعوت دی نہ ان رہنماؤں اور پیشواؤں کی راہ اختیار کی جنہوں نے امت مرحومہ کی تجدید و احیاء کو غیر قوموں کی تقلید و اتباع میں محدود دیکھا ہے اور نہ کبھی انسانوں کے بنائے ہوئے طریقوں اور حکمت عملیوں کو اختیار کیا جو انہائے زمانہ کی بلند پروازیوں کا ہمیشہ منہمکے خیال رہا ہے۔ برخلاف اس کے میں نے ہمیشہ خدا کا کام کیا میں نے ہمیشہ قرآن کی دعوت دی۔ میں نے ہمیشہ ایمان۔ یقین۔ اعتقاد اور عمل صالح کا ذکر کیا۔ اور میں نے جب کبھی کوئی بات کہی اس کو وحی الہی کی داعی اور غیر متغیر یقینات اور حقائق کی بناء پر پیش کیا۔ میں اپنے ساتھ ایک یقین رکھتا تھا۔ میری دعوت کی بنیاد انسانی افکار پر نہیں بلکہ ایک دینی اعتقاد پر تھی۔ دنیا کی ہر چیز بدل سکتی ہے مگر الہی اعتقاد یقین نہیں بدل سکتا۔ اسی لئے زمانہ کی کوئی تبدیلی میرے لئے موثر ثابت نہ ہو سکی۔“

چند ضروری سوالات | یہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد کی پہلی دعوت اور مولانا کے علم و اعتقاد کے مطابق مسلمانوں کی نجات و فلاح کی راہ مولانا کے ارشاد کی روشنی میں حسب ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) کیا مولانا کی موجودہ راہ عمل اس راہ سے مختلف نہیں ہے جس

کا اعلان و اظہار مولانا نے اپنے اوپر والے بیان میں فرمایا؟

(۲) کیا مولانا کی موجودہ راہ عمل غیر قوموں کے مجلسی اجتماعی طریقوں

کی ادھوری اور ناقص تقلید نہیں؟

(۳) کیا مولانا کا موجودہ مسلک نام نہاد تعلیمی و سیاسی و قومی تحریکوں

سے الگ صرف دعوت و تبلیغ اسلامی اور قرآنی کی صراطِ مستقیم

اور شعار و دستور العمل کے مطابق ہے؟

(۴) کیا مولانا کا موجودہ مسلک حضراتِ انبیاء کے کرام اور داعی

اسلام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ و سنتِ مقدسہ

کی دعوت سے ماخوذ ہے؟

(۵) اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے اور ظاہر ہے کہ نفی میں

ہے تو کیا مسلمان مولانا کے موجودہ مسلک کی پیروی کر کے

جو انبیاء کے کرام اور حضرت داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

اسوۂ حسنہ و سنتِ مقدسہ سے ماخوذ نہیں ہے، وہ کامیابی

اور فوز و فلاح حاصل کر سکتے ہیں جن کے متعلق خود مولانا کے الفاظ

میں کلام الہی نے فرمادیا ہے کہ وہ صرف متیقن اور مومنین ہی کے

لئے مخصوص ہے؟

(۶) کیا مولانا کی موجودہ راہ ان پیشواؤں اور رہنماؤں کی راہ نہیں ہے جو امتِ مرحومہ کی تجدید و احیاء کو غیر قوموں کی تقلید و اتباع میں محدود دیکھتے ہیں ؟

(۷) کیا مولانا اپنی موجودہ حیثیت سے جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ وحی الہی کی دائمی اور غیر متغیر یقینات و حقائق پر مبنی ہے ؟ اور کیا مولانا کی موجودہ دعوت کی بنیاد انسانی افکار پر نہیں بلکہ دینی افکار پر ہے ۔ ایسے دینی اعتقاد پر جو غیر مُبدل ہے ؟

ان سوالات کے جوابات صاف میں حضرت مولانا ابوالکلام موجودہ مسلک ان کی اس دعوت سے کوئی تعلق نہیں رکھنا جس کے داعی مولانا جلا وطنی کے ایام میں تھے ۔ مولانا کی موجودہ راہ بالکل وہی ہے جس سے علیحدگی اور بے تعلقی مولانا کی اس زمانے کی دعو کی انتیازی خصوصیت تھی اور اس زمانے کی دعوت کے بارے میں مولانا کا ارشاد ادا پر گزر چکا ہے کہ میری دعوت کی بنیاد انسانی افکار پر نہیں بلکہ ایک دینی اعتقاد پر تھی ۔ دنیا کی ہر چیز بدل سکتی ہے لیکن الہی اعتقاد نہیں بدل سکتا ۛ

مولانا کے اس ارشاد کے صاف معنی یہ ہیں کہ خود مولانا کے مسلک کی تبدیلی بھی مولانا کی سابق دعوت کی حقیقت کو نہیں بدل سکتی کیونکہ وہ الہی اعتقاد پر مبنی ہے ۔

ایسی صورت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم مولانا کے موجودہ مسلک کی نہیں بلکہ ان کی سابقہ دعوت کی پیروی کریں ۔ اور اپنی تمام کوششیں اس بات پر صرف کر دیں کہ مولانا اپنے سابقہ مقام پر واپس آجائیں

مولانا کی ذات سے سچی عقیدت و ارادت کا تقاضہ یہی ہے۔
 اقامتِ دین کی تحریک سے دلچسپی رکھنے والوں میں
 ایسا کون ہوگا جس کے دل میں اس دعوت کے اولین داعی کی
 محبت نہ ہوگی اور وہ دوبارہ اس کے ہاتھ میں اس تحریک کا علم
 امارت دیکھنے کا متمنی نہ ہوگا۔ کاش وہ مبارک دن آتا اور جلد آتا۔
 جب مولانا ابوالکلام آزاد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا خلیل
 اور مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ایک ہی صف میں کھڑے
 نظر آئیں گے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور حکومت الہیہ

قرآن مجید میں الاقوامی پروگرام ہے

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ ایک غیر مسلم
سکھ خاندان سے نکل کر اسلام کی آغوش میں داخل ہوئے
اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ الزبیر
کے حلقہ علم و عمل میں تعلیم و تربیت پا کر امامت و پیشوائی کے
منصب پر فائز ہو گئے۔

مولانا عبید اللہ سندھی جہاد و ایثار کا ایک جلیل القدر
پیکر تھے، انھوں نے دین و ملت کی راہ میں جو قربانیاں
کیں ان کی نظیر اسلامی ہند میں شاذ و نادر ہے کسی مبالغہ
کے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ ان کی پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ
میں گزری۔

ربیع صدی سے زیادہ کی جلا وطنی اور جہاں گردی کے بعد حضرت مولانا سندھی ہندوستان واپس آئے تو ایک خاص دینی و سیاسی فکر لے کر آئے جس سے اسلامی ہند میں ایک لمبھل سی مچ گئی، جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ایک حلقے نے مولانا کے افکار و خیالات کا خیر مقدم کیا لیکن مولانا کے رفقاء سے قدیم کے نزدیک وہ افکار و خیالات ناقابل قبول ثابت ہوئے۔

اس وقت تک حضرت مولانا سندھی کے افکار و خیالات سے متعلق متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اور متعدد حضرات ان پر مخالفانہ جرح و تنقید بھی کر چکے ہیں، خود حضرت مولانا سندھی کے رفقاء یعنی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین مولانا کے دینی و سیاسی اصول و افکار سے متفق نہیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا سندھی کے اصول و افکار کچھ ہیں بھی ایسے ہی کہ دینی علوم و عقائد کے نمائندوں کا ان سے کئی اتفاق ممکن نہیں۔

یہ ایک سوال ہے کہ جب حضرت مولانا سندھی شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے تربیت یافتہ ہیں، ان کے رفقاء خاص کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ حضرت مولانا محمد قاسم اور دوسرے اکابر اسلام کی تصانیف سے انہوں نے استفادہ کیا تو ان کے افکار و خیالات میں اس قدر انتشار و اضطراب کیونکر پیدا ہو گیا؟ اس سوال

کے جواب میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا ایک طویل بیان میرے پیش نظر ہے اس بیان کا ماحول یہ ہے کہ دین و ملت کی راہ میں مدتِ دیدن تک حضرت مولانا سیدھی کو جو غیر معمولی اور ناقابلِ برداشت آلام و مصائب جھیلنے پڑے انہوں نے مولانا کے دماغی توازن کو درہم و برہم کر دیا۔

حضرت مولانا مدنی صاحب اپنے بیان میں تحریر فرماتے ہیں۔
 مولانا مصائب جھیلنے ہوئے جب حجاز میں پہنچے ہیں اور یہیں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے تو ان کی حالت دیکھ کر ہمارے تعجب و تیر کی کوئی انتہا نہیں رہی، ہم نے دیکھا کہ مولانا کی وہ ذہانت و ظرافت وہ حلم اور بردباری وہ سکون اور سکوت جس کو ہم پہلے مشاہدہ کرتے تھے سب کے سب تقریباً غصت ہو چکے، ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں۔ چیخنے چلانے لگتے ہیں غصہ آ جاتا ہے۔ باتیں بہت زیادہ کرنے لگتے ہیں۔ بسا اوقات ایک ہی مجلس میں متضاد اور متخالف امور فرماتے رہتے ہیں۔ ہندوستان شریف لانے کے بعد بھی ان کے احوال متضاد یہ میں کمی نہیں مٹی بلکہ کچھ اضافہ ہی رہا جس کی بناء پر ہم کو یقین ہو گیا کہ مولانا کے دماغی توازن پر کاری اثر پڑا ہے اور کیوں نہ ہو جو ناساز احوال اور گونا گوں صدماتِ عظیمہ ان کو پیش آئے

تھے۔ ان کا یہ اثر بہت ہی کمترین اثر تھا۔ چنانچہ متعدد مجالس میں خود مولانا بھی اس کے مقرر ہوئے۔ ایسے احوال میں یقیناً ہر چیز کا جادہ اعتدال سے ہٹ جانا اور جہل شیون میں اختلال پیدا ہو جانا طبعی بات ہے۔ چنانچہ یہ دماغی انقلاب نہ صرف مولانا کی سیاسیات تک ہی محدود رہا۔ بلکہ علمی اور مذہبی ثقافت اور تحریکات تک بھی متجاوز ہوا اور اسی امر نے مولانا کی علمی قابلیت اور پیش از پیش قربانیوں کے ہوتے ہوئے منہ نہ پلک اور سیاسی رہنماؤں میں اس رتبہ اور پوزیشن کو مولانا مرحوم کے لئے حاصل نہ ہونے دیا جس کے وہ یقیناً مستحق تھے“
(روزنامہ ہلال نوبھئی)

اس کے بعد حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ حضرت مولانا سندھی کے ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے افکار و خیالات میں جو چیزیں اسلامی عقائد و اعمال کے متعلق ہوں ان کو لے لیں اور جو چیزیں اسلامی عقائد و اعمال کے خلاف ہوں انھیں چھوڑ دیں۔
حضرت مولانا مدنی کی اس رائے کی اصابت میں کسی کو کلام نہ ہونا چاہئے، حضرت مولانا مدنی کی اس رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم ذیل میں حضرت مولانا سندھی کے افکار و خیالات پیش کر رہے ہیں۔

”ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شخصی اوصاف میں اس قدر انہماک کر چکے ہیں کہ ان کی پیدا کی ہوئی جماعت کی قدر و قیمت

ہماری نظروں سے خالی رہی۔ مگر قرآن شریف کا ایک اشارہ ہم پر
اس نچیل کو درست کرنے کے لئے کافی ہے۔

”محمد رسول اللہ کے ساتھ ”وَالَّذِينَ مَعَهُ“ ملا کر آپ

تمام کامیابی کو جماعتی کام بنا دیا گیا ہے..... قرآن عظیم
نے جو دعائیں عقائد پر مضبوط رہنے کے لئے ہمیں سکھائی ہے۔ وہ
سورہ فاتحہ میں مذکور ہے وہاں ”صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ“ کی تفسیر
”الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ“ سے کی گئی ہے۔ اور
”الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ“ کی تفسیر خود قرآن شریف
میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین سے کی گئی ہے۔ اس
سے فی البدیہہ قرآن شریف کی تعلیم کو اجتماعی سمجھنا ضروری تھا۔ مگر
کس بے التفاتی کا شکار ہو کر ہم انفرادیت کی دلدل میں پھنس
گئے۔ اس کے بعد میرے دماغ پر یہ اثر ہوا کہ قرآن عظیم دنیا کی تمام
اقوام میں انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام ہے اس میں آیت ”هُوَ
الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ“ سے

استنباط کیا۔

دین ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ رہ چکا ہے اور قوی اور کمزور
حصہ اس قوم کا دین کہلاتا ہے جب اس دین حق کو تمام ادیان پر غلبہ
کرنا منظور ہے تو تمام اقوام میں انقلاب پیدا کرنا ضروری ہوگا انقلاب
مذکور کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ تمام ادیان پر غلبہ فقط تعلیم ذریت
کے ذریعہ سے ہو۔ اس طرح مستحق ہوتا تو قومیں اپنی خوشی کے آس

دین حق کو قبول کرتے ہیں جب اس کے ساتھ ”وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ“ کا جملہ نازل ہو چکا ہوتا۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مرکزی طاقت کے زور سے اس دین کا غلبہ حاصل کیا جائے۔ ”انٹرنیشنل انقلاب“ کا ترجمہ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں سمجھ سکتے۔“

مولانا سندھی قرآن مجید کو ”انٹرنیشنل انقلاب“ کا پروگرام سمجھتے ہیں۔ اور قرآن مجید کے پیش کردہ دین حق کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کرنے کے لئے بین الاقوامی انقلاب کے ذریعہ ادیانِ عالم پر دین حق کو غالب کیا جائے گا، اس نتیجہ کے طور پر جو نظام حیات بروئے کار آئے گا وہ الہی نظام ہوگا۔ اور جو حکومت کارفرما ہوگی وہ حکومتِ الہیہ ہوگی بالفاظِ دیگر وہ نظامِ زندگی نافذ اور عمل پذیر ہوگا جس کا حال قرآن ہے۔

آگے چل کر مولانا سندھی فرماتے ہیں:-
”اگر قرآن مجید کی تعلیم کو ”انٹرنیشنل انقلاب“ کا پروگرام مان لیا جائے تو اس کے لئے عین چیزوں کی تعیین ضروری ہے (الف) اس کا آئیڈیا (ب) اس کا پروگرام (ج) اس پروگرام کو چلانے والی سنٹرل کمیٹی۔“

کوئی انقلابی تحریک پالیٹکس کے سوا کامیاب نہیں ہوتی اور ہر پالیٹکس میں ان تین چیزوں کی تعیین ضروری ہے۔
(۱) میں نے قرآن عظیم میں غور کر کے اس کا آئیڈیا اس آیت کو مقرر کیا ہوا الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولًا بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

(۲) پروگرام کے لئے ”حزب اللہ“ کی تعینیح متحدہ ضروری ہے۔ ”حزب اللہ“ اس پارٹی کا نام ہے جو قرآن عظیم کے انترنیشنل انقلاب کو کامیاب بنانا اپنا مقصد حیات قرار دیتی ہے۔

حزب اللہ کی ضروریات پر قرآن عظیم کی مختلف سورتوں میں کافی ہدایتیں دی گئی ہیں جہاں جہاں یا ایہا الذین آمنوا وغیرہ سے مومنین کو خطاب کیا گیا ہے کہ وہ کفار اور منافقین کے راستہ پر نہ چلیں بلکہ فلاں فلاں حکم کی اس طرح پابندی کریں ان تمام مواقع کو حزب اللہ کا پروگرام سمجھنا چاہئے۔

”یا ایہا الذین آمنوا“ کے پہلے مخاطب حزب اللہ ہی کے افراد ہوتے ہیں۔ اس میں مرد و عورت اور عرب و عجم سب شامل ہیں اس کا پہلا نمونہ ”السا بقون الاولون من المهاجرین والانیضار“ ہیں اور ان کے بعد ”اتبعو باحسن“ قیامت تک کی جمیع اقوام مسلمہ کو شامل ہے۔ اس طرح قیامت تک جاری رہے گا۔

(۳) اب فقط مرکزی کمیٹی کا سوال باقی رہ جاتا ہے میری سمجھ میں آیت ”السا بقون الاولون من المهاجرین والانیضار“ سنٹرل کمیٹی کو معین کر دیتی ہے؟ (امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف مطبوعہ ماہنامہ ”الفرقان“ بریلی ولی اللہ نمبر سے ماخوذ)

از بس کہ حضرت مولانا سندھی کے افکار و خیالات کا یہ لمبی مختصر سا اقتباس ہے، لیکن اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا

کے تمام تر فکر و نظر کا مرکز و محور حکومت الہیہ کا اجیاء و قیام تھا، اس ہندی مجاہد کبیر نے اسی مقصد عظیم کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی اور اس مقصد کے لئے دنیا کے ہر ناگوار کو گوارا کر رکھا تھا مدت العمر جان سے زیادہ عزیز مقصد کے لئے جنگ کرتے ہوئے اگر اس نے کامیابی کی صورت نہ دیکھ کر اپنا دماغی توازن کھو دیا اور جس کے نتیجہ کے طور پر اس کے خیالات و افکار میں تنازع اور تضاد پیدا ہو گیا تو یہ کوئی غیر فطری بات نہیں، آخر دل و دماغ دل و دماغ ہی تو تھے سنگ و خشت تو نہ تھے۔ اب یہ مسلمانوں خصوصاً مولانا کے رفیقوں اور اراکین و متبعین کا فرض ہے کہ مولانا نے اوپر حکومت الہیہ کا جو اجمالی خاکہ پیش کیا ہے اُسے سمجھیں اور اس خاکہ میں رنگ عمل بھرنے کی کوشش کریں۔

واضح رہے کہ حضرت مولانا سندھی نے جس آیت کریمہ ہُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولًا بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کو قرآن مجید کا آئینہ یا قرار دیا ہے۔ وہی آیت کریمہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی فکر و نظر اور دعوت و پیام کا بھی مطلع و محور ہے۔

افادات حضرت مولانا سید سلیمان ندوی خلد

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی علامہ شبلی مرحوم کے شاگرد و رشید اور ان کے جانشین ہیں۔ آپ ان علمائے بدلت میں سے ہیں جن پر اسلامی ہند کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ، تصنیف و تالیف ہر اعتبار سے مولانا کی ذات قابلِ احترام ہے۔ ”سیرۃ النبی“ کے جس سلسلہ کو علامہ شبلی مرحوم نامکمل چھوڑ گئے تھے اس کی تکمیل کی سعادت مولانا سید سلیمان کے حصے میں آئی، اس دینی خدمت نے مولانا کے شرف و امتیاز کو اور بلند کر دیا ہے۔ آپ ہندوستان کے ان علمائے ہیں جن کی شہرت ہندوستانی سرحد کو عبور کر کے اسلامی ممالک تک پہنچ چکی ہے۔

آئیے ہم اُس پیکار کو سنیں جو مولانا کے قلب کی انتہائی

گہرائی سے بلند ہو رہی ہے۔

اسلامی حکومت کا قیام مسلمانوں کا فرض ہے

جنوری ۱۹۳۹ء کے معارف میں مولانا سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

”ہمارے سامنے اسلام خود ایک بڑی حقیقت و صداقت ہے، وہ مذہب بھی ہے اور سیاست بھی، اقتصاد بھی ہے اور معاشرہ بھی، اس کے مذہبی و سیاسی، اقتصادی و اجتماعی پیغاموں کو پھیلانا، مساوات و عدل قائم کرنا۔ اسلامی احکام کی تبلیغ کرنا دنیا سے سود، بدکاری، شراب خواری، قمار بازی اور ظلم کو خیر پٹر سے اکھاڑنا اور ملک میں ایک نیا سیاسی و اقتصادی نظام قائم کرنا اس کے وہ فرائض ہیں جن سے مسلمان غافل ہیں اور غیر مسلم اسی کے لئے آج کٹ مر رہے ہیں“

مولانا کے اس فرمودات کی صحت و واقعیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سب ہوں کیونکر؟ کیا اسلامی حکومت کے بغیر یہ ممکن ہے کہ مسلمان اسلام کے مذہبی، سیاسی، اقتصادی و اجتماعی پیغاموں کو اس طرح پھیلا سکیں جس طرح ان کے پھیلانے کا حق ہے؟ کیا اسلامی حکومت کے بغیر عدل و مساوات کا قیام اور اسلامی احکام کی تبلیغ ممکن ہے؟ کیا اسلامی حکومت کے بغیر سود، بدکاری، شراب خواری، قمار بازی اور ظلم کو نسخ و بون سے اکھاڑا جاسکتا ہے؟ کیا اسلامی حکومت کے بغیر ایک نئے سیاسی

واقضادی نظام کا قیام ممکن العمل ہے؟ کیا مسلط باطل اقتدار پر مسلمانوں کو ان فرائض کی ادائیگی کی اجازت دیں گے؟ سود خوری شراب نوشی بدکاری اور ظلم و جبری تو باطل حکومتوں کے نظام کے اجزائے ترکیبی ہیں پھر وہ اسے کیسے برداشت کر سکتی ہیں کہ مسلمان ان کے نظام کے ارکان و عمود اکھاڑ کر پھینک دیں؟ مولانا نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا ہے، ایک قدم بڑھ کر وہ بات بھی فرمادی ہے جو ان کے پیغام کی روح ہے، یعنی ایک جدید سیاسی واقضادی نظام کا قیام، مولانا نے نہ اسلامی حکومت کا لفظ استعمال کیا ہے اور نہ حکومت الہیہ کا، لیکن جب مولانا کے نزدیک اسلام مذہب ہی نہیں سیاست و اقتصاد بھی ہے تو ظاہر ہے کہ مولانا کے عمقِ قلب سے جو صد بلند ہو رہی ہے وہ اسلامی حکومت یا حکومت الہیہ کے سوا کسی اور حکومت کی نہیں ہو سکتی، خصوصاً اس حقیقت کے پیش نظر کہ اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام سیاست و اقتصاد ایسا ممکن ہی نہیں جس میں شراب و بدکاری، سود و قمار باری اور ظلم و عدوان نہ ہو۔

اسی سلسلے میں آگے چل کر حضرت

عدمِ ادا فرض کی وعید | مولانا نے عبرت میں ڈوبی ہوئی ایک

ایک بات ارشاد فرمائی ہے، لکھتے ہیں: اگر آج کلمہ گو مسلمانوں میں اس ادائے فرض کے سپاہی بننے کا ولولہ نہیں تو کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو زندگی کے میدان میں لائے اور اس سے اسلام کا یہ فرض ادا کرانے لے؟

شاید مولانا کے اس ارشاد میں اس آیتِ کریمہ کی طرف اشارہ ہے:-

وان تنولوا یتبدل قومًا غیرکم ثم
 لایکونوا امثالکم“ (س۔ محمد)
 اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہارے منصب کو کسی
 دوسری قوم سے بدل دے گا پھر اس قوم کے لوگ تمہارے
 جیسے نہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جس وعید کی دہکلی دی ہے اس کی زد میں پوری
 قوم ہے جس میں ہم اور حضرت مولانا بھی داخل ہیں، قابل غور امر یہ ہے
 کہ اس وعید الہی سے نجات حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ مسلمانان
 ہند میں مولانا کا جو مقام ہے اس کے اعتبار سے آپ اس فرض کی داغ بیل
 کا سپاہی نہیں بلکہ سالار بننے کا حق رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں
 مولانا سے یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ اگر وہ اس فرض کی ادائیگی کے لئے
 کوشاں ہوں اور مسلمانوں کو اس نصب العین کی طرف دعوت دیں اور
 انہیں اپنے گرد صحیح اسلامی نصب العین کے لئے جمع کریں تو مجھے یقین
 ہے کہ مسلمان ان کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔

جنوری ۱۹۹۱ء میں مولانا نے
اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے دعوتِ جہاد | قیام حق کے لئے زیادہ واضح اور
 صاف لفظوں میں دعوت دی ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”دنیا میں جو قوم بھی اپنے کو امامت و قیادت کے لئے پیش کرتی
 ہے وہ جب تک اپنے خون کے سمندر میں خود غوطہ نہیں لگاتی اس
 منزل کو نہیں پہنچ سکتی۔ اجتماعی ترقی کا ذریعہ صرف ایک ہی ہے اور وہ
 جہاد ہے یعنی ہر پہلو کا جہاد۔ نفس کا جہاد، علم کا جہاد، مال کا جہاد، عقل کا

جہاد، جسم کا جہاد اور اس راہ میں جان و مال اولاد و عزیز اور ہر محبوب سے محبوب اور عزیز سے عزیز متنازع کی قربانی.....“

”یہ تو مطلق جہاد کی راہ ہے۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں جہاد کی منزلیں تو اس سے بھی زیادہ کثیف ہیں..... جہاں اپنے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے، خدا کے دین کے لئے، خدا کے حکم کے لئے بندے اپنے آپ کو قربان کرتے ہیں کہ اللہ کی بات کا بول بالا ہو لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا اور ینکون الدین کلہ للہ یعنی دین اور اطاعت صرف خدا کی ہو جائے.....“

”آج ضرورت ہے کہ ہم پھر اپنی آواز بلند کریں اور ٹھکی ماندی دنیا کو بتائیں کہ اس کا امن اور چین قومی و نسلی امتیازات اور تفریقوں میں نہیں بلکہ پیغام حق کے قبول میں ہے۔ پیغامی برادری قائم ہو جس میں اس پیغام کے ہر قبول کرنے والے کو برابری کا درجہ ملے اور اس پیغام کے حقدار قبول اور اس کے لئے جدوجہد کی ذمہ داری کے قبول کو حقوق کی کمی و بیشی کا معیار بنایا جائے.....“

”لیکن یہ پوری طرح یقین کر لینا چاہئے کہ دنیا میں کسی پیغام یا کٹھنیک و دعوت کی کامیابی اس پیغام و دعوت کی صرف عہدگی سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے علمبرداروں کی جدوجہد، سعی و محنت، سرگرمی عمل اور اثبات و قربانی سے ہو سکتی ہے۔ دنیا ایک بحر رواں ہے اس بحر رواں میں ہی زندہ رہنے کا جو خود بھی رواں ہے“

مولانا سید سلیمان ندوی کی اس دعوت کے حق ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟ البتہ قابل غور امر یہ ہے کہ اس دعوت کو عمل میں کیسے لایا

جائے؟ جب نصب العین یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور پورے کا پورا دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ کوئی طاقت اس کے کسی جز کے عملدرآمد میں مانع و مداخلہ نہ ہو سکے تو پھر مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ اسلام کے بعض اجزاء سے ہمیشہ کے لئے دست کش ہو کر بعض اجزاء پر قانع ہو جائیں یہ صورت تو ”یا ایھا الذین امنوا ادخلو فی السلم کافۃ“ کے منافی اور ایک طرح سے ”نومن ببعض ونکفر ببعض“ کے مطابق ہو جائے گی۔ صحیح طریقہ کار یہ ہوگا کہ مسلمان پورے اسلام کو غالب اور با اقتدار بنانا اپنا نصب العین قرار دیں، اور اسی نصب العین کی کامیابی کے لئے اپنی ساری کوششیں اور قربانیاں فاس کر دیں، مسلمانوں کے لئے یہ صورت بھی درست نہ ہوگی کہ وہ کسی غیر نظام کے اندر اسلام کے لئے کچھ تحفظات اور کچھ مراعات پا کر سمجھ لیں کہ اسلام کا حق ادا ہو گیا، اور ان کا مقصود حاصل ہو گیا؟ کسی غیر نظام کے اندر اسلام کو کتنا ہی تحفظ اور کتنی ہی رعایت مل جائے لیکن اسلام ہوگا۔ بہر حال اس نظام کے ماتحت، اسلام کو اس نظام پر غلبہ و اقتدار حاصل نہ ہوگا۔ پھر اللہ کا کلمہ کہاں بلند ہوگا؟ بلند ہو گا تو ہو انظام غیر اس زیر دستی کی حالت میں پورے کا پورا دین اللہ کے لئے کیوں کر ہو سکتا ہے؟

مسلمان اس صورت حال سے رضامند ہو جائیں لیکن اللہ کی غیرت اس سے قطعاً پاک ہے کہ وہ نظام باطل کے مقابلے میں اپنے دین کی اس پوزیشن پر رضامند ہو۔

اس مقام پر پہنچ کر کوئی چیز ہمارے اندر سے ایک بار ہمیں

واقعہ یہ ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی اور ان جیسے دوسرے علمائے اسلام نے اپنی دعوتوں اور پیغاموں سے مسلمانوں کی جماعت کے اسلامی نقطہ نظر کو اتنا وسیع اور بلند کر دیا ہے کہ اب ان کی روح کسی طرح اس بات کے لئے تیار نہیں ہوتی کہ وہ اسلام کو تنگ اور پست نظر سے دیکھیں۔

اے بادِ صبا میں ہمہ آور وہ ٹشت

مولینا سیلیمان بی کا ایک لیٹمان فروزینیا

مسلمان خدا کی شہنشاہی کے نامزد نہیں اور دنیا میں اُس کے تو بیجا کہیں

فروری ۱۹۴۵ء میں صوبہ بمبئی کی جمعیت العلماء کا سالانہ اجلاس ہوا تھا اس کی مختلف نشستوں کی مختلف بزرگوں نے صدر کی تہی حضرت مولانا قاری محمد رفیع مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنؤ کی ساتھ ایک نشست کی صدارت حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے حصے میں بھی آئی تھی سورۃ فاتحہ کی تلاوت اور تمہیدی تقریر کے بعد مولانا نے جو خطبہ دیا وہ یہ ہے :-

حضرات! میں نے ابھی جو سورہ فاتحہ تلاوت کی۔ حقیقت میں مجموعہ قرآن پاک کا خطبہ افتخاریہ ہے، اکابر مفسرین کی تحقیق

والتشريع کے مطابق اس سورہ میں قرآن پاک کے سارے مضامین کا خلاصہ مذکور ہے توحید فی الذات توحید فی الصفات توحید فی العبادات اتباع آثار انبیاء علیہم السلام جزاء و سزا سب ہی مضامین اس میں موجود ہیں۔ ایک اور حیثیت سے دیکھیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس روایت کے مطابق کہ اس سورہ میں حمد و تجید اور دعا اور سوال کے مضامین یکجا ہیں۔ ارشاد ہے کہ جب بندہ نماز میں سورہ فاتحہ تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین، نماز یا نماز کی یہ سورہ پاک میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی بنی ہوئی ہے بندہ جب الحمد للہ رَبِّ الْعَالَمِینَ کہتا ہے تو اللہ پاک فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری حمد کی اور جب الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بتلائی اور جب نمازی ایتا لَکَ نَعْبُدُکَ اَیُّهَا الَّذِیْنَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور اس کے بعد اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی درخواست پیش ہوتی ہے تو ارشاد فرماتا ہے کہ ولعبدی ما سال میرے بندے کے لئے وہ ہے جس کی اس نے درخواست پیش کی۔

انبیاء اور نیکو کاروں کی راہ صراطِ مستقیم ہے آج کی مجلس میں مجھے

مضمون سے زیادہ ترجمت ہے اس درخواست اور دعا کے الفاظ یہ ہیں جن کو ہر مسلمان نمازی دن رات میں بیسیوں دفعہ دہراتا ہے بلکہ وہ نماز میں نہیں ہیں..... حقیقتہً یا نبائتہ یہ درخواست اور دعا شامل نہ ہو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صَلَوَاتُ الذِّیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرُ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَكَلَّا الصَّالِحِیْنَ اس دعا اور درخواست میں بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنی زندگی کے ہر بچ اور اپنے عمل کے ہر پہلو میں سیدھے راستہ پر چلائے جانے کی استدعا بارگاہ الہی میں پیش کرتا ہے اس مطلوبہ راہ راست اور صراطِ مستقیم کے ساتھ تین قیدیں لگی ہوئی ہیں، اے اللہ تو ہم کو سیدھے راستہ پر چلا۔ ان کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا نہ اُن کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ اُن کا جو راہ راست سے بھٹک کر اپنے منزل مقصود کا راستہ کھو بیٹھے ہیں۔

اب راہ راست کی ان تین قیدوں کی تشریح ضروری ہے جن میں پہلی قید تو تخصیصی ہے اور پہلی قیدیں احترازی ہیں تخصیصی قید یہ ہے کہ سیدھا راستہ جن پر چلائے جانے کی درخواست ہے وہ خاص اُن بزرگوں کا راستہ ہو جن پر انعام ربانی اور فضل الہی کی بارش ہوتی ہے۔ دوا احترازی قیدیں یہ ہیں کہ اُن کی راہ سے ہم کو بچایا جائے جن پر ان کی نافرمانی کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ اور نہ اُن کا راستہ جو اپنی غلط روی کے باعث منزل مقصود سے دُور جا پڑے ہیں۔ قرآن پاک میں جا بجا یہ نصریحات ہیں کہ یہ انعام یا فتنہ گرد کو کون ہے اور جن پر غضب ہوا وہ کون ہیں۔

اور جو راہ راست کو کھو چکے ہیں وہ کون ہیں، قرآن پاک کی اصطلاح میں صراطِ مستقیم وہ راہ ہے جس پر انبیاء علیہم السلام چلے اور جن پر چلنے کی اللہ کے بندوں کو دعوت دی۔ ارشاد ہے :-
 اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (یس)
 اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو پیغمبر ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے۔
 دوسری جگہ ہے :-

وَ اِنَّكَ لَتَهْدٰی عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (شوری)
 اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔

فَهٰدِی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لِمَا خْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنْ
 الْحَقِّ بِاِذْنِ اللّٰهِ یَهْدِیْهِمْ لَیْسَ اِلٰی صِرَاطٍ
 مُّسْتَقِیْمٍ (بقرة - ۲۶)
 یعنی اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے جو دین کی مختلف راہیں
 نکال دی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو جو ایمان سے
 سرفراز ہیں ان سب سے بچا کر نبیوں اور صالحوں کے سیدھے
 راستے پر چلاتے ہیں۔

سورہ انفام کے انیسویں رکوع میں عقائد و عبادات، معاملات
 اور اخلاق کے اہم احکام کی تفصیل کے بعد ارشاد ہے۔

وَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ
 وَلَا تَتَّبِعُوْا السَّبِیْلَ فَتَفْرِقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِہِ
 ذٰلِکُمْ وَ صَبَّحْ بِہِ لَعَلَّكُمْ تُتَّقُوْنَ (انفام ۱۹)

اور یہ ہے میری سیدھی راہ سوا اس پر چلو اور مت چلو
دوسرے راستوں پر کہ وہ تم کو اللہ کے راستوں سے
بٹھا دیں گے، یہ کہہ دیا ہے تاکہ تم بچ سکو۔

ان شواہد سے میرا مدعا ثابت
راہِ فلاح صرف انبیاء کی راہ ہے
 راستہ کا نام ہے جس کے انبیاء علیہم السلام رہنما ہیں اور جس کا دوسرا
 نام شریعت ہے جس کے لفظی معنی بھی راستہ ہی کے ہیں۔ صراطِ
 مستقیم کے کہنے ہی سے گو راستہ متقین ہو چکا ہے مگر احتیاط کا تقاضا
 اور رحمتِ الہی کا مطالبہ یہ تھا کہ اس راستہ کی مزید توضیح ایسی کر دی
 جائے جس سے اس راستہ پر چلنے والے کا انجام بھی نظر کے سامنے
 آجائے تو فرمایا ”وہ راستہ جس پر وہ گروہ چلا جو اے اللہ تعالیٰ تیرے
 فضل و کرم اور انعام و الطاف سے سرفراز ہوا اور نہ ان کا راستہ
 جو مغضوب اور گمراہ گروہوں کا ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ اس سید
 راستہ پر چلنے کا انجام انعام و اکرام الہی ہے اور جس کے چھوڑ دینے کا
 نتیجہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا نزول اور منزلِ مقصود سے بُعد اور دوری ہے۔
 اب ہم کو اس انعام یافتہ گروہ کا پتہ چلانا ہے سورہٴ نساء رکوع
 ۹ میں ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ
 خَيْرٌ لَّهُمْ وَأَشَدَّ ثَبَاتًا وَآذًا لِّلَّذِينَ هُمْ
 مِنْهُ قَاتِلُونَ أَجْرًا عَظِيمًا وَلَهُدَّ يَتَهَمُ صِرَاطًا
 مُسْتَقِيمًا وَمَنِ يَطْعَ اللَّهُ وَالرَّسُولُ فَإِنَّكَ

مَعَ الَّذِينَ نَعَّمُوا اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصَّالِحِينَ وَالشَّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ
وَحَسْبُ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا (نساء - ۹)

”اور اگر وہ بھی کریں جو ان کو کہا جاتا ہے تو ان کے حق
میں بہتر ہو اور زیادہ ثابت ہو، دین میں اور اس وقت
ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں اور ان کو سیدھی
راہ پر چلائیں اور جو لوگ اللہ اور رسول کے حکم پر چلے ہیں
وہ ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام
سے نوازا ہے۔ نبی اور صدیق اور شہید اور صالح خوب
ہے ان کی رفاعت یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل
اور اللہ بس ہے خبر رکھنے والا۔“

ان آیتوں میں سیدھے راستہ پر چلنے والے اطاعت گزار
گروہوں کے چار نام یا اوصاف بتائے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نوازش
اور مقبولیت سے سرفراز ہیں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام جو انسانی
جماعتوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے بندوں اور سرفراز افراد کے
نام ہیں جن سے بڑھ کر رہنمائی اور انسانیت کے رہبروں کے لئے
رہبری اور بشر کی اصلاح اور ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے
نمونہ نہیں بنایا۔ اس کے بعد ان تین گروہوں کے نام ہیں جو ان رہنماؤں
اور رہبروں کے راستہ پر چل کر صدیقیت اور شہادت اور صلاح و فلاح
کی منزلوں پر پہنچے ہیں۔ اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان بتائے اور

بہلے ہوئے نمونوں کو دیکھ کر اپنے کو درست کیا اور دوسرے انسانوں کے لئے نمونہ بنے۔

انبیاء کی راہ چھوڑ کر سزا کی طرف متوجہ ہونا ہے جن کے راستہ

پر چلنے سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو روکا ہے۔ ان میں سے پہلے گروہ کا نام مغضوب ہے اور جن سے رحمت الہی مسلوب ہے۔ گوروایات میں تصریح ہے کہ یہ گروہ یہود ہے مگر قرآن پاک میں بھی تصریح ہے کہ اس غضب الہی کے مورو یہود اور یہود کے متبع ہیں، بقرہ رکوع ۷ میں ہے۔
 ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاغُوا

بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ (بقرہ - ۷)

اور ماری گئی ان پر ذلت اور بے کسی اور کمالات

وہ اللہ کا غضب اور غصہ۔

پھر اسی سورہ کے رکوع ۱۱۱ میں ہے کہ پہلے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار پر غضب کے مورو بنے اور آخری دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار و کفر پر ہمیشہ کے لئے غضب پر غضب کے مستحق ٹھہرے۔

فَبَاغُوا بَغْضَیْ عَلٰی غَضَبِہ (بقرہ - ۱۱)

وہ غضب پر غضب یعنی دوسرے غضب کے مستحق ہوئے۔

اور اب ہمیشہ کے لئے لعنت اور غضب الہی کی آگ میں ڈال دیئے گئے، اور ہمیشہ کے لئے اُن پر یہ حکم جاری کیا گیا کہ اب دنیا کا کوئی گوشہ اُن کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ دولت مندی

مَعَ الَّذِينَ نَعَّمْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصَّالِحِينَ وَالشَّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ
وَحَسْبُ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ أَلَيْسَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا (نساء - ۹)

”اور اگر وہ بھی کریں جو ان کو کہا جاتا ہے تو ان کے حق
میں بہتر ہو اور زیادہ ثابت ہو، دین میں اور اس وقت
ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں اور ان کو سیدھی
راہ پر چلائیں اور جو لوگ اللہ اور رسول کے حکم پر چلے ہیں
وہ ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام
سے نوازا ہے۔ نبی اور صدیق اور شہید اور صالح خوب
ہے ان کی رفاقت یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل
اور اللہ بس ہے خبر رکھنے والا“

ان آیتوں میں سیدھے راستہ پر چلنے والے اطاعت گزار
گروہوں کے چار نام یا اوصاف بتائے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نوازش
اور مقبولیت سے سرفراز ہیں یعنی انبیائے کرام علیہم السلام جو انسانی
جماعتوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے بندوں اور سرفراز افراد کے
نام ہیں جن سے بڑھ کر رہتائی اور انسانیت کے رہبروں کے لئے
رہبری اور بشر کی اصلاح اور ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے
نمونہ نہیں بنایا۔ اس کے بعد ان عین گروہوں کے نام ہیں جو ان رہنماؤں
اور رہبروں کے راستہ پر چل کر صدیقیت اور شہادت اور صلاح و فلاح
کی منزلوں پر پہنچے ہیں۔ اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان بتائے اور

دھلے ہوئے نمونوں کو دیکھ کر اپنے کو درست کیا اور دوسرے انسانوں کے لئے نمونہ بنے۔

انبیاء کی راہ چھوڑ کر سزا کی طرف متوجہ ہونا ہے جن کے راستہ

پر چلنے سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو روکا ہے۔ ان میں سے پہلے گروہ کا نام مغضوب ہے اور جن سے رحمت الہی مسلوب ہے۔ گوروایات میں تصریح ہے کہ یہ گروہ یہود ہے مگر قرآن پاک میں بھی تصریح ہے کہ اس غضب الہی کے مورو یہود اور یہود کے متبع ہیں، بقرہ رکوع ۷ میں ہے:

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاغُوا
بِغَضَبِ مِنَ اللَّهِ (بقرہ - ۷)

اور ماری گئی ان پر ذلت اور بے کسی اور کمالات
وہ اللہ کا غضب اور غصہ۔

پھر اسی سورہ کے رکوع ۱۱۱ میں ہے کہ پہلے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار پر غضب کے مورو بنے اور آخری دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار و کفر پر ہمیشہ کے لئے غضب پر غضب کے مستحق ٹھہرے۔

فَبَاوُا بِغَضَبِ عَلَى غَضَبٍ ه (بقرہ - ۱۱۱)

وہ غضب پر غضب یعنی دوہرے غضب کے مستحق ہوئے۔

اور اب ہمیشہ کے لئے لعنت اور غضب الہی کی آگ میں ڈال دیئے گئے، اور ہمیشہ کے لئے اُن پر یہ حکم جاری کیا گیا کہ اب دنیا کا کوئی گوشہ اُن کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ دولت مندی

کے باوجود مفلس اور ذلیل و خوار رہیں گے اور یہ حکم الہی ہے کہ کسی کسی دوسری ظالم قوم کے غلام بن کے رہیں گے۔ اگر ان کو منگامی پناہ وقتاً فوقتاً ملیگی بھی تو ان کی دولت کے ٹوڑنے کی خاطر باری باری سے دولت پرست قومیں اپنی گودوں میں پس گئی اور ان کی جیبیں خالی کر کے ان کو پھر زمین پر ٹپک دیں گی، ارشاد ہوا :-

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الدَّلَّةَ اَنْ يَنْ وَاقِفُوْا لَا جَبَلٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَجَبَلٍ مِّنَ الْبَنَاسِ وَيَا قَوْمِ اَبْغَضِبْ
مِّنَ اللّٰهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ذٰلِكَ
بَاَنْهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ يَا اَيُّهَا اللّٰهُ وَيَقْتُلُوْ
اَلَا تَنْبِيْءًا يَّغْيِرُ حَزْبًا ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَكَانُوْا يُعْتَدُوْنَ (آل عمران - ۱۲)

ان یہودیوں پر دولت پھینک ماری گئی جہاں وہ پائے
جائیں، لیکن اللہ کی دستاویز اور لوگوں کی دستاویز سے یہ
اس واسطے ہے کہ وہ اللہ کے احکام ماننے سے انکار کرتے
رہے اور بنیوں کو ناحق قتل کرتے رہے یہ خصلت ان میں
اس لئے آئی کہ وہ بے علم اور حد سے بڑھ جانے والے تھے۔

الغرض یہود و غضب الہی کے نزول اور محکومی کی ذلت اور مسکنت
اور قومی خواری کی لعنت میں اس لئے گرفتار کئے گئے کہ خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول سے منکر ہوئے اور اب ان کی لعنت اس
نبی آخر الزماں علیہ السلام پر ایمان اور ابتلاء کے سوا کسی اور تدبیر سے
دور نہیں ہو سکتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کوئی گروہ بھی انبیاء کی راہ

چھوڑے گا اور ان کی لائی ہوئی اور بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے منہ موڑے گا اس کے لئے یہی جزا ہے۔

وَمَنْ يَهِنِ اللَّهُ فَسَالَهُ مِنْ مُعَسَّرٍ (ج-۲)

اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔

عزیزے کہ از در گمش سرتیافت

بہر در کہ شد ہیچ عزت نہ یافت

یہود کی پوری تاریخ آغاز سے لے کر اس زمانہ تک قرآن پاک کی صداقت پر شاہد صادق ہے۔

انبیاء کی راہ سے انحراف ضلالت ہے | حضرت ا! اب ہم کو تیس

راستہ سے بھٹکا ہے۔ منزل مقصود سے دور چلا گیا ہے، اگرچہ روایا سے واضح ہے کہ یہ نصاریٰ کا گروہ ہے لیکن قرآن پاک کی آیتیں خود بھی اس گروہ کا صاف صاف پتہ اور نشان بتا رہی ہیں۔ نصاریٰ کے ذکر کے سلسلہ میں ہے اس سے پہلے تثلیث کا ذکر ہے پھر ان کی مجسمہ پرستی کا اس کے بعد یہ آیتیں ہیں:-

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ
غَيْرِ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا
مِنْ قَبْلُ وَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ
السَّبِيلِ (مَائِدہ - ۱۰)

اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔ اور ان لوگوں کے خیال پر نہ چلو جو تم سے پہلے راستے سے بھٹکے تھے اور

بہنوں کو گمراہ کیا تھا۔ اور سیدھی راہ بھولے تھے۔
اسی غلو دین کی نصاریٰ حقیقت کا اظہار سورہ نساء میں کیا گیا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ
وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ وَأَنْتُمْ
الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ
وَكَلِمَتُهُ (نساء- ۲۳)

اے اہل کتاب نہ زیادتی کرو اپنے دین میں اور نہ کہو
اللہ پر گرج حق بیشک مسیح بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا
کلمہ تھے۔

بعض علمائے محققین نے لکھا ہے کہ یہود کا جرم احکام الہی میں
تفریط اور کمی ہے اور نصاریٰ کا جرم افراط یعنی احکام الہی میں زیادتی
ہے جس کو قرآن پاک نے غلو کہا ہے۔ تفریط غضب الہی کے نزول
کا اور افراط ضلالت کا موجب ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات مؤید ہے کہ امت محمدیہ کو ہر نماز
کی ہر رکعت میں یہ تاکید ہے کہ یہ دعا مانگو کہ بار الہا ہم کو نبیوں
کی راہ پر چلنے کی توفیق عنایت فرما اور یہود و نصاریٰ جو تیرے
مغضوب اور تیری راہ سے پھٹکے ہوئے ہیں ان کے راستوں اور
طریقوں سے ہم کو بچا۔ اس موقع پر ہم کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ مغضوب
اور ضال جس طرح اہل کتاب میں ہیں اپنی اپنی مزاحمت کی غیبت
کی بناء پر وہی صورتیں ہوتا بعثت شہداء اہل کتاب میں بھی ہیں جن کی دو
جماعتوں سے ہم کو قرآن نے واقف کرایا ہے اور وہ مجوس اور صابین

ہیں جن میں ایرانِ قدیم اور ہندِ قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں
ان کے راستوں اور طریقوں کی پیروی بھی انبیاء علیہم السلام کے
راستوں سے دور لے جاتی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے یہ بتلایا کہ جتنے فتنے کھڑے کئے گئے خواہ
تایخِ قدیم میں ہو، اسلام میں ہو عیسائیت میں یا موجودہ تایخِ جدید
یورپ میں ہو سب کی تہ میں یہودیوں کا ہاتھ کا رفرار ہوتا ہے اس
کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

حکومت کا حق خدا ہی کو ہے | آج ہمارے اسلامی ممالک خواہ
وہ اپنے کو آزاد کہیں یا غلامِ حاکم
کہیں یا محکوم، کیا انہی دو فتنوں میں سے کسی ایک میں مبتلا ہیں
اب یاد کیجئے رب العالمین مالکِ یوم الدین نے اول روز سے ہم
کو یہ بتایا تھا کہ تم ہمیشہ ہر ایک حال اور اپنی ہر ایک چال میں
انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر قائم رہنا اور مغضوب اور ضال
قوموں کے راستوں سے بچتے رہنا، مگر کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے
اُس کا الٹا کیا، یعنی انبیاء کے راستہ کو چھوڑ کر مغضوب اور ضال
قوموں کی راہوں کو اختیار کیا، اور آج بھی یہی حال ہے۔ آج
مسلمانوں کی ہر جماعت خواہ وہ کسی قوم میں ہو اپنی ترقی و اصلاح
اور سعادت کے لئے انبیاء علیہم السلام کی طرف نہیں بلکہ انہی
مغضوب اور ضال قوموں کی امامت کی اقتداء کے لئے بیقرار
ہے۔ وضع قطع تراش و خراش، صورت و سیرت، تعلیم و تربیت
تہذیب و تمدن، اخلاق و عادات، رفتار و رفتار، تجارت و اقتصاد

و معاملات اور حکومت و سلطنت، عرض کہ زندگی کے ہر شعبے میں اس
کارِ رخِ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے یا منضوب و ضال قوموں
کی طرف ہے، ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ منہ میرا طرف کعبہ شریف
کے، مگر رفتار کی سمت لندن پیرس، ماسکو، برلن اور نیویارک ہے
زبان سے تو اپنی سعادت اور ہدایت کو انبیاء علیہم السلام کی اور
خصوصاً سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم
کی پیروی میں منحصر جانتے ہیں۔ مگر دل میں اپنی ترقی کا راز یورپ اور
امریکہ کی پیروی میں منحصر جانتے ہیں۔ ہم میں سے بعضوں نے جو
دانشمندی کے مدعی ہیں، دین اور دنیا کے دو حصے کر رکھے ہیں
اور دین میں انبیاء کی اور دنیا میں ان منضوبوں اور گمراہوں کی پیروی
کے داعی ہیں۔ لیکن دین و دنیا کی تقسیم کی تاویل بھی انہی گمراہوں کی
تعبیل کا اعادہ ہے جنہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں میں یہ لکھا
بایا ہے کہ جو قیصر کا ہے قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو،
گو یا وہ دو خداؤں کے قائل ہیں قیصر جو دنیا پر حکومت کرتا ہے۔
اور خدا جو آسمان پر فرمانروا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعلیم
میں وہ واحد ہے۔ وہ قیصر کون ہے جو خدا کے ساتھ برابر کی حکومت
کا دعویٰ کر رہا ہے اَللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں
اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے) ان منضوب و ضال قوموں
کی ایجاد و اختراع، دولت و طاقت، حکومت و سلطنت کی ظاہری
چمک دکھانے ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے، ان کی عربانی و بے
پردگی، ان کی نفس پرستی و ہوسناکی و خود پسندی۔ ان کے تکبر و

استکبار ان کے کفر و عصیان کی ہر تصویر ہمارے دل کو پسند ہے۔ ہمارے بچے، جوان اور بوڑھے، عورت اور مرد ہر ایک اس گوش میں ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کے اس شتر کہ پیدا کردہ تہذیب و تمدن، طور و طریق، شکل و لباس، تعلیم و تربیت کی راہوں پر اقتدا کی تیز سے تیز دوڑ میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے اور ہر اس ناصح کی تکذیب میں مصروف ہے، جو ان کو ان منصوبوں اور گمراہیوں کی پیروی سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ آج مسلمان نوجوان اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اپنی ملت کے رہنمائے اقدس رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا نمونہ نہیں بلکہ لینن، اسٹالن، مسولینی، چرچل اور روز ویلٹ کے نمونوں کی تلاش اور ان کے روپ بھرنے میں ہر طرح کوشاں ہیں اور انہی کی پیروی میں مسلمانوں کی نجات سمجھتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

اسلام ایک مستقل نظام حیات مسلمان
انبیاء کی بجائے وکریٰ کی نشین بن گئے
ابن سیاست کو موجودہ
منصوب وصال قوموں
کے مذموم تمدن و تہذیب
مکروہ و بے آئین نظام
سلطنت و حکومت، ظالمانہ طریق حکمرانی و فرمانروائی، گمراہانہ طریق
تعلیم و تربیت، فاسد اخلاق و کردار اور فتنہ آفاقہ اقتصاد و حیثانہ
طاقت اور مجرمانہ سیاست پر افسوس نہیں۔ بلکہ اس پر حسرت ہے کہ
اس مجرم گنہگار، عرباں، خوشنما فاسد اخلاق قزاق اور وحشی طاقت
کے حکمران و فرمانروا اور ظالم نظام اقتصاد اور فاسد اصول قصا

وعدالت کے مالک ہم کیوں نہ ہوئے ان کو یہ افسوس نہیں کہ شیطان کا یہ تخت جبروت کیوں بچھا ہے بلکہ یہ افسوس ہے کہ ہم اس پر کیوں بیٹھے نہیں۔ ان کو شیطان کے تخت اٹھنے کی فکر نہیں بلکہ اس پر جلوس فرمانے کی فکر مستولی ہے۔

مسلمان مدت سے اس حالت میں ہیں کہ وہ اپنے کو بھول گئے ہیں اور دوسری قوموں کی نقالی میں مصروف ہیں اسلام ایک مستقل نظام حیات، نظام اقتصاد، نظام سیاست اور نظام اخلاق کا نام ہے۔ خود اپنے نظامات سے روگرداں ہو کر یا ان میں ترمیم و تبدیلی کر کے دنیا کے دوسرے ناقص و فاسد نظامات کو اختیار کرنے میں اپنی زندگی کی نجات جانتے ہیں۔

ن
ترکی۔ مصر۔ شام۔ عراق۔ افغانستان۔ شمالی افریقہ۔ ہندوستان۔
عرض وہ جہاں کہیں بھی ہیں خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم یورپ کی نقالی کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ دنیا میں قیصریت اور کسرا نیت کے علمبردار اور پیغمبروں کے بجائے ہلاکوں اور جنگیزوں کے جانشین بن گئے۔

آج انقلاب کا عہد ہے مسلمانوں
حکومت کے قیام کی دعوت
کی سمت اور زندگی کے مقصد کو درست کریں۔ وہ اللہ کے محکوم، اُس کی شریعت کے حامل اور دنیا میں اس کی شہنشاہی کے نمائندے نہیں ان کو پہلے اللہ کے قانون کو خود اپنے اوپر اور پھر اس کے بعد دوسروں کے اوپر نافذ کرنا چاہئے۔

مولانا کے خطبے پر ایک نظر

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ترکی۔ مصر۔ شام۔ عراق۔ افغانستان۔ شمالی افریقہ۔ ہندوستان غرض وہ جہاں کہیں بھی ہیں خواہ وہ محکوم ہوں یا حاکم یورپ کی نقالی کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں وہ دنیا میں قیامت اور کسرتیت کے علمبردار اور پیغمبروں کے بجائے ہلاکوؤں اور چنگیزوں کے جانشین بن گئے۔ مولانا نے یہ بالکل بجا ارشاد فرمایا ہے۔ خود مسلمانان ہند کا ماضی بھی اس حقیقت کا آئینہ دار ہے اور ان کا موجودہ مٹھ نظر بھی وہ نہیں ہے جس کے داعی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے۔ اور جس کا معلم و داعی قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قوم پرور مسلمان ہندوستان میں جو نظام حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں تو اسلام کا نام لینا ہی عبث ہے علمبرداران پاکستان کے افکار و خیالات اور اعمال و اخلاق سے بھی اس سے بہتر حکومت کی توقع نہیں کی جاسکتی جسے مولانا سید سلیمان ندوی قیامتیت و کسرتیت کی جانشینی قرار دیتے ہیں مسلمانوں کو انبیاء کرام کی جانشینی کا شرف و امتیاز تو اس صورت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے جب مسلمان اسی پیغام کو اپنا نصب العین بنائیں جسے لے کر انبیاء

کرام مبعوث ہوئے اور انہیں کے طریقہ کار کو اپنالانچہ عمل قرار دیں۔
 مولانا نے خطبہ کے آخر میں مسلمانوں کو اللہ کی شہنشاہی
 کا نامزدہ بننے اور اس کے قانون کو نافذ کرنے کی دعوت دی ہے
 اور اس دعوت کو کامیاب بنانے کے لئے پانچ طریقے ارشاد فرمائے
 ہیں، ان طریقوں کے مفید اور کارآمد ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا
 لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ سب کچھ کم و بیش ہو رہا ہے، دارالعلوم ندوہ
 بھی قائم ہے اور دارالعلوم دیوبند بھی، اور بے شمار دینی مدارس بھی
 وعظ و تذکیر کے بڑے بڑے جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں مسجدیں بھی آباد
 ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت بھی ہو رہی ہے، بایں ہمہ مسلمانوں کا
 خدا کی شہنشاہی کا نامزدہ بننے کے لئے کوئی صحیح اور مقررہ قدم
 اٹھانا تو درکنار ابھی مسلمانوں میں اس کے خیال و احساس کا بھٹی نفا
 ہے۔

اس کی ایک خاص وجہ ہے مسلمان یہ سب کچھ صحیح فکر اور صحیح
 نصب العین کے بغیر کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کاموں کا وہ نتیجہ برآمد
 نہیں ہوتا جو ان کا مقصد ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے بالکل سجا
 ارشاد فرمایا ہے کہ۔ ضرورت ہے ذہنیت کے بدلنے۔ خیالات کے
 پلٹنے اور صحیح فکر کو سامنے رکھنے اور صحیح نصب العین کو اپنے دل میں جگہ
 دینے کی، جب تک مسلمان ایسا نہ کریں گے۔ ان کی تعلیم گاہوں،
 مسجدوں، نمازوں، جلسوں، تقریروں، غرض کسی چیز صحیح اور کامل نتیجہ
 برآمد نہ ہوگا اور مسلمان خدائی شہنشاہی کا نامزدہ بننے کی بجائے تفر و طاغوت
 اینٹ، آلہ کار اور غلام ہی بنے رہیں گے۔

مَقْصِدِ سَالَتْ

حکومت الہیہ کا قیام

اسلام کا دنیا میں ایک مستقل نظام ہے جو حکومت پر موقوف ہے۔
 بغیر حکومت کے قرآن مجید کا پورا حصہ ناقابل عمل رہ جاتا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء
 لکھنؤ کے استاذ تفسیر ہیں۔ آپ نے ہندوستان کے
 مجاہد اعظم حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایمان
 افروز اور روح پرور سوانح عمری لکھی ہے اس کتاب
 پر حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی رائے تحریر
 فرمائی ہے، مولانا عبد الماجد دریا باری نے تعارف
 اور علامہ سید سلیمان ندوی نے مقدمہ لکھا ہے
 مولانا ابوالحسن صاحب نے سید احمد صاحب کے تفصیلی
 حالات شروع کرنے سے پہلے سید صاحب کی سیرت پر

ایک اجمالی تبصرہ کیا ہے۔ اس کا ایک بڑا حصہ یہاں دیا جا رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غیر فانی معجزہ یہ ہے کہ آپ کے فیض کا چشمہ کبھی خشک ہونے نہیں پاتا آپ کا نمونہ آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہوتا۔ آپ کی امت کی ضرورتیں زیادہ دیر تک اٹکی نہیں رہتیں اور وہ اس طرح پرکہ آپ کی مشعل نور سے براہ راست مسلسل طریقہ پر سینکڑوں شعلیں روشن ہوتی رہتی ہیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی۔

آپ کی کامل پیروی سے ہر زمانہ میں اور تقریباً ہر جگہ کم و بیش ایسے انسان پیدا ہوتے رہے جن سے آپ کی یاد تازہ ہوتی تھی اور اقبیاء کی شان نظر آتی تھی جن سے ظاہر ہوتا کہ اللہ کا کام بند نہیں ہوا۔ اللہ کا دین زندہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر زمانہ میں ممکن ہے اور انھیں کی وجہ سے خاتم النبیین کے بعد کسی نبی کی عملاً ضرورت نہیں۔

ان نزرگوں کے کئی طبقے ہیں پہلے اور سب سے اونچے طبقہ کو صحابہ کرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے کمالات ختم ہو گئے اسی طرح ان حضرات پر ان کی اتباع کامل ختم ہو گئی۔

ان کے بعد سلف صالحین، اولیاء کاملین، مجاہدین
مرشدین، مصلحین، مجددین، مختلف طبقات ہیں۔ اور
یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلامذہ و مریدین
آپ کے کفش بردار اور آپ کے دین کے خادم ہیں،
اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ان لوگوں سے اللہ ہمیشہ کام لیتا رہا۔ ان سے ہزاروں
کی آنکھیں روشن کیں۔ ہزاروں کے دل کے کنول کھلائے
ہزاروں کو جگایا۔ بندوں پر اپنی محبت ختم کی، ان کا ذکر
عبادت ہے، ان کی محبت ذخیرہ آخرت ہے۔ ان کی
سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جزو۔
اگرچہ ان میں سے ہر ایک اپنے رنگ میں کامل تھا
لیکن ان کاملوں میں بھی کامل وہ ہے جو رسول اللہ صلی
علیہ وسلم کا نمونہ کامل ہے جس میں صحابہ کی شان سب
بڑھ کر تھی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک
مقصد کی زیادہ خدمت و ترقی ہوئی جس کی صحبت و
تربیت سے ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے خیر القرون
کی یاد تازہ کر دی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک بار ملاحظہ
ہو اور آپ کی جامعیت پر نظر کی جائے علم و عمل کے جامع
دین و دنیا کے جامع۔ شب بیدار و شمسوار، اللہ کے لئے
اگر محبت کرتے تھے تو اللہ ہی کیلئے دشمنی بھی کرتے تھے۔

نفس کے مجاہدہ کے ساتھ کفار سے جہاد بھی کرتے تھے۔
 لیکن صحابہ کرام کو چھوڑ کر ذرا نیچے ہٹ کر دیکھئے
 بہت سے لوگوں کے جسم پر یہ مسلم قبا نظر نہیں آئے گی
 اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ دیکھنا ہے تو ان
 میں سے ایک کو نہیں دیکھنا چاہئے، ورنہ آپ کی شان کا
 قصور ناقص ہوگا۔ اس لئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی تیسس سالہ زندگی کے صرف مخصوص اوقات کا نمونہ ہیں
 اگر کامل نمونہ دیکھنا ہے تو سب کو جمع کر کے دیکھنا چاہئے
 لیکن صحابہ کرام کی صف چھوڑ کر کہ ابن خانہ تمام آفتاب
 ہر صف میں چند ایسے لوگ نظر آئیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی سیرت کا مکمل صحیفہ میں جنہوں نے آپ کے کمالات
 میں سے انتخاب نہیں کیا بلکہ ان کو مسلم لیا۔ یہ وہ افراد ہیں
 جن میں سے ہر فرد اپنی جامعیت میں ایک پوری امت ہے
 آئندہ اوراق سے معلوم ہوگا کہ انہیں افراد امت میں
 سے سید احمد شہید بھی ایک فرد ہیں جو زمانہ کے لحاظ سے
 پیچھے لیکن مرتبہ کے لحاظ سے بہت آگے ہیں۔

اس کے بعد دوسری حیثیت پر غور کرنا چاہئے، رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ایک بہت بڑا کام اور آپ کی
 بعثت کا ایک اہم مقصد حکومتِ الہیہ کا قائم کرنا اور دنیا
 میں آسمانی نظامِ سیاست و اخلاق و معاشرت جاری کرنا
 تھا۔ پشاور کے فاتح اور تیرہویں صدی کے امیر المومنین کی

زندگی میں اتباع نبوی کی حیثیت بہت نمایاں نظر آئے گی اور اسی چیز نے مشائخ امت میں اس جوان کا سرادِ نچا کر دیا ہے۔

مصلحین، علماء اور مشائخ نے بے شبہ اسلام کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور دے رہے ہیں، ہزاروں بندگان خدا کو ان سے ہدایت ہوئی۔ ہزاروں کو ان کی وجہ سے کلمہ نصیب ہوا۔ ہزاروں کے خاتمے اچھے ہوئے۔ اور اسی رسول اللہ کا نبی ان سے جاری ہے۔ لیکن ان سب کے محدود حلقے اور عمل کے دائرے میں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھا کہ حکومت الہی اور اسلامی نظام و قوانین و حدود کے اجزاء اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر یہ سب کوششیں ”کوہ کندن و کاہ بر آوردن“ ثابت ہوگی صرف چند خاص لوگوں کی اصلاح ہوگی لیکن ضرورت فضاء بدلنے اور جڑ مضبوط کرنے کی ہے آپ اسی نقشہ پر کام کرنا چاہتے تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین نے کیا اور تجربہ ہے کہ سب سے زیادہ پائدار کامیابی اسی کو ہوئی اور قیامت تک اسلام کی ترقی کے لئے وہی نظام عمل ہے۔

اسلام صرف خواص کا مذہب نہیں۔ اور چند منتخب لوگوں کا اس پر عمل کرنا کافی نہیں۔ اسی طرح اسلام سیاست کی طرح چند عقائد و رسوم کا نام نہیں، وہ زندگی کا نظام

وہ انسان کی فضا طبعیت بشری کا مذاق اور سواد اعظم کا رنگ بدلنا چاہتا ہے اور عقائد کے ساتھ اخلاق، معاشرت زندگی کے مقصد و معیار۔ زاویہ نظر اور انسانی ذہنیت کو بھی اپنے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اس کو مادی و سیاسی اقتدار حاصل ہو۔ اسی کو قانون سازی، اور تنقید کا حق ہو، اس کے صحیح نمائندہ ہی دنیا کے لئے نمونہ ہوں۔ اسلام کے مادی اقتدار کا لازمی نتیجہ اس کا روحانی اقتدار اور صاحب اقتدار عبادت کے اخلاق و اعمال کی اشاعت ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے :-

الَّذِينَ اَنْفَكْنَا هُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ وَاهْلَوْا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُورِ

یہ (مظلوم مسلمان) وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین میں انھیں صاحب اقتدار کیا (یعنی ان کا حکم چلنے لگا) تو وہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہوں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے، برائیاں روکیں گے اور تمام باتوں کا انجام کا راسخ ہی کے ہاتھ ہے۔

دوسری نہایت اہم بات یہ ہے کہ شرعی حکومت کے بغیر شریعت پر پورا عمل بھی نہیں ہو سکتا، اسلام کا دنیا میں ایک مستقل نظام ہے جو حکومت پر موقوف ہے۔ بغیر

حکومت کے قرآن مجید کا پورا حصہ ناقابلِ عمل رہ جاتا ہے۔ خود اسلام کی حفاظت بھی بغیر قوت کے ممکن نہیں، مثال کے طور پر اسلام کا پورا نظام مالی و دیوانی و فوجداری معطل ہو جاتا ہے اس لئے قرآن غلبہ و عزت کے حصول پر زور دیتا ہے اور اسی لئے خلافت اسلامی بہت اہم اور مقدس چیز سمجھی گئی۔ اور اس کو اکابر صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجنیز و تکفین پر مقدم رکھا جس کو بہت سے کوتاہ نظر نہیں سمجھتے اور اسی کی حفاظت کے لئے حضرت حسین نے اپنی قربانی پیش کی تاکہ اس کا مقصد ضائع نہ ہو اور نازل ہاتھوں میں نہ جانے پائے۔

”أمر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ اسلام میں جس قدر اہم فرض ہے، وہ اس سے ظاہر ہے کہ امت کی بعثت کا مقصد یہی بتایا گیا ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر
تم بہترین قوم ہو جو دنیا میں اس لئے ظاہر کی گئی کہ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے رہو۔
اور قیامت تک کیلئے مسلمانوں کا یہی فرض قرار دیا گیا ہے۔
ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرو
بالمعروف وینہون عن المنکر
تم میں ایک جماعت رہنی چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت

دیتی رہے نیکی کا حکم کرتی رہے اور رانی سے روکتی رہے۔
 لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے لئے امر (حکم) اور نہی (ممانعت)
 کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ امر و نہی
 کے لفظ میں اقتدار و حکم کی شان ہے یہ نہیں فرمایا کہ وہ بھلا
 اختیار کرنے کے لئے درخواست و عرض کریں گے، پس امر و نہی
 کے لئے سیاسی اقتدار اور مادی قوت کی ضرورت ہے اور
 امت کا فرضیہ ہے کہ وہ اس کا انتظام کرنے۔

مولانا ابوالحسن کے خیالات پر اک نظر۔

مولانا ابوالحسن نے جو کچھ لکھا ہے اس کا تعلق
 حکومتِ الہیہ سے نہیں بلکہ سید احمد صاحب کی سیرت سے ہے
 لیکن آپ سید احمد صاحب کے تذکرے کو نکال کر ان کی تحسیر کو
 پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ تحسیر حکومتِ الہیہ کی تائید و حمایت
 میں سپردِ قلم کی گئی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو شخص بھی
 اپنے کسی مفروضہ نصب العین اور اپنے غلط ماحول کو مد نظر رکھ کر
 نہیں بلکہ اسلام کو ملحوظ رکھ کر غور کرتا ہے اس کے اندر سے
 حکومتِ الہیہ کی تحریک ابھرتی ہے۔

مولانا ابوالحسن کی فکر و کاوش کا حاصل یہ ہے :-

(۱) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بہت بڑا کام
 اور اہم مقصد حکومتِ الہیہ کا قیام تھا۔

(۲) امت میں سب سے بلند مقام صحابہ کرام کا ہے، اس لئے کہ
 حکومتِ الہیہ کے قیام کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ علم

انہوں نے جان و مال سے جہاد کیا اور مقصد بعثت کو کامیاب بنایا۔
 (۳) اسلام عیسائیت کی طرح چند عقائد و رسوم کا مجموعہ نہیں۔
 زندگی کا کامل نظام ہے، اور یہ نظام مادی قوت و اقتدار کے بغیر نہ
 قائم ہو سکتا ہے اور نہ باقی رہ سکتا ہے۔

(۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلمانوں کے لئے ایک ایسا
 فریضہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ یہ فریضہ بھی حکومت و اقتدار
 کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا۔

(۵) مصلحتیں اور علماء و مشائخ کی خدمات سے بے شمار مسلمانوں
 کو فائدہ پہنچا مگر حکومت الہیہ اور اسلامی قوانین و حدود کے اجراء
 کے بغیر وہ سب کوششیں ”کوہ کنڈن اور کاہ برآوردن“ کے مطابق
 تھیں۔

مولانا ابوالحسن کے ان افکار و خیالات کو کون غلط قرار دے
 سکتا ہے؟ اب یہ مولانا ابوالحسن کا فرض ہے کہ وہ اپنے افکار و خیالات
 کی روشنی میں اپنی سرگرمیوں اور گرد و پیش کے دوسرے اکابر و اصاغر
 کی دلچسپیوں کا جائزہ لیں کہ وہ براہ راست کہاں تک حکومت الہیہ
 کے قیام پر مہذول و منقطع ہیں۔

مولانا اکبر شاہ خاں مرحوم اور حکومت الہیہ

میں مضمون یکم اکتوبر ۱۹۴۲ء کے ”کوثر لاہور“ میں شائع ہوا ہے۔ شروع میں مولانا نصر اللہ خاں عزیز کا ادارتی تعارف ہے۔ مولوی حامد علی صاحب شاہجہاں پوری نے ہمارے محترم و محبوب مرحوم دوست مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کی مشہور تصنیف ”فصل الخطاب“ سے کچھ عبارتیں اخذ کر کے اور ان کو ایک مضمون کی صورت میں مرتب کر کے اشاعت کے لئے ارسال فرمایا ہے۔ مولانا نے مرحوم اپنی زندگی میں مورخ اسلام کے قابلِ فخر نام سے یاد کئے جاتے تھے لیکن ان کے دوستوں کے علاوہ بہت کم لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ بیسویں صدی کا یہ صاحبِ قلم اپنے جسم کے اندر قرنِ اول کے اصحابِ شمشیر کی روح رکھتا تھا اور پکا واحد کتابِ الہی کا ان تھکِ مبلغ

سنت رسول کا بابرہتمام متبع اور اسلام کے لئے ایک نہ ختم
ہونے والا جذبہ محبت رکھنے والا مومن مخلص تھا۔ کوثر کے
اڈیٹر کے ساتھ ایسے عزیزانہ اور مخلصانہ تعلقات تھے
کہ ان کے دوستوں کو بھی رشک ہوتا تھا اور اسی کی مشائخ
اعمال سے مولانا تحریک خاکسار میں شامل بھی ہو گئے تھے
لیکن راقم تو تحریک کے عملی نمونے دیکھ کر اس کی ہمدردی
سے دستکش ہوا۔ اور مولانا اسلام کے تصور امارت کی خاطر
جب مشرقی صاحب نے مسلمانوں کے امیر کی وہ تصویر
کھینچی جو نازیت فسطائیت اور اشتراکیت کے ڈکٹیٹروں
کے مناسب حال ہے تو مولانا کا اسلامی ذوق برہم ہو گیا
انہوں نے ایک معرکہ آرا کتاب ضل الخطاب کے نام
سے لکھی اور اس میں اس مرکزی نقطے کو قرآن و سنت
سے ثابت کیا کہ انسان کی اطاعت مطلق کے لئے (بجز
انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کے) اسلام میں قطعاً
گنجائش نہیں۔ اسلام میں نہ ملوکیت کے لئے جگہ ہے
نہ ڈکٹیٹری کے لئے اور نہ اس ملعون جمہوریت کے لئے
جس کے جادو میں مسلمان بھی مبتلا ہیں۔ ہم اس تحریک کو
دلی مسرت کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولوی
حامد علی صاحب کو جزائے خیر دے اور مولانا کے مرحوم
کی مغفرت فرمائے کہ اپنی زندگی میں وہ اللہ اللہ کے رسول
اور کتاب الہی اُسے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ فوس

آج وہ زندہ نہیں اگر زندہ ہوتے تو تحریک حکومت الہیہ کے ایک پرچمیں مبلغ اور مجاہد ہوتے۔

عبادت کا صحیح مفہوم

عبادت کہتے ہیں اتنا درجہ کے تذلل اور انکساری کو اور اس اظہار فرمانبرداری کو جس کے ساتھ اظہار عاجزی بھی ہو، ظاہر ہے کہ عاجزانہ فرمانبرداری جس کی کی جائے وہ خدا ہی ہو سکتا ہے دوسرا نہیں ہو سکتا۔ انسان اپنے کمال اور اپنی سعادت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اپنی پوری طاقتوں کو خدائے تعالیٰ ہی کی کامل فرمانبرداری میں نہ لگا دے۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے انسان کی سیدائش کی غرض عبادت بیان فرمائی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

(الزّاریات رکوع ۲)

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔“

إِيَّاكَ لَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (فاتحہ)

مہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدْهُ

(الانعام رکوع ۱۳)

اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت کرو۔

فَلَا يَشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدٌ ۝

(الکہف ۱۲)

اور چاہئے کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

أَتُنْفِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي
فَاقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝ طه ۱۰

بیشک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس
میری عبادت کرو اور میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔
فَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝
اور اپنے رب کی عبادت کئے جا یہاں تک کہ یقیناً
آجانے والی موت تجھ کو آئے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي ۝

(الانبیاء ۷۰)

میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۝ أَمَرَ أَتْلُوعْبُدُ فَإِ
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ذَٰلِكَ الَّذِي يُفْعِلُ فَيَكُونُ
أَعْيُنَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (یسف ۵)

حکم تو بس اللہ ہی کا ہے اُس نے حکم دیا ہے کہ تم
سوائے اُس کے کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہو
مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔
فَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۝

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

یہ بتا کر کہ فرمانبرداری کا انتہائی اور
 اعلیٰ ترین درجہ یعنی عبادت جس طرح خدا
 کے سوا دوسرے کے لئے نہیں اسی طرح
 فرمانبرداری نہیں (جس کے معنی ہیں برضا و رغبت حکم کی تعمیل کرنا) بھی
 خدا کے سوا دوسرے کے لئے نہیں (جیسا کہ اوپر قرآن مجید ہی
 سے ثابت کیا جا چکا ہے)
 غرض جمیع اقسام و انواع اطاعت و فرمانبرداری کو صرف خدا کا
 حق ٹھہرا کر کسی دوسرے کی فرمانبرداری کو شرک قرار دیا اور اسنا
 کو دڑایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ
 يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَ مَنْ
 يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا ۚ
 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا
 الشُّرَكَ اِنَّهٗمْ كُفَرُوْا بِاللّٰهِ
 فَهُمْ يَكْفُرُوْنَ ۚ
 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا
 الشُّرَكَ اِنَّهٗمْ كُفَرُوْا بِاللّٰهِ
 فَهُمْ يَكْفُرُوْنَ ۚ
 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا
 الشُّرَكَ اِنَّهٗمْ كُفَرُوْا بِاللّٰهِ
 فَهُمْ يَكْفُرُوْنَ ۚ
 (فصل الخطاب ط ۳ تا ۳۹)

جس طرح اکیلے خدا کا پرستار و فرمانبردار بن کر انسان سب کا مخدوم
 و آقا بن جاتا ہے اسی طرح خدا کے سوا کسی دوسرے کا پرستار و

فرمانبردار بن کر سب سے زیادہ ذلیل و پلید اور سب سے زیادہ ناکارہ و بے توقیر ہو کر اپنے لئے تمام ترقیات اور حصول سعادت کے دروازے بند کر لیتا اور اپنی شرافت کے بلند ترین مقام سے گر کر ذالت کے تحت الشری میں پہنچ جاتا ہے، انسانی آزادی ہی کا نام اطاعت الہی ہے اور خدا نے انسان کو نعمت آزادی سے مستمتع کرنے کے لئے ہی اپنی طرف سے ہدایت وحی اپنے رسولوں کے ذریعے بھیجی ہے۔

کلام الہی نے سب سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ اس بات کا اعلان کیا ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی کے آگے اظہار تذلل نہ کرے، خدا کے سوا کسی کے آگے گردن نہ جھکائے، خدا کے سوا کسی سے حاجات نہ مانگے، خدا کے سوا کسی کو نہ پکارے، خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے، خدا کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرے، خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت اور خدا کے بھیجے ہوئے ہادی کے سوا کسی کے پیچھے نہ چلے، یہی ایمان باللہ کی حقیقت ہے اور اس میں دینی و دنیاوی کامیابیوں کا راز مضمر ہے۔ اور اس کے ذریعہ دنیا میں طاغوتی طاقتوں کو مٹا کر الہی حکومت قائم ہو سکتی اور اس کے ذریعہ ایک انسان دوسرے انسان کا ہمدرد و ہی خواہ بن سکتا اور اس کے ذریعے ہر ایک انسان کی آزادی محفوظ ہو سکتی اور اسی کے ذریعہ نظم اور نظام انسانوں میں قائم ہو سکتا ہے اور نوع انسان اس دنیا ہی میں خلقی زندگی کا نمونہ دیکھ سکتی ہے۔

جہاں غیر اللہ کی فرمانبرداری و اطاعت انسان نے اختیار کی

اور نظم و نظام در ہم بر ہم ہوا اور انسان اپنی شرافت انسانی سے
جدا ہوا اور اس کی دنیاوی و اخروی زندگی رذالتوں اور گنجاستوں
سے چڑھوئی ۵

عزیزے کہ از دلکش سر بتافت

بہر در کہ شد ہمیشہ عزت نیافت

نسل انسانی کی تمام سربادلوں، تباہیوں اور گروہ بندیوں کا
راز اس میں پنہاں ہے کہ انسان خدائے تعالیٰ کی اطاعت کو
خالص نہ رکھ کر دوسروں کی اطاعت کا جو اپنی گردن پر رکھتا اور دوسرے
کو خدا بناتا رہا ہے۔ خواہ وہ چھوٹے خدا خواہشات نفسانی ہوں یا
شیطان جن ہوں یا چاند سورج اور ستارے ہوں یا پیر و فقیر ہوں
یا بادشاہ و امیر ہوں۔

منقول ۴۱

اسلام بیشک فرمانبردار بنانا اور
مرکزِ اطاعتِ خدا کی ذات ہے | گردن جھکا تا ہے لیکن صرف خدا
کا فرمانبردار بنانا اور صرف خدا کے آگے گردن جھکنا اور خدا کے
سوا ہر ایک کی فرمانبرداری سے روکنا اور خدا کے سوا ہر ایک کے
سامنے گردن بلند رکھنے کا حکم فرماتا ہے اور اس کو انسانی شرافت
اور نشانِ اسلام قرار دیتا ہے ۵

موجہ کہ در پائے ریزی ز رمش
وگر تیغ ہندی نہی بر سر رمش
امید و ہراسش نہ باشد ز کس
ہمین ست بنیاد تو حید و بس

مسلمان مجلس اجاب میں اپنے دوستوں کے حکم کو بھی مانتا ہے میدان جنگ میں اپنے سپہ سالار کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ بیماری کی حالت میں طبیب کے احکام کی تعمیل کرتا ہے شہر میں بیوتھیل بورڈ اور عدالت کے حکموں کی پابندی کرتا ہے اور اس کی تمام زندگی قاعدے اور سانچے میں ڈھکی ہوتی ہے لیکن یہ سب کچھ نتیجہ اس بات کا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی کا مطیع نہیں وہ خدا کے سوا کسی کو مطلق فرمانروا اور مختار ناطق یقین نہیں کرتا اور خدا ہی کے حکم کی تعمیل میں سب کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ خدا و رسول نے جس جس کے احکام جہاں تک ماننے کا حکم دیا ہے وہیں تک مانتا ہے اور خدا و رسول کے سوا کسی کو مطاع مطلق اور غیر مشروط طور پر فرمانروا نہیں مانتا اور جنگیزیت و فرعونیت کے آگے کبھی گردن نہیں جھکاتا اور عقل و فہم کے ہوتے ہوئے کبھی لایعقل چوپایوں کی طرح اپنے آپ کو کسی کے سپرد نہیں کرتا اس لئے کہ وہ تو صرف ایک ہی واحد و لاشریک خدا کا بندہ اور فرمانبردار بن چکا ہے اور صرف خدا ہی کے احکام بلا چون و چرا مانتا ہے لہذا جب خدا و رسول کے احکام کے خلاف اس سے کسی حکم کی تعمیل چاہی جاتی ہے تو وہ فوراً انکار کرتا اور بیوی بچے دوست اجاب قافلہ سالار، سپہ سالار، طبیب اور عامل سب کو پرکاش کی برابر بھی وقعت نہیں دیتا اس لئے کہ وہ خدا کا فرمانبردار ہے اور خدا اس سے اپنی ہی کامل فرمانبرداری چاہتا ہے، اس طرح نوع انسان میں کامل نظم اور سچو نظام قائم ہو سکتا اور انسانی شرافت باقی رہ سکتی ہے، صحابہ کرام نے

خدا نے تعالیٰ کی ایسی ہی کامل فرمانبرداری کی تھی اور اس طرح
 ماسوا اللہ کی فرمانبرداری سے قطعاً انکار کر دیا تھا اور اسی لئے
 ان میں کامل ضبط و نظام تھا اور اس لئے وہ دنیا کے فاتح اور سب
 سے زیادہ بہادر اور جاں فروش و بلند حوصلہ اور ذکی و دانا قوم تھے
 اور اس لئے ان کو رضی اللہ عنہم و رضو عنہ کا خطاب ملا۔ ۴۲ و ۴۳
 جس حکومت میں ایک یا چند انسانوں کے لئے انسان ہی مختار
 ناطق بن جائے اس کو شیطانی حکومت کے سوائے اور کیا کہا
 جاسکتا ہے اور مومن اس کے قیام کے لئے کہاں ساعی ہو سکتا ہو۔
 ایک غیر نبی اور غیر معصوم اولی الامر یا امیر یا امام کی تو حقیقت
 ہی کیا ہے خواہ افضل الرسل سید اولاد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی
 اگر اپنے منصب رسالت و نبوت کے علاوہ محض اپنی بشریت کے
 بناء پر کوئی بات فرماتے تو اس کی اتباع کو خود ہی امت کے لئے
 ضروری نہ بٹھراتے جیسا کہ حدیث تاہیر نخل اور بعض دوسری حدیثوں
 سے ثابت ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
 اپنی کتاب حجتہ اللہ البالغہ اور عقد المجید میں اس مضمون کو مفصل اور
 مدلل طور پر بیان فرمایا ہے۔ خدا نے تعالیٰ خود قرآن مجید میں
 فرماتا ہے کہ۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ
 وَالْحُكْمَ وَالنُّوْحَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا
 عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ
 بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ

تَنْكَرُ سُوْنَهٗ (آل عمران-۸)
 کسی انسان کا حق یہ نہیں کہ خدا تو اُسے کتابِ رحمت
 اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ یہ بیوہ اختیار کرے کہ
 لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے ہندے بن جاؤ یعنی
 خدا کے احکام کی جگہ میرے حکموں کی اطاعت کرو
 بلکہ تم کو چاہئے کہ ربانی بنو اس لئے کہ تم کتاب اللہ کی
 تعلیم دیتے رہتے ہو اور اس لئے کہ اس کے پڑھنے پڑھانے
 میں مصروف رہتے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کے لئے ہرگز یہ جائز نہیں
 کہ خدائے تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کر کے کسی انسان کے مجوزہ
 احکام کی اطاعت کرے خدائے تعالیٰ نے رسولوں کو اس لئے مبعوث
 کیا ہے کہ وہ لوگوں کو احکام الہی کی دعوت میں اس لئے نہیں کہ اپنی
 بندگی کراتے ہیں۔ (حدیث)

انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ انسان
قانون سازی خدا ہی کی ہے کو نظامِ امارت کے ان اصول و
 قواعد پر عمل ہونے کی تعلیم و تاکید فرمائی جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے
 بتائے گئے تھے لیکن شیطان و ترغیباتِ شیطانی کے قبول کرنے والے
 شیاطینِ الانس نے ہمیشہ ان الہی قوانین و اصول کی خلاف ورزی پر
 انسان کو آمادہ اور مبتلائے مصائب رکھنا چاہا۔ حق و باطل کی
 کشمکش جس طرح انسان کے ہر شعبہ حیات میں موجود نظر آتی ہے اس
 طرح نظم و نظامِ امارت کے معاملے میں بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ

برپا ہے تعلیمات انبیاء کا منشاء تھا کہ انسانی آزادی محفوظ رہی
انسان صرف خدا کا مطیع ہو اور اس کے خیال و عقیدہ، اعمال و
افعال املاک و اموال اور اختیار و ارادہ پر خدا کے سوا کسی دوسرے
انسان یا غیر خدا کا کوئی دباؤ نہ ہو۔۔۔۔۔۔ چنانچہ نمرود و فرعون
اور ان کی مخالفت کرنے والوں میں ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام
کی مثالیں اگر توریت و قرآن مجید میں مذکور ہیں تو ہندوستان کے
برہمنوں کی قانون سازی اچھوتوں کی بے چارگی، قدیم یونانی اور
قدیم رومی سرداروں کے محکوم اقوام پر مظالم، چنگیز و ہلاکو کی تونزیری
وغیرہ تاریخوں کے صفحات میں مندرج ہے اور موجودہ سفید فام اقوام کی
ستم آرائیاں سیاہ فام لوگوں پر ہماری آنکھوں کے سامنے ہر جود
ہیں۔ ص ۸۴، ۸۵

قرآن مجید کی تعلیمات کا خلاصہ اور لب لباب توحید الہی کو دنیا
میں قائم کرنا اور تمام جھوٹے خداؤں کا لمبا میٹ کر دینا ہے۔ اسی کا
نام خدا نے تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری اور کامل فرمانبرداری کے
دوسرے تمام فواحش مندوں کو مایوس کر دینا ہے اس میں ہر قسم کی
کامرانی و مقصدوری کا راز مضمر ہے اور اس کے ذریعے نسل انسان
اپنی شرافت کے صحیح مقام پر فائز ہو سکتی ہے۔ ص ۱۰۲، ۱۰۳
اب اس بات کے تسلیم اور یقین کر لینے میں کیا تامل ہو سکتا
ہے کہ مفید و ناقابل تنبیخ قانون وہی بنا سنا ہے جو کامل علم رکھتا
ہو حقیقی ہمدرد و مہربان ہو اور بے احتیاج ہو۔ ظاہر ہے کہ مخلوق
کے متعلق علم تمام خالق کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا، اور

ظاہر ہے کہ الرحمن سے زیادہ مہربان دوسرا نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ اللہ سے بڑھ کر بے اختیار دوسرا نہیں ہو سکتا۔ لہذا خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہو سکتی جو انسان کے لئے کامل و مکمل اور ناقابلِ ترمیم قانون بنا سکے؟ ۱۵

جب کہ انسان جو اپنا مقصد نہیں بن سکتا تھا اور الہی ہدایت کا محتاج تھا تو دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہونی چاہئے تھی جس کے لئے ہدایت الہی لانے والا کوئی ہادی مبعوث نہ ہوا ہو چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے -

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد رکوع ۱)

ہر ایک قوم کے لئے رہنما آتا رہا ہے۔ ۲۶

غیر الہی حکومت کے متعلق قرآن کا فتویٰ | جب کسی جماعت یا کسی

محسوس ہو کہ حکم اور فیصلہ کا اختیار خدا اور رسول یعنی کتاب و سنت سے چھین کر کسی شخص یا اشخاص کو سپرد ہو رہا ہے اور خدا اور رسول کی اطاعت مطلق کسی دوسرے کو منتقل ہو رہی ہے تو اس جماعت یا اس تحریک سے پرہیز کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ كَيْشَاقِقِ الرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ فَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ
نُورِ مَا تَوَلَّىٰ وَفُضِّلَ بِهِ جَهَنَّمَ سَاءَتْ مَصِيرًا (النساء - ۱۷)

اور جو کوئی ہدایت کے ہویدا ہو چکنے کے بعد رسول کی

منا لفت کر بگا اور مومنوں کے طریق کو چھوڑ کر دوسرے طریق
اختیار کرے گا تو ہم اس کو اُس رستے پر چلائیں گے
اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے اور دوزخ بہت
بڑا ٹھکانا ہے۔ (۶۴ و ۶۵)

بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے نوع انسان کے لئے جو کامل و مکمل
ہدایت نامہ بھیجا ہے اس کے ماتحت جو بادشاہت بینی الہی حکومت
قائم ہوگی وہی نوع انسان کے درد کا علاج ہو سکتی ہے اور وہی
نوع انسان کے لئے قیمتی چیز ہو سکتی ہے اور اس کی حالت نوعیت
وہ ہے جو اس فصل میں اوپر بیان ہو چکی ہے اور جس کا نمونہ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلا
و امارت تھی لیکن یہ بادشاہت و حکومت جس کا تصور عام دماغوں
میں ہے یہ تو کوئی قابل فخر اور قیمتی چیز نہیں ہے بلکہ انسانیت کے
چہرہ پر سیاہ و صعبہ ہے جس حکومت میں ایک یا چند انسانوں کو
خدائی اختیار مل جائیں اور انسانوں کے لئے انسان ہی محتار و مطلق
بن جائے اس کو شیطانی حکومت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے
اور مومن اس کے قیام کے لئے کہاں ساعی ہو سکتا ہے۔ (۱۰۹)
الہی حکومت کے قائم کرنے کے لئے کسی نئے پروگرام اور لائحہ
عمل کے بنانے اور انسانی دماغ کی ایچ سے کام لینے کی مطلق ضرورت
نہیں ہدایت نامہ الہی یعنی قرآن مجید پر عمل کرنے اور قرآن مجید
کی روشنی میں قدم اٹھانے اور سفر شروع کر دینے سے تھوڑی ہی
دور چل کر حکومت و سلطنت کی منزل آ جاتی ہے۔ (۱۰۹)

حضرت مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے افادۂ

حکومتِ الٰہیہ کے نصب العین میں دور ہیں نہیں ہو سکتیں منکرِ خدا ہی اسکا منکر ہو سکتا ہے ۔

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے شرف و اعتبار کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہیں، لیکن اس کے علاوہ ان کی ذات میں بھی بہت سی اقداری خوبیاں موجود ہیں وہ علم و فضل اور زہد و ورع میں بزرگانِ دیوبند کے وارث ہیں۔ اچھے صاحبِ قلم، متعدد کتابوں کے مصنف، نہایت خوشگوار و شگفتہ بیان مقرر ہیں، انھیں مسلمانانِ ہند کے ایک وسیع طبقے میں قدر و منزلت اور ہر دلعزیزی حاصل ہے۔ کانگریس کی ہم نوائی کی وجہ سے

جب کہ جمعیتہ علمائے ہند مسلمانوں میں غیر مقبول ہو رہی ہے
دیوبندی حلقوں کے جلسوں میں زیادہ تر مولانا محمد طیب صاحب
ہی بلائے جاتے ہیں، صوبہ بمبئی کی جمعیتہ العلماء کے دو سالہ
اجلاسوں کی صدارت مولانا طیب صاحب فرما چکے ہیں
صوبہ ہند کی جمعیتہ العلماء کا سالانہ اجلاس (غالباً) سالانہ
میں بمقام حیدر آباد منعقد ہوا تھا اس کی صدارت بھی مولانا
ہی نے کی تھی اس اجلاس میں آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا
تھا وہ تمام تر بڑے ہتھ کے اعتبار سے حکومت الہیہ کا
پیغام تھا ذیل میں روزنامہ "ہلال" بمبئی سے مولانا محمد طیب
صاحب کے اس خطبے کا ایک بڑا حصہ دیا جا رہا ہے۔

ان میں سے دو جزو علم احکام
اسلام میں دین سیاست الگ نہیں | اور حسن اخلاق و دیانت کے
اساسی شعبے ہیں۔ اور ایک جزو کمال نظم و اجتماعیت سیاست کا شعبہ
ہے اور سیاست کو دیانت سے جب بھی علیحدہ کیا جائے گا جب ہی حقیقی
سیاست قائم رہے گی نہ حقیقی دیانت اگر دیانت نہ رہے تو سیاست
ایک کٹ کھٹا اور جور و استبداد کا ملک ہو گا اور اگر سیاست نہ رہے
تو دیانت بے کس بے بس اور مجبور ہو جائے گی قانون محض اور کوئی سیاست
سے دنیا کبھی امن و چین کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔ اور نہ ہی عالم بشریت کی
اصلاح و تنظیم ہو سکتی ہے اگر ایسا ہو سکتا تو آج یورپ سب سے
زیادہ صالح سب سے زیادہ باہم مربوط اور ساری دنیا سے زیادہ
پرامن ہوتا کیونکہ وہاں تو امن سیاست کی دفعات برساتی کیرلوں کے

تعداد سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ کتنی ہی قانون ساز جماعتیں بارہ مہینے وضع قانون میں مصروف ہیں، ہاؤس قانونی بحثوں کے لئے وقف ہیں۔ نئی نئی ضروریات پر روزانہ قانون بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں لیکن جس حد تک سیاسی ضوابط بڑھتے جاتے ہیں اسی درجہ روابط باہمی گھٹتے جاتے ہیں۔ رقابتوں اور عداوتوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ انسانوں کی درندگی اور ہوس کی قانون کے دائرہ میں رہ کر قانونی غارت گریاں اور آئینی ظلم و ستم خوب خوب سکھتے جا رہے ہیں اور پورے کی ساری دنیا قتل و غارت اور ہوا و ہوس کا ایک جہنم زار بنی ہوئی ہے۔ پس اگر سیاست محض اور رکھے قانون سے بشریت کی اصلاح و تنظیم ممکن ہوتی تو یورپ کو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا کہ وہاں نہ سیاست کی کمی ہے نہ قوانین کی۔ ہاں اگر کمی ہے تو دیانت کی ہے۔ یعنی وہاں کی سیاست کے نیچے نہ اخلاق رہا کرتی ہیں نہ مقاصد الہیہ کا علم ہے اور نہ ان کا کوئی نمونہ عمل۔ اور جب سیاست کا محور ہی صحیح نہ ہو تو گوری سیاست اور خالی قانونی اوتار چڑھاؤ سے امن نفوس اور سکون عالم کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔ پس آج کی یورپین تباہ کاریاں عالمگیر سرکھٹول اور انسانیت کی یہ تباہی اور ذلت و خواری فقدان سیاست سے نہیں بلکہ فقدان دیانت کے سبب سے ہے۔ جب آدمی ایک بے شعور درندہ بن جائے تو محض سیاست اس کے دل و دماغ کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہ انقلاب ذہنیت صرف تہذیب اخلاق اور تعلیم کتاب اللہ سے ممکن ہے جو مجموعہ دیانت ہے۔ ہاں مگر اسی طرح دیانت بلا سیاست اور علم و اخلاق بلا شوکت بے بس نہیں

اور عام نگاہوں میں بے وقعت ہو جانے کے سبب قبول عام اختیار نہیں کر سکتے۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس ضعف اور صورت حال کے بڑھ جانے سے ان کی تحقیر و استہزاء اور تمسخر کی داغ بیل پڑتی ہے جس سے شوکت پرست طبقہ میں ان کی حقارت ایک مشن اور مقصد کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ فساد و فحشا طبعیتیں جو شوکت دین سے دینی مہنی میں ان حالات میں کھل کھلتی ہیں اور اسی استہزاء و تمسخر کی سنت کو اور مضبوط بنا دیتی ہیں ساتھ ہی وہ طبقہ جو کوفت و فحور کا شکار نہ ہو مگر تقویٰ و تقدس کی طرف بھی کوئی خاص میلان نہ رکھتا ہو وہ بھی مجبور کا غلبہ و استیلاء دیکھ کر ادھر ہی مائل ہو جاتا ہے اور اب وہ خاص حقانی طبقہ جو علم و اخلاق کا سرمایہ لئے رہتا ہے بے کس، بے بس ہوتا ہے جن میں سے منعفا، قلوب اس بے کسی کی مصیبت سے تنگ آ کر بالآخر ادھر ہی جاملتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ یہ دیانت بے سیاست اپنا وجود ختم کر دیتی ہے غلامی اور محکومی کے منحوس آثار رفعت و شوکت کے سارے جذبات ختم کر کے خود ہی بلا شرکت غیرے غالب آ جاتے ہیں۔ غلام آباد ہندوستان میں دیانت و راستبازی کی کمی نہیں بلکہ شاید وہ آزاد مسلم ممالک کی نسبت دینی سرمایہ کا زیادہ امین ہے لیکن اس کی دیانت بے یار و مددگار اور زبردست تشیع و ملامت ہے۔ مولوی کا غلط مذہب و نبیؐ ملازم تکفیر اہل حق ازالہ اثر امت علماء کی مساعی اور اس کے بالمقابل اسحا و شرک، بدعات، منکرات و فواحش اور معاصی سے اہل دیانت کی ترغیم صرف انہی کا نتیجہ ہیں کہ دیانت اپنی مہی اور سیاست و دوسرے کی نیچے مسجد اپنی ہے اور فضل و دوسرے کے ماتھے

میں ہے جب چاہے جب کھول دے اور جب چاہے جب بند کر دے۔
 پس اگر مغرب کی سیاست اس کے حق میں اس لئے باعث ہلاکت
 ہے کہ اس کے ساتھ دیانت شامل نہیں تو مشرق کی دیانت اس لئے
 ناپاکدار اور غیر مستحکم ہے کہ اس کی پشت پر سیاسی طاقت نہیں لگواں
 فقدان دیانت سے مادی مصائب موت ہلاکت طوفان زلزلوں
 وغیرہ کا ظہور ہو رہا ہے تو یہاں فقدان سیاست سے روحانی خطرات
 الحاد، دہریت، ایسے دینی، شرک و بدعت کا تسلسلہ ہے۔
 دنیا کبھی امن و چین کا سانس نہیں لے سکتی اسی لئے اسلام نے دین
 کی رہبانیت کو ختم کر کے تو اس کے ساتھ سلطنت ملائی اور سلطنت
 کی ملوکیت کو ختم کر کے اس کو خلافت الہی کا جامہ پہنایا جس سے
 دیانت و سیاست کا ایک ایسا حکم نامہ امتزاج قائم ہوا کہ دیانت
 کی بے بنیسی سیاست سے ختم ہو گئی اور سیاست کا جو رواج و استبداد دینیت
 سے پامال ہو گیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جامعیت کی
 طرف کھلے اشارے فرمائے ایک جگہ ارشاد ہے۔

الْمَلِكُ وَالِدَيْنِ تَوْأَمَانِ -

ملک اور دین دو جوڑواں بچے ہیں جو ایک دوسرے
 سے جدا نہیں ہو سکتے

ایک جگہ ارشاد ہے :-

بَعَثْتُ مَرْحَمَةً وَمَلِجَةً -

میں رحمت بنا کر بھی بھیجا گیا ہوں اور جنگ بنا کر بھی۔

ایک جگہ ارشاد ہے -

أَنَا الضَّحَاكُ وَالْمَقْتَالُ ۝
 میں بہت ہنس لکھ بھی ہوں اور جنگ آدر بھی ہوں۔
 ایک جگہ دوام دیانت کا وعدہ دیا اور ایک جگہ دوام سیاست
 کا۔

میری امت میں ہمیشہ ایک قوم دین کو برپا کرنے والی
 رہے گی۔

الْجِهَادُ مَاضٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ
 جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔

قرآن نے نبوت کی بھی مدح سرائی کی جو روحانی نعمتوں کا سرچشمہ ہے
 اور سلطنت کی بھی منقبت خوانی کی جو مادی نعمتوں کا سرمنشا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمُوا ۖ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ
 عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَهُ ۖ وَجَعَلَ لَكُم
 مَلُوكًا ۖ وَإِنَّا كُنتُم مِّنَ الْغَالِمِينَ ۝

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب موسیٰ نے
 اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے
 انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے
 تم میں بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب سلطنت
 بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہاں والوں میں
 سے کسی کو نہیں دیں۔

دین سیاسی نظام کی حیثیت میں | اسلام نے جیسے دیانت کی بنیاد

پانچ اساسی چیزوں کا ذکر توحید، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام، حج پر رکھی
 تھے۔ ایسے ہی سیاسیات کی بنیاد بھی پانچ ہی اصولی چیزوں پر قائم
 کی ہے۔ جماعت، سمع، طاعت، ہجرت، جہاد، اسلام نے جہاں
 اخلاقی نظام قائم کیا جس سے انسانی نفوس،

اور قلوب و ارواح کی اصلاح ہو اور اس سلسلہ میں عادات و عبادات
 اخلاقیات اور معاملات وغیرہ کے ابواب قائم کئے وہیں سیاسی
 نظام بھی قائم کیا جس سے بین الکملی احوال درست ہوں، فتن کا
 استیصال ہو اور قانون الہی کے رواج پذیر ہونے میں کوئی قوی
 یا ضعیف رکاوٹ پیدا نہ ہو اور اس سلسلہ میں اُس نے حدود
 قصاص، تعزیرات و کفارات جہاد اور یتیموں کے ابواب بھی پیش
 کئے اسلام نے امیر المؤمنین کو جہاں سیاسی احکام کا متفقہ نگران
 اور امام بنایا وہیں اخلاقی اور دینی امور کا بھی محافظ اور امام

بنایا ہے۔ چنانچہ عدالت فوجداری، دیوانی، نظام عسکریت اور
 دفع مظالم کے سانچے ساتھ امامت صلوٰۃ امامت جنازہ، ذاتیاتی
 احوال کی اصلاح اور اخلاقی تربیت بھی اس کے متعلق رکھی گئی ہے
 نئے امیر المؤمنین جہاں مسلمانوں کا بادشاہ ہو۔ وہیں بمنزلہ باپ
 و مربی و استاد کے بھی ہو گا تاکہ ان کی دیانت و سیاست
 و نون کی نگہداشت کر سکے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں کوئی
 سیاسی قانون بیان کیا گیا ہے وہیں کوئی نہ کوئی سیاسی دھمکی اور
 ادیب دینا و آخرت کی کوئی نہ کوئی وعید بھی سامنے رکھ دی گئی
 تاکہ دیانات کے استغراق میں سیاسیات سے غفلت نہ ہو جائے۔

سست کی علیحدگی بہر حال اسلام میں مذہب و سیاست
 دین اور سیاست کی علیحدگی الگ الگ نہیں نہ مذہب سے الگ
 سیاست کوئی چیز ہے اور نہ سیاست سے الگ مذہب کوئی
 اور پری چیز ہے۔ یہ فرق انہی مذاہب میں نکل سکتا ہے جنہوں
 صرف تعلق مع اللہ کے چند اصول پر بطور تصوف یا جوگیت
 نفس کی سعی کی ہے اور انسان کو دنیا کے تعلقات و لذائذ
 الگ کر کے خدا سے ملانے کی صورت رکھی ہے ان میں ترک
 بایں معنی اصل ہے کہ آدمی دنیا کے تمام معاملات تمام لذتوں
 تمام روابط کو ترک کر کے گھر بار اولاد و عزیز واقارب
 سے یکسر قطع ہو کر کسی پہاڑ کے گوشے اور دریا کے کنارے بیٹھ
 یا دالہی میں مشغول ہو ظاہر ہے کہ وہاں تعلقات کی کثرت
 ہمہ گیری کب برداشت کی جاسکتی تھی لیکن جس مذہب نے
 مع اللہ کے ساتھ تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس کے شعبے
 اسی تعقیب سے پیش کیئے ہوں اس کے یہاں یہ قطع تعلقات
 ترک لذات کی رہبانیت نا تمام انسانیت سمجھی جاتی ہو اور
 دنیا کا مفہوم گوشہ گیری نہ ہو بلکہ دنیا کے مجوم میں رہ کر
 ہو وہ سیاسی اور معاشرتی تعلقات سے اپنے پیروؤں کو کہ
 رکھ سکتا تھا اور اسے رہبانیت کب برداشت ہو سکتی تھی
 اس کے یہاں جیسے دیا تا مذہب کا جزو اعظم ہے وہیں سیاسی
 مذہب کا جزو اہم میں اور مذہب و سیاست کے الگ الگ
 کے کوئی معنی نہیں مذہب و سیاست کی یہ تفریق ایسی ہی غلط

جیسا کہ آج مذہب اور سائنس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ سائنس نے مذہبوں کی بنیادوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اور یہ دونوں یا ہم جمع نہیں ہو سکتے حالانکہ سائنس انہی مذاہب کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ جنہوں نے تمدن کو مثلاً کر رہبانیت دنیا میں قائم کی لیکن جو مذہب تمدنی حقوق تمدنی ضروریات وقت کے تقاضوں کے مناسب معاشرتی اقتصادی ضروریات کی تکمیل کا حامی ہو اُسے سائنس سے نقصان تو کیا پہنچتا سائنس اس کی مدد و معاون خادم ہے۔ ایسے ہی سیاست بھی دین کی خادم اور اس کا ایک جز و اہم ہے البتہ اس سیاست کے معنی سیاست عصریہ کے نہیں بلکہ سیاست شرعیہ کے میں جس کی بنیاد علم و اخلاق تقویٰ و طہارت اور فضائل اعمال پر ہے اور جو نزاع اخلاق و اعمال کو مٹانے کے لئے دنیا میں بھی گئی ہے نہ کہ ان کی تقویت کے لئے اور بالفاظ دیگر سیاست نبوت مراد ہے سیاست ملوکیت نہیں یہ سیاست مذہب کا جز و اعظم ہے جس سے کسی حال قطع نظر نہیں کی جاسکتی ہاں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ ان دونوں میں دیانت اصل اور مقصود بالذات ہے اور سیاست اس کے بقاء و استحکام کا ذریعہ اور وسیلہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہزار ہا انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں دیانات کے ابواب تو سب کو دئے گئے مگر سیاست اور جہاد کی مشروعیت بعض کے لئے ہوئی اور بعض کے لئے نہیں۔ اگر ایک ہی درجے کے دونوں مقاصد ہوتے تو یہ تفریق ناممکن تھی۔ اسی طرح جن اقوام کو دیانت اور سیاست دونوں دی گئیں جیسے بنی اسرائیل ہاں بھی اتنی تفریق

عموماً دیکھی جاتی ہے کہ انبیاء کا سلسلہ الگ ہے اور سلاطین کا۔
 اے شاذ و نادر ہی ایک آدھ جگہ جمع ہوا ہے۔ مگر مقصودیت
 دیانات کی شان و ہاں بھی نمایاں رکھی گئی کہ دیانات کا حکم نبی کی
 طرف سے ہوتا تھا اور اس کی تنفیذ سلاطین اور امراء عدل کے
 ہاتھ میں۔ ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دونوں شائیں لا کر
 جمع کر دی گئیں۔ آپ بیک وقت خلیفۃ اللہ فی الارض بھی تھے
 اور مربی دین عالم بھی تھے۔ مگر اصل دین تھا جو آپ کی سلطنت کا
 محور و مرکز رہا۔ یعنی آپ کی ساری اسلامی سیاست دین کے محور
 پر گھومتی تھی اور صرف اس لئے تھی کہ اس کی قوت سے دین و دنیا
 نفاذ پذیر ہوتے رہیں اور احباب و ترویج دین میں کوئی رکاوٹ
 نہ ہونے پائے جس سے دیانت کا مقصود بالذات ہونا اور سیاست
 کا اس کے حق میں وسیلہ ہونا صاف واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن
 نے اس کی تصریح کی ہے:-

الَّذِينَ اتَّكَفَوْا فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا
 الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِأَتَمِّ
 الْعُرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاللَّهُ
 عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت
 دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور
 نیک کاموں کے کرنے کا آرڈر دیں اور برے کاموں
 سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار

یہاں تک کہ فی الاذن یعنی سلطنت کی غرض و غایت دیانات
 کے شعبوں کو قرار دیا گیا ہے جس سے سلطنت کا ان امور کے حق میں
 وسیلہ ہونا ظاہر ہوتا ہے جس کا راز یہ ہے کہ انبیاء کا مقصد دنیا میں
 امانت کا پھیلانا ہے جو ایمان اور امن کی زمین ہے اور جسے انسان
 کے سوا کائنات ارض و سماء کے کسی بڑے سے بڑے جزو نے بھی
 قبول کرنے سے کانوں پر ہاتھ دھر لیا تھا اس امانت کی ضد فتنہ
 ہے جو اس کے حق میں سدا رہتا ہے۔ یہ فتنہ کبھی علم کی راہ سے
 آتا ہے اور کبھی عمل کی۔ علمی فتنہ کا نام فتنہ شبہات ہے اور عملی فتنہ
 کا نام فتنہ شہوات ہے اور ظاہر ہے کہ فتنہ شبہات جب کہ علم نافع
 میں مغل ہے تو وہ جہل کی قسم سے ہو گا۔ اور فتنہ شہوات جب کہ عمل
 صالح میں مغل ہے تو وہ از قسم ظلم ہو گا۔ اس لئے فتنہ مجموعہ ظلم و جہل
 ہے اور امانت مجموعہ علم و اخلاق انبیاء کا مقصد چونکہ امانت پھیلانا
 ہے جس کی راہ میں یہ فتنہ خلل انداز ہونا تھا تو اس کا دفعیہ ضروری
 سمجھا گیا۔ اور یہ فتنہ یعنی ظلم و جہل جب کہ انسان میں جبلی تھا تو جبلت
 کا بدلہ دینا اور لوگوں کے خلاف شبہات و شہوات سے انھیں نکالنا
 کوئی آسان کام نہ تھا کہ بغیر طاقت کے محض وعظ و پند سے پورا ہو جا
 اس لئے سیاسی قوت کی ضرورت پڑی پس سیاسی طاقت دیانات
 کے مستحکم کرنے اور ان میں علم و اخلاق نبوت پیدا کرنے کا ایک
 آلہ اور ذریعہ ہوتا کہ خلق خدا امن و سکون کے ساتھ اس علم خلق سے
 اپنے مقاصد زندگی یعنی طاعت و عبادت الہی کے فرائض انجام

دیتی رہے۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا
اسلامی سیاست اور عصری سیاست کا فرق
 مسلمانوں کی کسی سیاسی بددھمکا مقصد وہ نہیں ہو سکتا جو آج کی
 عصری سیاستوں میں پیش نظر رکھا جاتا ہے جس کا تمام تر خلاصہ ضرر
 بین چیزیں ہوتی ہیں زمین، زر اور ذاتی اقتدار۔ آج کے سیاسی اور
 جنگی اقدامات کی آخری منزل اور حقوق طلبی کا آخری معیار اس کے
 سوا کچھ نہیں کہ فلاں فلاں خطہ جغرافیائی حیثیت سے چونکہ فلاں
 ملک یا قوم کا حق ہے لہذا اُسے ملنا چاہئے۔ یا فلاں فلاں قصبہ
 میں فلاں قوم کا تجارتی نظام قومی یا نسلی یا وطنی حقوق کے
 ماتحت قائم ہونا چاہئے۔ یا فلاں ریاست پر فلاں شہنشاہی کا اقتدار
 یا اشداب قائم ہونا چاہئے ورنہ پھر جنگ ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلی
 صورت میں زمین دوسری میں زر۔ اور تیسری میں ایک قوم کا ذاتی اقتدار
 نکلتا ہے جسے جنگ کے لئے وجہ جواز اور کافی حجتہ سمجھ لیا جاتا ہے
 آج دنیا کی دو ٹلٹ آبادی انہی تین وجوہ جواز سے کٹ مرنے اور سر پھیلنے
 کے عذاب میں مبتلا ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر سے یہ وجوہ
اسلامی نظام حکومت اور اسباب جنگ
 جواز جنگ کی نہیں بلکہ حرمت جنگ
 کی ہیں کہ وہاں جنگ یا آویزش
 کسی خطہ زمین کسی تجارتی مفاد یا کسی انسانی اقتدار کے لئے ہوئی
 نہیں سکتی یہ اغراض اس کے نزدیک نہایت خفیس اور دنی ہیں اس کے

نزدیک زمین یا سرمایہ یا انسانی اقتدار کسی قوم اور کسی قبیلہ کا حق نہیں کہ اس پر ہجوم کرنے کا اسے حق ہو۔ زمین کے بارے میں ارشاد ربانی ہے

اِنَّ اَرْضَ الْاَسْرَافِیُّوْرَہِمَا مِنْ تِیْشَاءِ
بَلَا شَبَّہِ زَمِیْنِ خُدا کی ہے جسے چاہے زمین کا وارث بنائے۔

یہاں زمین کی ملکیت اللہ کے لئے ثابت کی ہے انسان کے لئے نہیں وہ صرف بقدر وراثت حصہ پاسکتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہٗ

میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں یہاں انسان کے لئے خلافت ارضی ثابت کی گئی ہے نہ کہ ملکیت ارضی یعنی مالک الملک خدا ہے اور یہ اس کی طرف سے نائب ہے اس کی طرف سے زمین میں تصرف کرسکتا ہے ذاتی طور پر نہیں مال کے بارے میں فرمایا گیا۔

وَ اَتُوْہِم مِّنْ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتٰکُمْ
اور لوگوں کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے

تم کو دیا ہے۔

یہاں سارے مال کو خدا کی ملک بتلایا گیا ہے جس کے حق میں انسان ہیں اور وکیل ہے اور اس کی اجازت اور اباحت سے اپنے اور اپنے متعلقین پر خرچ کرسکتا ہے۔ ذاتی جہات سے نہیں ایک جگہ فرمایا

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ

اور خرچ کرو اس مال میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے۔ یہاں رازِ قیامت اللہ کے لئے ثابت کی گئی ہے جو اس کی مالکیت کی دلیل ہے اور انسان منفق اور محض خرچ کنندہ کہا گیا ہے جو اس کے صرف خرابچی ہونے کی دلیل ہے۔

اسی طرح حکومت و اقتدار اور انتداب کے بارہ

حکومت الہی | میں فرمایا گیا کہ :-

ان الحكم الا لله

حکم کا منصب سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ اس سے ایک خدا کی حاکمیت ثابت ہو کر ہر غیر اللہ کی حکمرانی منہی ہو جاتی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُنَّةٍ إِذَا قَضَىٰ

اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ

الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ

وَرَسُولَهُ فَتَنْصِلْ إِلَىٰ حَبْلٍ لَا مَيْدَانَ

اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش

نہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں کہ

ان کو اس کام میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ

اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی

میں پڑا۔

اس میں آمریت صرف اللہ کے لئے مخصوص کر کے انسان سے

نہ صرف آمریت کی نفی ہی کر دی گئی ہے بلکہ اوامر الہی کے بعد بندہ

کے چون و چرا اور کم و کیف کی گنجائش بھی سلب کر لی گئی ہے یعنی امر الہی کا ماننا تو بجائے خود ہے اس میں تامل کرنا بھی عصیان اور کھلی گمراہی بتایا گیا ہے۔ قرآن کے ان تینوں مقامات سے واضح ہے کہ مالکیت آمریت اور اقتدار اور حکومت صرف خدا کے لئے ہے ساری زمین اور سرِ بابہ صرف اسی کے حیطہٴ ملکیت میں آیا ہوا ہے۔ اس تعلیم کے بعد کسی مسلم قوم کو جو اس قطری تعلیم سے آشنا ہو ان اغراض کے لئے کسی سیاسی جدوجہد یا کسی جنگی اقدام کا حق نہیں پہنچتا ہاں وہ اگر کسی زمین کا قصد کریں گے یا کسی قوم پر مجرم کرینگے تو اپنے لئے نہیں بلکہ خدا کے لئے۔

الحکومت والجمہاد | چنانچہ قرونِ اولیٰ کے جنگی اقدامات کی وجہ جواز یہ یادداشتیں نہ تھیں کہ فلاں خطہ جغرافیائی حیثیت سے عرب میں شامل ہونا چاہئے یا عرباً بتدائی کسی رقبہ پر ضروری ہے یا عرب تجارت کے لئے فلاں دریا کا کنارہ اس کے لئے مخصوص ہونا چاہئے ورنہ اعلان جنگ ہے بلکہ کسی رقبہ زمین پر وجہ جواز جنگ سے لئے تین چیزیں پیش کی جاتی تھیں یا خدا کا دین قبول کر لو یعنی اسلام میں داخل ہو جاؤ جو مجموعہٴ دیانت و سنت اور چشمہٴ علم و اخلاق ہے۔ یہ نہیں تو خدا کے دین کی شوکت قبول کر لو اور اپنے مذکب پر قائم رہتے ہوئے قانونِ الہی کے اقتدار کے نیچے آ جاؤ۔ اور یہ اقوام پر اس لئے شائق بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ غیر اسلام میں کہیں مذہب و سلطنت ایک چیز نہیں۔ یہ بھی نہ ہو تو خدائی اصول پر کوئی شریفانہ معاہدہ کر لو اور اپنے ملک میں آباد رہوان میں سے

کوئی بات بھی قبول نہ ہو تو یہ ادا امر الہی سے کھلی بغاوت اور اعلان جنگ ہے اور خدا کے باغی کے لئے نائنجان خداوندی کے پاس کوئی رعایت یا جان و مال کی حفاظت کی کوئی ادائیگی ضمانت نہیں

اسلامی جہاد کی غرض و غایت | پس اسلامی جہاد اور اسلامی سیاست یا اس کے کسی سیاسی اقدام کی غرض

وغایت زمین و سرمایہ یا اقتصادی نظام وغیرہ تو کیا ہونا مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم کرنا بھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اشاعت دین اور محض خدا کی حکمرانی دنیا سے منوانا اس کے کلمہ کو اویسنا کرنا اور صرف اسی کے مستند قانون کو دنیا میں پھیلانا اور اقوام کی صفوف میں نظام ملت کی شوکت قائم رکھنا ہے۔

لتكون كلمة الله العلياء

آپ اندازہ کریں کہ ان مقدس اور ہمہ گیر مقاصد اشاعت دین الہی۔ اقامت حکومت الہی حفاظت نظام الہی سے دنیا کی کونسی دانشمند قوم اعراض کر سکتی ہے؟ کہ اس میں کسی قوم کے اپنے اقتدار یا مفاد کا سوال ہی نہیں بلکہ صرف اقتدار خداوندی اساس مفاد ہے، گریز اگر ہو سکتا ہے تو کسی قوم کو کسی قوم کے ذاتی اقتدار کے تحت میں آنے سے ہو سکتا ہے۔

اور ہونا چاہئے جبکہ انسان انسان اقوام اقوام سب برابر ہیں تو کہ فی وجہ نہیں کہ ایک قوم دوسری قوم پر خواہ مخواہ اپنا اقتدار قائم کرنے یا اسے غلام بنانے کے منصوبے کا پیچھے لیکن ایک قوم اپنے اقتدار کا نہیں بلکہ انحرار کا اعلان کر کے یہ واضح کرے

کہ وہ ذاتی اغراض یا مفاد کی خاطر مصروف جنگ ہونا نہیں چاہتی بلکہ صرف اس لئے کہ خدا کا صحیح اور مستند علم اور خدا کے پاکیزہ اخلاق سے دنیا آتشنا ہوا سے ملک گیری اور طمع جاہ و مال سے کوئی علاقہ نہیں بلکہ وہ ہزار ملک فتح کر کے بھی اپنی ذوات کے حق میں درویش اور سادہ حال رہنا چاہتی ہے۔ اس کا جنگی مقصد ہوں زر و جواہر نہیں بلکہ زند و قناعت سے دنیا کو ہم کنار کرنا ہے۔ اس کا مقصد خود وہ نہیں بلکہ اس کا خدائے تو یہاں کسی کے ذاتی یا قومی اقتدار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کسی قوم کو اس جنگی اقدام کے حق بجانب سمجھنے میں ذرا سا بھی شبہ دامن گیر ہو۔ پس بندوں کی حکومت بندوں پر تو موجب نزاع و فساد بن سکتی ہے لیکن خدا کی حکومت بندوں پر تو جب ہی وجہ نزاع بن سکتی ہے جب خدا ہی کے ماننے سے انکار کر دیا جائے۔

ایک لمحہ غور و فکر | اس لئے آج بھی اگر مسلمان اپنی قومی حکومت قومی اقتدار یا کسی خاص خطہ زمین پر مخصوص انتداب یا سربراہی اور اقتصادی نظام یا کسی خاص وطن کا جغرافیائی سوال لے کر کھڑے ہوں گے تو قطع نظر اس سے کہ یہ مقاصد اسلامی مقاصد نہ ہوں گے وہ کسی معقول طریقہ پر ان سوالات کو کسی سے منوا بھی نہیں سکتے اور نہ کسی وجدان صحیح کی روشنی میں خود ہی اپنا اطمینان حاصل کر سکتے ہیں بہر حال کامیابی اور ناکامی تو خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن نصب العین اور نظریہ اگر صحیح اور موجب اطمینان و تسلی ہو تو ہر اقدام پر کیف اور پُر سکون ہو جاتا ہے اور خود مطمئن ہو کر آدمی دوسروں

کو بھی مطمئن کر سکتا ہے۔ اس لئے اگر ہم اپنا نصب العین وہی قائم کر کے جو قرونِ اول کا تھا یعنی قانونِ الہی کی ترویج اور اقتدار حق کی اشاعت اعزازِ نظامِ دین جن کا خلاصہ وہی تین امور نکلتے ہیں تعلیم احکام تہذیب اخلاق اور تنظیمِ اعمال یعنی اتباعِ اسوۂ حسنہ تو ہمارے سرِ دعوئے ہیں معنی پیدا ہو جائیں گے اور ہمارا ہر اقدام ذاتی مفاد کی تہمت سے پاک ہو کر دنیا کے نزدیک قابلِ قبول بھی ہو جائے گا۔ نیز کامیابی کی منزل بھی قریب تر آ جائے گی۔

خلافتِ راشدہ کے بعد | میں جہاں تک سمجھتا ہوں قرونِ خیر کے بعد اسلام کی بارہ سو سالہ عمر میں جس قدر بھی قومی انحطاط و تنزل یا اقدامات میں جس قدر بھی ناکامی کے آثار کبھی نمایاں ہوئے ہیں ان کا بنیادی سبب اکثر و بیشتر انہی تین اسی چیزوں کی قلت یا قوم کے مزاج کا ان تینوں عنصروں کی آمیزش سے خالی رہ جانا یعنی فقہانِ جامعیت ہوا ہے یعنی ناکامی یا علم کی قلت سے یا اخلاق کی کمزوری سے یا نظام کی ابتری سے پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ اور اس کے تتمہ یعنی عمر بن عبد العزیزؓ کے بعد (جو ان تینوں عناصر کی جامعیت کا مکمل نقشہ اور طوفانی فتوحات کا حقیقی دور تھا) مسلمانوں کے تنزل کے سلسلہ میں اول فتوحات رکیں پھر ملک ہاتھ سے نکلنے شروع ہوئے پھر اندرونی کمزوریاں ابھر کر نظم میں ابتری پھیلی اور پھر انجامِ کار پستی اور زبردستی کے ایام آنے لگے یہ محض ایسی لئے کہ مسلمانوں کے سامنے منزلِ مقصود نہ رہی یا رہی تو راہِ مقصود نامعلوم رہی یا راہ بھی معلوم رہی تو اس پر چلنے

کی اخلاقی طاقت باقی نہ رہی اور با وہ بھی رہی تو کوئی چلانے والا مرکز اور امام نہ ہوا جو اپنے علم و خلق سے اسی مقررہ نظام نہیں لے چلے اور اگر کوئی ایسا فرد بھی ہوا تو گروہی تعصب نے اس کی پیروی کی اجازت نہ دی۔ غرض ان تینوں عنصروں کی علمی قوت اخلاقی قوت اور انتظامی قوت کا زوال ان نتائج بد کا موجب بنا رہا ہے۔

اقامتِ حکومتِ الہی | میں رائیں دو ہو سکتی ہیں لیکن اس نصب العین میں ایک کے سوا دوسری رائے کی گنجائش نہیں کہ ہم سب کا حاکم و بادشاہ خدا ہے پس نظریہ سے اختلاف وہی رکھنا ہے جو سرے سے خدا کے وجود ہی کا منکر ہو اس لئے قومی اتحاد کے پروگرام کا جامع نقطہ اس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام نے سب سے پہلے اللہ کی ذات واحد کو بطور مرکزِ قلوب پیش کیا تاکہ تمام قلوب سب سے کٹ کر اس ایک مرکز پر جمیع ہو جائیں کہ توحید سب سے بڑا مرکز اتحاد ہے۔ آج کے اختلافات و حقیقت توحید اعتقادی یا توحید عملی ہی کی کم زوری سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ہر عمل میں انسان سب سے بیگانہ بن کر صرف ایک خدا کے لئے اپنا مرنا اور جینا متعین کر لے تو وہ سب سے متحد ہو جائے گا اور سب اس سے متحد بن جائیں گے۔ ورنہ جس حد تک شرک آتا جائے گا اسی حد تک انسانوں میں پرانندگی بڑھتی رہے گی کیونکہ مرکزِ قلوب واحد نہ رہے گا اس لئے اسی کی واحد ذات اسی

کے واحد کلام اسی کے واحد کعبہ اسی کے واحد رسول کی طرف تمام امت کو علمی اعتقاد دی اور عملی دعوت دی گئی ہے تاکہ دلوں پر اور پھر دلوں سے باہر پورے عالم بشر پر پر ایک اللہ کی حکومت قائم نہ جائے پس پورے دل و دماغ سے ذات الہی پر جاؤ حکومت الہی کا پہلا قدم ہو گا کہ جس کے بغیر قیامت حکومت الہی کا دعویٰ محض زبانی دعویٰ ہو گا جس کی کوئی اصلیت نہ ہوگی۔ پھر قانون الہی (کتاب اللہ) کی پیروی اور اخلاق الہی سے متعلق ہو کر اس قانون پر چلنا اور اسے چلانا حکومت الہی کا دوسرا قدم ہے کیونکہ جب تک بادشاہ کے اقتدار اور قانون کا علم نہ ہو اس کی حکومت پوری طرح دلوں پر تسلط نہیں ہو سکتی اور نہ ہر شعبہ زندگی میں وہ مشعل راہ ہی بنایا جاسکتا ہے اسی کے ساتھ پھر اپنی خصوصیات اور منازعات میں اسی کو حکم بنانا حکومت الہی کا تیسرا قدم ہے جس کی شکل یہ ہے کہ ہر محلہ میں بغیر رسم و طور پر اسلامی عدالت قائم ہو ایک مستند عالم جو فقہ اسلامی کا ماہر ہو ہمارے روزمرہ کے نزاعات میں فیصلہ کروے۔ اس حکم سے جب کہ ہم نے مالک المملکت حکم بنا دیا ہو آپ اندازہ کریں کہ فیصلہ کس قدر طمینان بخش اور کتنا سہل اور مالی مصارف اور کھروں کی پادوڑی سے کس درجہ پاک ہو گا؟ ہم مسائل کے لئے جو قوت کے بغیر لے نہ ہو سکیں گورنمنٹ سے محکمہ قضا کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے جس کے لئے متحدہ سٹی کی ضرورت ہے یہ حکومت الہی کا چوتھا قدم ہے۔

حکومت الہی اور قانون الہی | کیا یہ ہمارا فرض نہیں ہے جبکہ

ہم حکومت الہی کے مدعی ہوں کہ ہم قانون الہی کو جو حکومت الہی کا ظہر
 انتم ہے نماز روزے سے زیادہ نکاح و طلاق تک محمد و نہ رکھیں
 بلکہ اپنے گھر بار جائداد و املاک اور عام معاشرتی و اخلاقی معاملوں
 میں بھی اسی مقدس قانون کو مشعل راہ بنائیں۔ اور اس کے بالمقابل
 رواج کی جہالتوں میں نہ پھنسے رہیں۔ اگر حکومت الہی کے ادعا کے
 بعد بھی ہم اپنی طرف سے طوع و رغبت رواج پسندی اور شرعی قانون
 سے لاپرواہی قائم رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا نام قانون الہی
 سے بغاوت نہ رکھا جائے؟ پس ایسی صورت میں جبکہ ایک قوم
 خود اپنے بادشاہ کے قانون سے منحرف اور بغاوت میں ملوث ہو
 وہ حکومت الہی کے عنوان کی دعوے دار کس منہ سے ہو سکتی ہے؟
 حکومت الہی کے سلسلہ میں یہ چار ابتدائی قدم ہیں ان کے
 ذریعہ عمل کا نقش قدم قائم ہو کر آئندہ دوسرے قدم بھی اس سلسلہ
 میں اٹھائے جاسکتے ہیں جس سے شعائر اللہ کی عظمت کا دنیا میں
 رواں ہو۔ مگر ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مکالمے دار د۔

تفصیلات کا موقع نہیں لیکن
 اصولی طور پر اب اس کے مان لینے
 میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیے
ہندوستان میں سلامی حکومت کا زوال۔

کہ ہندوستان کی باگ ڈور بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے انہی عمریں غناور
 کے زوال سے نکلنی شروع ہوئی۔ عالمگیری دور اور فتویٰ عالمگیری کے
 فقہی نظام کے بعد تدریجاً ان تین بنیادوں میں نقصان آیا تو رفتہ
 رفتہ اس ملک پر مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی ہوئی شروع ہوئی اور

اٹھارہویں صدی عیسوی میں ملک کی جہالت نا تربیتی اور بد نظمی کے سبب بالآخر یہ ملک کلیۃً ہاتھ سے نکل گیا۔

۱۲۹۴ء میں اللہ کے چند مخلص بندے حضرت سید صاحب شہید بریلوی اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ کی قیادت میں اٹھ بڑھے اور شہید بھی ہو گئے۔ مگر تمام قوم کی لاعلمی اور نا تربیتی ناکامی کا باعث ہوئی اور اپنے ہی اجزاء ذریعہ شکست بن گئے۔

۱۵۰۰ء میں پھر ایک جدوجہد ہوئی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا گنگوہی اپنے شیخ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب ج کی قیادت میں اٹھے اور فتوحات کی لائن پر پڑ بھی گئے۔ مگر وہی قوم کی بے بصیرتی ناخبرہ کاری اور ناتیار سازی سامنے آئی۔ ملک تعلیم و تربیت سے بیگانہ ہو چکا تھا۔ اس لئے نتیجہ صفر کے درجہ میں رہا۔

۱۳۰۹ء میں حضرت اقدس مولانا شیخ الہند کھلکھل میدان تخریب میں آئے قوم کی طرف سے جوش بیلا استقبال ہوا غلٹ رفتہ کی بازیافت کے لئے تحقیقی تریپ کے ساتھ قوم اٹھ کھڑی ہوئی مگر تعلیم و تہذیب اخلاق کی قلت نے نتیجہ پھر پر وہ عدم ہی میں مستور رکھا اور افغانی مصفا بڑھتے ہی گئے اور آج جبکہ قدرتی انقلابات کا تحت اقوام کی قسمتوں کے فیصلے ہو رہے ہیں کوئی قوم ابھر رہی ہے اور کوئی گر رہی ہے مسلمانوں کی اکثریت علم و اخلاق اور نظم سے اتنی ہی دور ہے جس قدر کہ سو برس پہلے تھی۔

اس سے انکار نہیں کہ جذبات و عواطف اور میلانات میں

تغیر ضرور ہو رہا ہے۔ رفتار زمانہ نے انہیں جھنجھوڑ کر کچھ بیدار بھی کر دیا ہے اور خواب غفلت چھوڑ کر بیداری کی طرف آ بھی رہے ہیں لیکن محض غیند سے جاگ اٹھنا تو کافی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اٹھ کر منزل مقصود کا راستہ نہ ملے اور گامزنی نہ شروع کر دی جائے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تعمیری رنگ میں انہیں عرض کر دے تین بنیادوں کو جو قرن اول کا اصلاحی پروگرام ہے مضبوطی سے پھر سنبھالا جائے یعنی تعلیم کتاب، تہذیب اخلاق، تعمیل اُسوہ حسنہ جس کو ذرا اور عام عنوانات سے یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے، اشاعت دین الہی، اقامت حکومت الہی، تنظیم حیات انسانی۔

مولانا محمد طیبؒ کے خطبے پر اک نظر

مولانا نے اپنے خطبے کے ایک حصے میں دیانت و سیاست سے گفتگو کی ہے اور فرمایا ہے کہ ”ہزار ہا انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں دیانات کے ابواب تو سب کو دے گئے مگر سیاست اور جہاد کی مشروعیت بعض کے لئے ہوئی اور بعض کے لئے نہیں۔“ مولانا کے ان الفاظ سے اس بارے میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے کہ تمام انبیائے کرام کا مقصد بعثت دنیا میں خدائی قوانین حیات کا اجراء و نفاذ تھا جو انبیاء سیاسی طاقت نہ رکھتے تھے ان کے بارے میں مولانا خود فرماتے ہیں کہ دیانات کا حکم نبی کے طرف سے ہوتا تھا اور اس کی تنفیذ سلاطین اور امراء عدل کے ہاتھ

سے، ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دونوں نشانیں لاکر جمع کر دی گئیں۔ آپ بہ یک وقت خلیفۃ اللہ فی الارض بھی تھے اور مرنے والے دینِ عالم بھی مگر اصل دین تھا جو آپ کی سلطنت کا محور و مرکز رہا۔

عالمِ اسلام پر مدتِ مدید سے جو حالت طاری ہے اور مسلمان جس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دین و سیاست کی تفریق کچھ اس طرح جزو فکر و نظر ہو گئی ہے کہ وہ دور کرنے پر بھی دور نہیں ہوتی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بات کے سلجھانے اور مسئلے کو روشن کرنے کی سعی بھی بات کے ابجھانے اور مسئلے کے دھندلا کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ مولانا کے خطبے کا یہ حصہ بھی مجھے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، اچھا اللہ کی خلا راضی اور دینِ عالم کی قربیت الگ الگ دو چیزیں سمجھی، اور دونوں میں فرقِ مراتب سمجھی، لیکن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس دونوں کی جامع تھی اور امتِ مسلمہ حضور کی اتباع پر مامور ہے لہذا اسے بھی ان دو چیزوں کا جامع ہونا چاہئے، آپ پوری انسانی زندگی کو دین کہتے تھے یا اس کے حصے بخرے کبھی نتیجہ ایک ہی برآمد ہو گا، اللہ کی پوری کتاب اور اللہ کے رسول کی پوری سنت دین ہے اور حضور نے دین کو غالب کیا تھا مسلمانوں پر بھی دین کا غالب کرنا واجب ہے۔

میں درخواست کروں گا کہ انبیاءِ کرام کا پیغام کیا تھا اور ان کی بعثت کی غایت کیا تھی، اس کو ایک بار پھر

حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات میں
ملاحظہ فرمائیے۔

ایک مقام پر مولانا طیب صاحب نے حکومت الہیہ کے
قیام کی جانب اقدام کی منزلیں بتاتے ہوئے چوتھا قدم اُسے
قرار دیا ہے کہ گورنمنٹ سے محکمہ قضا کا مطالبہ کیا جائے۔
یہ مولانا کی ذاتی رائے ہے، اللہ رسول کا حکم نہیں مولانا
کی اس رائے کے ساتھ اللہ و رسول کی کوئی سند نہیں ہے۔
علاوہ ازیں مولانا کے نزدیک بھی یہ آخری قدم نہیں انھوں نے
فرمایا ہے کہ ”حکومت الہیہ کے سلسلے میں یہ چار ابتدائی قدم
ہیں ان کے ذریعے عمل کا نقش قدم قائم ہو کر آئندہ دوسرے
قدم بھی اس سلسلے میں اٹھائے جاسکتے ہیں جس سے شعائر اللہ
کی عظمت کا دنیا میں سکھ رواں ہو۔ ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مکانے
دارد۔“ خلاصہ یہ کہ مولانا نے حکومت الہیہ کے نصب العین کے
متعلق اللہ و رسول کی سند سے جو کچھ فرمایا ہے وہ مسلمانوں کے
لئے بے چون و چرا قابل تسلیم ہے اور جہاں تک ان کی ذاتی رائے
ہے اس کی حقیقت مولانا کے اس فقرے میں پوشیدہ ہے۔
”مگر ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مکانے دارد“

آسمانی حکومت کی تصویر

حکومت الہی

عالم انسانی میں فرمان فرمائی کا حق خالق اور پروردگار کے سوائے
 کسی کو نہیں دیا جاسکتا
 (از حضرت علامہ غازی ابوالکلام محمد بن عبداللہ انصاری مدظلہ، مقيم کابل جلاوطن
 از ہندوستان)

یہ مضمون اسی عنوان اور اسی نام سے ماہنامہ ”قائد“
 مراد آباد کے محرم ۱۳۳۵ھ کے پرچے میں شائع ہوا ہے
 ”قائد“ کے معاونین میں حضرت مولانا حسین احمد، حضرت
 مولانا ابوالحسن محمد سجاد صاحب، حضرت مولانا معین الدین
 جمیری اور دوسرے اکابر جمعیتہ علمائے ہند اور بزرگانِ اعلیٰ

دیوبند کے نام درج ہیں اور رسالہ کا پورا ادارہ مرکزی اور یوپی کی جمعیۃ العلما سے تعلق رکھتا ہے۔
 ”قائد“ کے نصب العین اور حضرت علامہ محمد بن عبد اللہ انصاری کی شخصیت کے متعلق ”قائد“ کے اس شمارے کے شذرات میں تحریر ہے۔

”ہندوستان میں محکمہ قضا کے قیام کے متعلق خیالات کو ہموار کرنا رسالہ کا سب سے پہلا مقصد تھا جو کسی وجہ سے ابتداءً شائع نہیں کیا گیا مگر حضرت علامہ غازی مولانا محمد بن عبد اللہ عرف منصور انصاری مدظلہم العالی (جو سیدنا شیخ الہند اولیٰ مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز کی تحریک کے رکن رکن اور حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے دست راست تھے جس کی پاداش میں وہ پچیس برس سے جلاوطن اہل و عیال سے دور کابل میں مہاجرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں) کی مخصوص توجہات نے نظریہ پر بلندی پیدا کر دی۔ اور اب حکومت الہی یا آسمانی حکومت کی تبلیغ و اشاعت رسالہ کا اہم مقصد ہو گیا۔“
 اس مضمون یعنی آسمانی حکومت کی تصویر یا حکومت الہی کے متعلق ایڈیٹر نے یہ نوٹ لکھا ہے۔

”اصل کتاب فارسی میں ہے۔ خاکسار نے اصلاحی الفاظ اور کتاب کے مفہوم کی مجسمہ بانی رکھتے ہوئے سہولت کے لئے کسی فقرہ کی معنی میں ترتیب بدل دی ہے اور کہیں توضیح کے لئے

کوئی لفظ زیادہ کر دیا ہے.....“

اب علامہ غازی محمد بن عبد اللہ صاحب انصاری کا مضمون
ملاحظہ کیجئے۔

پہلا باب۔ قانون اور قانون سازی

تمہید (۱) قانون شریعت

تعریف افراد انسانی کے اختیارات کی حد بندی، ان کی جانوں
اور ان کے مالوں میں حقوق کا مقرر کر دینا اور ان کے لئے فرمانبرداری
اور اطاعت شکاری کے طریقے اور رسومات بنا دینا۔

(ب) حکومت، بادشاہی فرماں فرمائی۔
کسی قوم یا کسی ملک کے لئے ایسا قانون بنا دینا جس کی اعلیٰ
لاحاحالہ کرنی پڑے۔

(ج) فرمانبرداری مجموعی۔ تابعداری۔ یعنی (عبدیت) قوانین
کو جاری ہونے دینا ان کی پابندی کرنا۔

جو حکومتیں دنیا میں قائم ہیں ان کے اصلی اور فطری، یا جعلی اور غیر
فطری ہونے کی پہچان یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ جامعہ بشریت پر کسی
انسان کو قابو یافتہ اور مطلق العنان غلبہ دیا جا رہا ہے یا نہیں جو
نظام حکومت کسی انسان یا انسانوں کی کسی جماعت کو انسانیت اور
جامعہ بشریت پر تشریعی یعنی دستور سازی اور اصولی قانون بنانے کا
حق دے وہ جعلی اور غیر فطری ہے

کیونکہ اصولی قانون بنانے کا حق اتنا بلند اقتدار ہے اور ایسا

اونچا تصرف ہے کہ مالک کے سوا کسی کے لئے بھی اس کا استعمال جائز نہیں، اب غور کرو کہ جامعہ بشریت کا مالک کون ہے تاکہ قانون سازی کا حق اس کے سپرد کر کے عالم انسانی کو زحمت سے نجات دلا دے۔
(۱) جامعہ بشریت کا مالک، (دلیل عقلی)

انسان ایک جناب ہے نہ اس کا وجود اصلی نہ اس کا کوئی وصف اصلی، وہ دونوں میں کسی کا محتاج ہے۔

نور آفتاب کا زمین پر آنا جانا مثال ہے ہمارے وجود اور صفات کے آنے اور جانے کی، آفتاب کی طرح ہمارے وجود اور صفات کا مرکز کون ہے؟ وہی جس کو ہم خدا کہتے ہیں، یقیناً وہی مالک حقیقی ہے جامعہ بشریت کا۔ اور ہماری ملکیت ایک عرضی اور طفیلی ہے جو مالک اصلی کے مرکز ملک سے ہم تک پہنچی ہے، اسی طرح ہماری تمام صفات عقل، علم، وغیرہ وغیرہ۔ طفیلی ہیں۔

(کس قدر فریب خوردہ ہو گا ذرہ بے مقدار اگر وہ اپنے وجود یا اپنی چمک دمک کو اصلی اور حقیقی کہنے لگے یہی مثال ہماری بھی ہے) اب ہمارے سلسلہ ملک میں حسب ذیل تقسیم آگئی۔

مالکیت اصلی، مالکیت عرضی، مالک اصلی، مالک عرضی، مملوک خاص، مملوک عام۔

اصلی مالکیت: خدا، بالا و برتر کی مخصوص صفت ہے، کائنات کا مالک اصلی صرف وہی ہے۔

مالکیت عرضی: انسان کی صفت ہے۔ اور انسان مالک عرضی یا مالک ظلی ہے۔

مملوک خاص :- وہ ہے جو صرف خداوند عز و جہ کی اصلی مالکیت کے ماتحت ہو۔ اور صرف خدا ہی کی مملوک ہو۔ مملوک خاص صرف بشریت اور انسانیت ہے

جامعہ بشریت صرف خدای کی ملک ہے کوئی اس کا سا بھی نہیں اور یہ بھی نہیں کہ انسان کی افضلی اور عارضی ملک انسان کے سر پر پڑے اور انسان کو انسان کا مملوک کر دے۔ بشریت فطری طور پر انسان کی ملکیت سے آزاد ہے۔

مملوک عام :- وہ ہے کہ حقیقی مالک کی حقیقی ملکیت کے ساتھ عارضی مالک کا عارضی مملوک بھی ہو جائے۔ (گویا نور آفتاب کے سامنے ایک آئینہ ہو گیا) مملوک عام وہ تمام کائنات ہے جو انسان سے کم درجہ کی چیزیں ہیں مثلاً تمام جاندار، سارے نباتات، جمادات، معدنیات، عنصریات، برق، دھواں، آسمان، وغیرہ وغیرہ ان تمام چیزوں پر حضرت حق جل مجدہ کی حقیقی ملکیت کا نور پر توکلن ہے۔ لہذا وہ خدائے بالا و برتر کی مملوک حقیقی ہیں مگر چونکہ اس نور ملکیت کے درمیان انسانی ملکیت کا عکس آئینہ آگیا لہذا مجازی اور عارضی طور پر ان تمام چیزوں کو انسان کی ملک بھی کہا جاتا ہے اور اسی بنا پر اس کو ”مملوک عام“ کا لقب دیا گیا۔ مذکورہ بالا تقسیمات و تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ جامعہ بشریت کے حقیقی اور اصلی مالک صرف حضرت حق جل مجدہ ہیں، جو خالق اور رب العالمین ہیں لہذا عالم انسانی میں فرمان فرما کی کا حق خالق اور پروردگار کے سوا کسی کو نہیں دیا جاسکتا

فلا تجعلوا لله أنداداً وإنتم تعلمون (قرآن مجید)

جان بوجھ کر (نادان مت بنو) کہ خدا کے شریک بنانے لگو۔

دلیل اجتماعی | حریت مساوات - عدالت، یورپین اقوام کے نزدیک آئینی دستور اور اجتماعی قوانین کے اصول ہیں۔ ان اصول کے پیش نظر بھی یہ دلیل واضح ہے۔

عالم انسانیت کا قانون ساز ایک کو قرار دے کر اس کے احکام کو انسانیت کے لئے قیود اور بندش قرار دیا جائے تو مساوات انسانی کا دعویٰ کا فور ہو گیا۔ اگر کسی ایک منتخب یا غیر منتخب جماعت کو عالم بشری کا عام مشرف قرار دیا جائے۔ تب بھی (خود کو زہ و خود کو زہ گر و خود گل کو زہ)

کیونکہ اپنے ہی جیسے انسانوں کی ایک جماعت کو اکثریت پر مالک بنا دینا۔ خواہ ان کے ووٹ اور ان کے انتخاب ہی سے ہو بہر حال حریت شکن ہے اور مساوات کو پامال کرنے والی، اور عدل و انصاف پر کاری ضرب لگانے والی۔

چنانچہ موجودہ حکومتوں کے نظام میں اقلیتوں کی مظلومیت اور اکثریت کی زیادتیوں سے اس نظام حکومت کا ظلم اور زیادتی مونا۔ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ لہذا وظیفہ عقل اور فرضیۂ اجتماع ہے کہ قانون سازی یعنی عالم انسانیت پر مالکانہ تصرفات کے لئے کوئی مافوق الطبیعتہ ہنسی تلاش کریں تاکہ اس کی فطری حکمرانی سے حکم اور پادشاہی کا عقد و حل اور تمام موجودات سے اعلیٰ اور خالق، تمام انسانوں کے خالق اور تمام کائنات کے مالک کی فرماں فرمائی کی برکت سے

عالم انسانی غیر فطری حکومتوں کے عذاب سے نجات پا کر دنیاوی فلاح اور آخروی سعادت سے آشنا اور ہم کنار ہو۔

چونکہ رب العالمین کی حاکمانہ برتری اور نوع بنی آدم میں اس کے مساوات پر در احکام کی برکت سے اجتماعی فسادات (یعنی ظلم عدم مساوات اور غیر انسانی قیود) نہیں پیدا ہوتے، بلکہ اس کی زکوٰۃ عامہ اور صانیت مطلقہ کے اصولی قوانین نیز مذکورہ بالا فسادات سے اس کی بے نیازی مذکورہ فسادات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے لہذا ہم خالق حقیقی کی پادشاہی کو اصلی پادشاہی کہتے ہیں اور اس کے ماسوا، جمہوریت، پارلیمنٹری، یا شخصی قسم کی تمام حکومتوں کو غیر فطری اور جعلی حکومتیں قرار دیتے ہیں۔

سلطنت الہیہ

بادشاہ قانون صدر اعظم حدود و سلطنت

حکم اور قانون سازی ایک ایسا مرتبہ ہے جو امامت سے بالا ہے اور خداوند عالم کا مخصوص حق ہے اور امامت امت کا وظیفہ ہے۔ ہمیں اسی سے بحث کرنی ہے مگر چونکہ امامت کی بحث اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک قانون سازی کا ایک نقشہ پیش کر دیا جائے لہذا پہلے ہم قانون سازی کے متعلق ایک مختصر نقشہ پیش کرتے ہیں اس کے بعد امامت کی تصویر پیش کریں گے

بادشاہ

مادہ (۱) پادشاہی (یعنی انسانی تصرفات کی حد بندی - عالم بشری کے ذمہ حقوق کا مقرر کرنا اور تابعداری کے مراسم اور طریقے

تجویز کرنا جن کو عبادت کہا جاتا ہے) اعلیٰ حضرت خالق عالم کا مخصوص حق ہے

مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ مُحَمَّدٌ صِرْفِ پینچانے والے ہیں۔

نَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِكَ

بَارِکَت ہے وہ ذات جس نے فرقان (یعنی ایسا

قانون) اپنے فرمانبردار بندے پر نازل فرمایا (جو

صاف صاف حق اور ناحق کا فیصلہ کرتا ہے) ”

إِنَّ الْحَكَمَ إِلَّا لِلَّهِ ۚ عِلْم (قانون) صرف اللہ کا۔

مَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ

هُمْ الظَّالِمُونَ ۚ

”جو خدا کے نازل کئے ہوئے قانون پر فیصلہ نہ دے

وہ ظالم ہے۔“

مادہ (۲) صرف ذات خالق قدوس ہی اپنے تصرفات میں غیر

مسئول ہے اور کسی کی یہ شان نہیں ہو سکتی۔

لَا يَسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ

اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی ان سب (انسانوں)

سے باز پرس کی جائے گی۔

قانون

مادہ (۳) ان احکام کے مجموعہ کو قانون کہا جاتا ہے جو خاتم النبیا

صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچائے۔

مَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ

جو کچھ رسول مختار سے سامنے لائے ہیں اس کو لے لو۔
 مادہ (۴۴) قانون کی زبان عربی ہے۔

اَنَا اَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا۔

ہم نے ایسا قانون نازل کیا جس کی زبان عربی ہے
 قرآن آنا عربیہ۔ ایسا قرآن جس کی زبان عربی ہے

صدر اعظم

مادہ (۵) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قانون الہی
 کو پہنچانے اور اس کو جاری کرنے کے لئے خدا کی طرف منتخب
 اور مامور کئے گئے۔

اَنَا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا
 وَنَذِيرًا ۝ وَاَعْلٰی اِلٰی اللّٰهِ ۔

ہم نے آپ کو شاہد، مبشر، نذیر اور داعی بنا کر بھیجا۔

بَلِّغْ مَا اَنْزَلَ الْبَلٰغُ

جو تم پر نازل ہوا اس کی تبلیغ کرتے رہو۔

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار اور منافقین

سے جہاد کرو۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی، مبشر، مبلغ قرار دیا گیا اور
 احکام الہی کو دنیا میں نافذ کرنے کے لئے کفار اور منافقین سے
 جہاد کا حکم ہوا یہی شان ہوتی ہے صدر اعظم کی۔

حُدُودِ سُلْطَنَتِ

مادہ (۶) حقوق کے لحاظ سے سلطنت الہی کی حد بندی حد
 امکان سے خارج ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔
 خالق کل شئی ہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔
 رَبِّ الْعَالَمِينَ ہ تمام جہانوں کا پیدا کرنا والا
 لَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 آسمانوں اور زمین کا ملک اسی کا ہے۔

باب التفیض — اجراء قانون

توضیح پہلے عرض کیا گیا کہ بادشاہ اسلام مافوق الطبیعت
 ہستی ہے جو خالق کائنات ہے (تعالیٰ شانہ) اسکے
 فرامین قانون ہیں اور اس قانون کے جاری کرنے کی خدمت رسالت
 رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوئی تھی۔
امامت امت ختمی مآب رسالت پناہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
 وفات کے وقت اجراء قانون کا فریضہ امت
 اسلامیہ کے سپرد کر دیا گیا (چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 کسی شخص کو نامزد نہیں فرمایا)

امت مروجہ اپنے میں سے اہل حل و عقد کو منتخب کر کے یہ حد
 ان کے سپرد کر دیتی ہے (چنانچہ سقیہ بنو ساعد میں صحابہ کرام کا
 اجتماع ہوتا ہے) اہل حل و عقد اور مدیرین امت اپنے افراد میں سے
 جس کو سب سے بہتر پاتے ہیں آزادانہ انتخاب کے ذریعہ سے اپنی
 رہنمائی کے لئے منتخب کر لیتے ہیں اہل حل و عقد کو ”شورعی“ کہا گیا
 ان کے انتخاب کو ”دورہما کو“ امام“۔ اور پھر امام مہ شورعی“ (موجودہ

اصطلاح میں ”امام باجلاس شوریٰ“ کا نام ”امارت المؤمنین“ خلافت رسول رب العالمین ”امامت امت“ اور قرآنی زبان میں ”اولوالامر“ کہا جاتا ہے۔

امام کی حیثیت خالق عالم (حضرت حق جل مجدہ) کی بادشاہی کا خادم اور زیر دست حضرت حق جل مجدہ کے صدر اعظم کا وکیل اور قوانین الہی کے اجراء کا ذمہ دار ہے یعنی (امت کا قائم مقام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ)

چنانچہ امام کا ہاتھ، قانون سازی اور حکمرانی کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے اقتدار کا آغاز صرف اسی سے ہے کہ اعلیٰ حضرت باری تعالیٰ عز اسمہ کے قوانین کو نافذ کرتا رہے۔ کون نہیں جانتا کہ اجراء احکام، ایک فرمانبردارانہ حرکت ہے۔

غور فرمائیے ہیئت اجرائیہ، یعنی مجلس وزراء ہمیشہ قانون ساز قوت کے زیر فرمان رہ کر اپنا فرض ادا کرتی رہتی ہے، اس بنا پر ہم امامت کو خالص خدمت گاری اور فرمانبرداری (عبدیت) سمجھ کر اس کے وجود کا فرض صرف یہی جانتے ہیں کہ۔

(۱) قانون ساز قوت (یعنی اعلیٰ حضرت باری تعالیٰ شانہ) کی مرضیات اور اس کے احکام کے منشاء کو بے چون و چرا تسلیم کر کے اولاً خود اس کی پابندی کرے۔

(۲) پھر کسی رد و بدل اور ترمیم و تنسیخ کے بغیر ممالک محروسہ میں ان کو جاری کرے۔

(۳) حکومت الہی کی مملکت میں کسی غیر کا کوئی قانون کوئی تہ

ہرگز ہرگز تسلیم نہ کرے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

اس تو ضیح کے بعد ہم امامت کے دستور اساسی کو پیش کر کے عالم اسلام کے مفکرین سے استفتا کرتے ہیں۔

امامت امت

امت وسط۔ اولوالامر۔ امام۔ دارالاسلام۔ دارالسلام۔ لسانِ نبوی (سرکاری زبان) بیت المال۔

وہ منتظم جماعت جو قانونِ الہی کے اجراء اور تعمیل

کی ذمہ دار ہو امت وسط ہے

امتِ وسط

كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا

شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۝

وہ منتظم جماعت جو دائرہ امت میں نیابتہ قانون

اولوالامر (جو جاری کرتی ہے) یعنی اہل حل و عقد (اولوالامر

امارت المؤمنین یا امامت امت کہلاتی ہے۔ اولوالاھم منکم۔

اھم منکم شوریٰ بینھم

امامت کے امیر یعنی رہنما یا صدر (ناظم علی) کو امام

امام | خلیفہ الرسول اللہ علیہ السلام یا امیر المؤمنین کہا جاتا ہے

اکلاھام جندہ (حدیث شریف) خلیفۃ رسول اللہ ابو بکر۔

ارکان شوریٰ ایک شخص کو اوصاف اجتماعی میں سب سے

بہتر جان کر اپنی آزادانہ رائے سے امام منتخب کر لیتے ہیں۔

اوصافِ جماعی | بلوغ - ذکوریت - اسلام عقل - علم قانون (مسائل شرعیہ سے پوری واقفیت اور ان میں بصیرت) قوتِ ارادی - شجاعت - عدالت - پابندیِ قانون (تقویٰ) حسبِ ضرورت ایسے قبیلہ کا فرد ہونا جو امت میں سب سے زیادہ با اثر ہو۔ خلیفہ سابق کی اولاد میں سے نہ ہو۔

ولی عہد | اوصافِ جماعی اور منافعِ امت کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جیسا صادق مخلص اور متقی خلیفہ اگر کسی کو نامزد کر دے تو اولوالامر یعنی ارکانِ شوریٰ اربابِ حل و عقد کے قبول کرنے پر امام ہو جاتا ہے (بشرطیکہ ارکانِ شوریٰ نے صداقت اور حق پرستی کے ساتھ اسے قبول کیا ہو)۔
اجراءِ قانون (جو فرضیہ امت تھا)

امام کا فرض منصبی | اکی رہنمائی کرنا۔
امام با جلاس شوریٰ - قوانینِ الہی کی تبلیغ ان کے اجراء اور وارِ السلام کی ترقی اور حفاظت کے متعلق امت کا وکیل عام ہے۔ اور امت کے

سامنے جوابدہ ہے۔
صحیح طور پر جو امام منتخب کیا گیا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہے اور امام کی حیثیت بادشاہِ حقیقی کے دربار میں جو ابداً خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے امام کا یہ بھی فرض ہے کہ قانون کے نفاذ و اجراء دار الاسلام کی ترقی اور حفاظت کے متعلق امت کی حیات اور اس کے احساسات کا لحاظ رکھنے یعنی امت کے دکلاء سے مشورہ کرتا رہے **وَشَاوِرْهُمْ فِي لَأْمُرْ**

امام باثوری کا فیصلہ ایک جائز اور مباح کو (یعنی جس کے
نہ کرنے میں کوئی گناہ نہ تو اب) واجب کر دیتا ہے۔

امت کے تمام فیصلوں کے (مثلاً اجراءے قانون کے ضابطے
معادے صلح جنگ وغیرہ وغیرہ) اعلان کے لئے امت کی زبان ہو۔
شخصی یا اجتماعی مصالح کی بناء پر اگر امام استعفا پیش کرنا چاہے
تو اس کو اولوالامر (ارکان شوری) کے سامنے پیش کرے گا۔

ناقابل ضعیف خائن ظالم بے عمل اور منافق امام کو امت
معزول کر سکتی ہے۔

محسوسہ امت، یعنی امام باثوری جہاں جہاں قانون
دار الاسلام نافذ کرے گا وہ دار الاسلام کہلائے گا۔

(جو شہر) دار الاسلام میں اجراء قانون کا مرکز (یعنی
دارالسلام) دار الخلافہ) ہو وہ دارالسلام کہلاتا ہے۔

مہر کاری زبان عربی
بیت المال امت کے خزانہ کا نام بیت المال ہے۔

امام بیت المال کا صرف محافظ ہے۔
قانونی رعایتوں کے ساتھ بیت المال کا صرف کرنا بھی ضرر
امت کی ضماندی کے بعد ہو سکتا ہے۔

امت اور بیت المال کی آمد و صرف پر امت کا ہر رکن آزادانہ
نکتہ چینی کر سکتا ہے

باب السحقوق

حقوق عامہ حق مسلمین حق غیر مسلمین روابط اجنبی (بیرونی)

تعلقات) معاہدات۔ بے مثل مساوات شخصی رائے علم فن (صنعت)

حقوق عامہ | تجارت کی عام انسانی آزادی۔ ملکیت مجازی

یعنی انسانی ملکیت کے حقوق کا کامل احترام۔ ناموس آبرو و تعلقات

زوجیت کا کامل احترام، فرض شناسی۔ نوع انسان کی خدمت

حسن معاملہ، نظافت و شرافت اخلاق کی قدر افزائی۔ تیامی ہوگا

کم زور محتاج، ضرورت مند، تمام ذی روح تمام کائنات پر خاص رحم

لطف و کرم وغیرہ یہ ہیں امت کے اصول اور ناقابل تغیر طریقے۔

حق مسلمین | امت کے تمام افراد ایک دوسرے کے بھائی

اور امت کے مساوی ارکان ہیں۔ المؤمنون

اخوة۔ اراکین امت پر سود لینا دینا شراب وغیرہ ہمیشہ

کے لئے حرام ہیں۔

مسلمان مرد اور عورت پیدا نشی طور پر انسان کی دو نوع ہیں

جن کے حقوق مختلف ہیں مگر ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم

ہیں خلق الذکر و الانثیٰ۔ الرجال فوق امون

على النساء۔

صاحب دولت اہل اسلام کی آمدنی میں عام فقراء مسکین۔

قرضدار وغیرہ کا حق ہے۔

حق غیر مسلمین | غیر مسلم اقوام۔ پنجابنی نظام قائم رکھنے کے مجاز

ہوں گے، مگر اپنا مستقل امیر آزاد مطلق و کثیر

یا مطلق العنان جمہوریہ قائم نہیں کر سکتے لیکن خود مختار کی حیثیت سے

امامت کے تابع ہو کر (باصطلاح موجودہ تاج اسلام کے فرمانبردار رہتے ہوئے) اراکین امت کے ساتھ حقوق مساوی ہونے کے اور مذہب میں کامل آزاد (اگرچہ اپنی نظام نہ بنا سکیں تو ان کے افراد کو بھی مذہباً کامل آزادی ہوگی اور شہری حقوق میں مساوات رہے گی)۔

غیر مسلم رعایا (ذقی) کے جان مال ناموس اور وطن کی حفاظت امامت کے ذمہ ہے۔

اجراء قانون کی خدمت سے ذقی (غیر مسلم رعایا) آزاد ہیں
امامت کی سیاست کا لحاظ کرتے ہوئے غیر مسلم اقوام کے افراد اور دوسری حکومتوں کی رعایا دارالاسلام میں مامون کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

غیر مسلم اقوام اور حکومتوں کے ساتھ سفیروں کا تبادلہ توصلوں کا تقرر اور ان کے پاس وفود بھیجنا جائز ہے۔ غیر اقوام اور حکومتوں کے نمائندوں کا احترام اور ان کی حفاظت فرض ہے۔

منافع امت کے پیش نظر ہر قسم کے معاہدے کئے جاسکتے ہیں
معادہ عہد کی پابندی بہت زیادہ لازم ہے اور فو بال عہد
ان العہد کان مسئوگلا۔ دوسری حکومتیں جو مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہیں دیتی حتی الامکان ان کے ساتھ تعلقات قائم نہیں کئے جائیں گے۔

جو مسلمان کہ کسی دوسری حکومت سے معاہدہ کر کے اس کی عہد بن ہوں امام کے معاہدین کے مقابلہ کرتی اندونین مجھے جائز فعلیکم النظر العالی قرآن

مولانا سید محمد مریا ضا اور حکومت الہیہ

مجلہ ”قائد“ مراد آباد کا سالانہ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ میں پیش نظر ہے اس مجلہ کے ارباب حل و عقد دارالعلوم دیوبند اور جمعیتہ العلماء ہند سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں سالانہ قائد کے شذرات میں بنایا گیا ہے کہ قائد کا مقصد ماحول کو محکمہ قضا کے قیام کے لئے سازگار بنانا تھا مگر شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے رکن خاص اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے دست حضرت مولانا غازی محمد بن عبد اللہ انصاری مہاجر کابل کی تحریک و توجہ نے اسے حکومت الہیہ کا مبلغ اور داعی بنا دیا حضرت مولانا محمد بن عبد اللہ انصاری کا مرتب کیا ہوا دستور حکومت الہیہ بھی آپ اس کتاب میں کہیں ملاحظہ

فرمائیں گے ان باتوں سے ثابت ہے کہ حضرت مولانا محمد حجت
قدس سرہ العزیز کے متبعین کا ایک حلقہ بھی اس نصیب العین
حکومت الہیہ کا مبلغ اور حامی ہے

ایسی حالت میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب
کے رفقاء و معتقدین کو حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے ملک و طرز عمل پر غور کرنا چاہئے تا کہ
میں مولانا سید محمد میاں صاحب مراد آبادی "قائد التحریر" قائد
کی ایک کتاب کا جس کا نام "مسلم سوشلٹ" یا اسلامی سوشلزم
ہے ایک طویل حصہ شائع ہوا ہے اس کتاب کا تعارف ان الفاظ
میں کرایا گیا ہے۔

"اسلامی سوشلزم
مسلم سوشلٹ کے اصولی عقائد

سارے جہان کا پیدا کرنے والا ایک ہے۔
وہ احکم الحاکمین ہے۔ رب العالمین ہے۔ الرحم الرحیم ہے۔
وہ رب الناس ہے۔ ملک الناس۔ الہ الناس ہے۔
سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی رحمتہ للعالمین ہیں (صلی اللہ
علیہ وسلم)۔

آپ اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ سارے جہانوں پر رحم کیا جائے۔
اسلام قانونی ہدایت ہے۔ قرآن بشارت ہے۔ دستور حسن ہے۔
روئے زمین پر بسنے والے آدمی ایک ماں اور ایک باپ کی
اولاد ہیں۔ کالے گورے کی تفریق نہیں، بھروسہ کی تقسیم نہیں۔ مولانا
محمد میاں صاحب کی "اسلامی سوشلزم" کے پانچوں باب کے اقتباسات

درج ذیل ہیں۔

”عقیدہ توحید کی تشریح

جامعہ بشریت کا حقیقی مربی — نظام عالم کا مقنن اعظم

راحت۔ امن خوش حالی۔ آشتی۔ رحم۔ انصاف۔ کیسے پیارے الفاظ ہیں۔ انسان ان کا کیسا دلدادہ ہے وہ ہمیشہ انھیں پکارتا رہا۔ اور ان کے نعرے لگاتا رہا مگر افسوس کا مبیانی بہت کم نصیب ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کا ضرورت مند انسان کا کم زور طبقہ ہوتا رہا بلکہ شبہ اس کو خوش گوار الفاظ کی حقیقت کا سچا اشتیاق رہا اور اس کے لئے وہ ہمیشہ ہر ایک قربانی پر آمادہ رہا۔ مگر بد قسمتی سے اکثر یہی ہوا ہے کہ مکار اور خود غرض آگے آگئے انھوں نے قیادت کا علم ہاتھ میں لیا اور بھولے بھالے انسانوں کی ٹولیوں کو اپنے ساتھ ملا کر انقلاب پیدا کر دیا۔

اور جب وہ خود اقتدار کے مالک ہو گئے۔ دولت ان کے قدموں میں آگری۔ تو کمزور انسانوں کی ٹولیوں نے دیکھا کہ ان کی مصیبت میں ایک رتی بھر بھی کمی نہیں ہوئی فرق صرف یہ ہوا کہ آقا بدل گئے عزیز انسان پہلے کی طرح بدستور غلام و مجبور باقی رہے۔

عالم انسانی نے جب اس قسم کے جھوٹے مدعیوں کا تجربہ کر لیا تو اب وہ دوسرے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوئے کہ نظام حکومت

جمہوری ہو۔ انتخابات کے ذریعے مجلس قانون ساز مقرر ہو اور جملہ ارکان حکومت اس کے ماتحت ہوں۔ ملوکیت کا خاتمہ کر دیا جائے کسی کو بادشاہ اس لئے نہ بنایا جائے کہ اس کا باپ بادشاہ تھا بلکہ حاکم اعلیٰ کا انتخاب بھی رائے عامہ ہی سے ہو۔

غلطی یہ تھی کہ جزوی اور کلی قانون کا اختیار اسی مجلس کو دیدیا اور اپنے جیسے انسانوں سے رحم اور انصاف کا طالب ہو گیا۔ حالانکہ ناممکن ہے کہ کبھی کوئی جمہوریہ دنیا کے اندر مساوی طور پر تمام انسانوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ برت سکے۔ قریب غور وہ بھولے انسان نے جمہوریہ سے عدل و انصاف کی توقع اس لئے کی تھی کہ اراکین حکومت انتخاب کے وقت اس کی رائے کے محتاج ہوں گے بیشک یہ حالت ضرور پیش آئی لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ نظام حکومت اکثریت کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔

تجویز یہ پاس کی گئی کہ ہر ایک بالغ ووٹ دے مگر اکثریت کے غلبہ سے اب بھی نجات نہ نصیب ہوئی۔

(۲) بایں ہمہ یہ نظام حکومت اکثریت کے عوام کے لئے بھی عدل و انصاف کا حامل نہ ہو سکا کیونکہ قانون دراصل عوام نے نہیں بنایا۔ بلکہ ان چند نامندوں نے بنایا جو کروڑوں میں سے منتخب کئے گئے تھے لیکن کیا ان نامندوں میں سے ہر شخص اعلیٰ اخلاق کا مالک تھا؟ وہ انصاف اور عدل۔ رحم اور کرم کا متوالا تھا؟ اور کیا اس کو عوام کے ساتھ اتنی ہی محبت تھی جتنی اپنی ذات کے ساتھ یا اپنے گھرانے اور برادری کے ساتھ؟

اور ہر نمائندہ کو عوام کے جذبات کا صحیح علم تھا ان کی ضرورتوں کا صحیح احساس تھا؛ ہرگز نہیں۔

حالت یہ ہے کہ امیر کو غریب کے دکھ درد کی خبر نہیں اور غریب امیر کے لذت پسند جذبات سے واقف نہیں شہری اور دیہاتی کی ضرورتوں اور ان ضرورتوں کے بموجب جذبات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تاجہ دستکار کی پریشانی سے بے خبر۔ اور دستکار تاجر کی ضرورتوں سے قطعاً بے پروا۔ ایک مرد اور ایک عورت ساری زندگی ساتھ گزار دیتے ہیں مگر کیا مرد کو نسوانی جذبات کی وقعت ہوتی ہے؟ اور اس کے دل میں وہی چیزیں امنگ پیدا کرتی ہیں جو عورتوں کے دلوں کو بھاتی اور فریفتہ کرتی ہیں۔

ہاں بیشک غیر ملکی نظام حکومت کے مقابلے پر اہل ملک کی مشترک اور عام ضرورتوں کے لئے یہ نظام مفید ہو سکتا ہے لیکن عدل و انصاف کا مکمل نقشہ ناممکن ہے کہ اس سے ظہور پذیر ہو۔ (۳) اور پھر وہ انسان جو ایک جمہوریہ کی حدود حکومت سے

باہر ہوں وہ اگر کسی وجہ سے کسی توجہ کے مستحق ہو بھی جائیں تو ان نا انصافیوں سے محروم نہیں رہ سکتے جو جغرافیائی یا نسلی تقسیم کے تقاضے پر ان کے ساتھ برتی جائیں اور خصوصاً ایسے موقع پر جہاں ہر ایک کے مفاد کا دوسرے سے تضاد ہو۔

(۴) وضع قانون کے بعد اجراء قانون کا نمبر آتا ہے جو تجواہر نوکروں کے سپرد کیا جائے جو مکر و فریب شہوت پرستی اور خود غرضی

میں کسی سے کم نہیں ہوتے یہاں رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے کبھی نغصہ کے شعلے بھڑکتے ہیں کبھی شہوت پرستی کے جذبات بروئے کار آتے ہیں۔ ہزاروں بے ایمانیاں ہزاروں منکاباں ان خود غرض حاکموں اور چاکروں کے دامن میں پناہ لیتی ہیں۔ کیا یہ نوع انسانی کے لئے رحمت بن سکتے ہیں؟

ان مقدس انسانوں (انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے بار بار اعلان کیا کہ انسان کے لئے فلاح و بہبودی کی بہترین اور کامیاب شکل صرف یہی ہو سکتی ہے کہ وہ خود کو اس کائنات کے ہمہ گیر نظام کا ایک جز سمجھے اور وہ جس طرح پیدائش، زندگی، موت اور ان کے تمام متعلقات میں نظام قدرت کے سامنے لازمی اور فطری طور پر گردن جھکائے ہوئے ہے وہ اپنی اجماعی ضرورتوں اور مابعد الموت کی فلاح کے لئے بھی اسی قدرت کے سامنے تسلیم خم کر دے وہ اس حماقت میں تو سرگرم مبتلا نہ ہو کہ یہ تمام قدرت قادر کے بغیر ہے قانون فطرت اگرچہ نہایت مضبوط ہے مگر اس کا بنانے والا کوئی نہیں۔

ہاں یہ غور کرے اور یہی غور اس کا عاقلانہ اور منصفانہ غور ہو گا اور یہی غور اس کو شک و شبہ کی تمام تاریکیوں سے نجات دلا کر اطمینان اور یقین کا نور بخشنے گا کہ اس بے پناہ قدرت کا جو مالک ہے وہ کیسا قادر کیسا خالق کیسا جلیل القدر کتنا عظیم الشان کیسا مالک ہے نظام عالم کے قانون کا جو مقنن ہے وہ کیسا حکیم

کیسا دانا اور کیسا بصیر ہے۔ اس کی قدرت بے انتہا اس کی دانائی اور حکمت لامحدود۔ اس کا علم اس کا ارادہ سارے عالم کو محیط ہے اس کے رحم و کرم اس کی داد و دہش ایسی عام ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی وظیفہ خواہ اس کی بخشش سے حصہ یاب۔ خود انسان اپنی زندگی میں جو اس کی سب سے بڑی دولت ہے اچھی طرح غور کرے تو یہ بھی یقین کر لے کہ تمام ضروریات زندگی میں اس کے لطف و کرم سے حصہ پانے والا ہے۔

تمہیں اسی (خدا) سے اپنی فلاح اور اجتماعی نظام کے لئے دستور مانگنا چاہئے۔ اسی سے قانون کی درخواست کرو۔ اس کا خوف دل میں بٹھاؤ اور یہ یقین کرو کہ ہم اس کے سامنے جوابدہ ہیں۔ ہمارے تمام اعمال کا وہ محاسبہ کرے گا ہمیں اسی کے قانون کو لے کر انسانیت کی خدمت کرنی ہے اسی کا قانون مکمل قانون ہو سکتا ہے کیونکہ وہی مساوی طور پر تمام انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے ان کی ضرورتوں کو جاننے والا ہے۔ ان کے جذبات سے واقف ہے کیونکہ وہی خالق ہے۔ واقف اور علیم ہے جب تک بادشاہ اور حاکم۔ اراکین حکومت اور ممبران جمہوریہ رب ذوالجلال کے یقین کے ساتھ اس کے عدل و انصاف کے قانون کو مضبوطی سے پکڑ کر اور اس کی بارگاہ میں اپنی مسئولیت اور جوابدہی کے صحیح احساس کے ساتھ مخلوق خدا کی خدمت نہ کریں تو وہ جھوٹے ٹپس کذاب ہیں۔ وحال ہیں مکالمہ میں فری میں ہرگز انصاف قائم نہیں کر سکتے۔

اور کسی طرح انسانیت عظمیٰ کے خادم نہیں بن سکتے۔

ساتویں باب کے اقتباسات ذیل بھی قابل ملاحظہ ہیں۔
 رحمۃ للعالمین کے آنے کے
 عقیدہ توحید اور رحمۃ للعالمین | بعد صرف ایک تقسیم لازمی رہی
 کا اثر سیاسیات عالم پر۔ | جس سے کوئی مساوات کوئی
 قانون بھی مستثنیٰ نہیں یعنی ماننے والے اور نہ ماننے والے۔ صرف
 یہی وہ تقسیم ہے جس کو اسلام اور کفر سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر کیا دنیا
 کی کوئی مساوات دنیا کا کوئی سوشلزم کیونکہ اس تقسیم سے مستثنیٰ
 ہو سکتا ہے؟

ہزاروں دھکے کھانے کے بعد آج دنیا ملکیت پر لعنت بھیج
 رہی ہے مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پونے چودہ سو سال
 پیشتر ارشاد فرمایا تھا۔

اخضع اسمی الى الله يوم القيامة رجل
 تسمى ملك الاملاك لا املك الله
 قال ابوسفیان شاہنشاہ
 شیخین۔ ابوداؤد۔ ترمذی

یعنی نام خدا کے نزدیک قیامت کے دن یہ
 کوئی انسان اپنا نام ملک الاملاک تجویز کر لے یعنی
 ”شاہنشاہ ملک صرف اللہ کا ہے۔“

حضرت حق نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْحُكْمَ لِلّٰهِ

(حکم صرف خدا کا ہے)۔
 آج دنیا سربایہ داری پر غنت بھیج رہی ہے مگر قرآن پاک کا
 ازلی اعلان ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
 وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ
 بِعَذَابٍ أَلِيمٍ

جو لوگ سونا اور چاندی جوڑ کر (کنز بنا کر) رکھتے ہیں
 اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک
 عذاب کی خبر سناؤ۔

يَوْمَ يَخْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فِتْكُورٌ
 يَّهَاجِبُهَا هَمَّ وَجَنُودُهُمْ وَظُهُورُهُمْ
 هَذَا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ

اس روز کہ دوزخ کی آگ میں سونے چاندی سے
 ان کی پیشانیاں ان کے پہلو ان کی کمریں داغی
 جائیں گی کہ یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ رکھا تھا
 چکھو اس کو جو جوڑ رکھا تھا۔

بیشک اسلام نے ملکیت تسلیم کی ہے کیونکہ اسلام کی تعلیم فطرت
 کے مخالف نہیں۔ نیز دولت کا چالیسواں حصہ سالانہ نکالنے سے
 کنز کی نحوست باقی نہیں رہتی مگر رحمت و عافیت کا صحیح
 پھیلنا وہ ہے کہ دولت مند یا غنی کا معیار اتنا گھٹا دیا کہ جو شخص غریب

سے فاضل باون تولہ چاندی کا سال بھر مالک ہے اس پر چالیسواں حصہ خرچ کرنا فرض ہے۔

اور پھر رحمت عامہ کا دو ستر حصہ ملاحظہ ہو کہ ارشاد ہے۔

اَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَرْ (سورہ ضحیٰ)

سائل کو مت ڈانٹو۔

وَفِيْ اَمْوَالِ الْيَتَامٰى حَقٌّ لِّلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ

ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم (مفلس) کے۔

قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی آیت غور و خوض کے لئے نقل کی جاتی ہے جس کی ترتیب پر بے اختیار قریبان ہونے کو جی چاہتا ہے۔

س
رَبِّ النَّاسِ - مَلِكِ النَّاسِ - اِلٰهِ النَّاسِ

یعنی چونکہ وہ تمام انسانوں کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے (لہذا) انسانوں کا بادشاہ ہے (اور اسی لئے وہ) تمام انسانوں کا خدا ہے۔

(الف) اصول قانون اور اساسی دستور بنانے وضع قانون کا حق صرف اسی کو ہوگا جو ہر ایک انسان کی

فطرت اس کے جذبات و رجحانات اور اس کی ضرورتوں سے واقف ہو۔ لہذا

اِنَّ الْحَكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ -

حکم قانون صرف اللہ کا ہے۔

کیونکہ وہ سرِ رب العالمین - ہے
تمام جہانوں کا پالنے والا اور پیدا کرنے والا ہے -
وہ اس حمد الشرحین ہے -

تمام مہربانوں میں سب سے زیادہ سب سے بڑا
مہربان

لہذا وہ احکم الحاکمین ہے -
یعنی تمام حکومت کے دعویداروں میں سب سے
بڑا حاکم -

چونکہ اس کے ماسوائے کوئی پروردگار نہ ارحم الراحمین ہے -

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک
هم الظالمون — — — هم الفاسقون

جو خداوند عالم کے نازل کردہ قانون کے بموجب

فیصلہ نہ دے وہ ظالم ہے — — — وہ فاسق ہے -

(ب) انسان محض فرمانبردار نائب کی حیثیت سے اس قانون
کو نافذ کرے اسی لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے -

اتّی جاعل فی الامر خلیفہ یعنی آدم علیہ السلام
کی پیدائش کے وقت ارشاد ہوا تھا کہ میں زمین پر خلیفہ بناتا ہوں -

چنانچہ اسلامی جمہوریہ کے ناظم اعلیٰ کو ہی خطاب بیگناہی خلیفہ
خدا کا نائب تاکہ اس کا قانون نافذ کرے اور تمام اہل ملک
کا نائب تاکہ ان کے باہمی نظام کو برقرار رکھے ہر ایک کا ملکی

شہری۔ اقتصادی اور انسانی حق ادا کرتا رہے۔ غور کرو اور شاہ
ربانی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يامرُكُمْ اَنْ تُوَدُّواْ اِلَآمِ
نَاہِ اِلٰی اَہْلِہَا وَاِذْ اَحْکَمَ بَیْنَ النَّاسِ
اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نَعَمَ
یُعْظِمُکُمْ بِہِ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا
اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امانتیں ان کو ادا کرو
جن کی وہ ہیں اور جب تم انسانوں کے درمیان فیصلہ
کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بلاشبہ
خداوندِ عالم جس چیز کی نصیحت کر رہا ہے وہ بہت ہی
بہتر ہے (لہذا تم یقین رکھو کہ خدائے برتر کے سامنے
جو ابدہ ہو گئے)

مولانا عبد الماجد اور حکومتِ الہیہ

مولانا عبد الماجد دریا بادی انگریزی کے بی۔ اے اور ایک ادیب و فلسفی کی حیثیت سے روشناس ہوئے، لیکن محاسن اسلام کی جاذبیت و دلچسپی نے انھیں جلد ہی اپنا گردیدہ بنا لیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مولانا نے اپنے دماغ اور قلم کی پوری طاقت مغربی تہذیب و معاشرت کی تنقید اور اسلامی اصول و اخلاق کی تبلیغ کے لئے وقف کر دی، مولانا کا ایک یتیم خانہ طرزِ نگارش ہے جو اپنے اندر خاص دلکشی رکھتا ہے، اس کے ذریعہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مغربی تہذیب و اخلاق سے ہٹا کر اسلامی اصول و اعمال کی جانب متوجہ کر کے مولانا نے اسلام کی قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے۔

افسوس کہ میں اپنی کتاب کے لئے مولانا عبدالماجد کے
افکار و خیالات کا معتد بہ حصہ نہ مل سکا، تاہم ذیل میں
جریدہ ”صدق“ کے ذریعہ مولانا کے جو خیالات پیش
کئے جا رہے ہیں وہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی
ہیں کہ ان کی دعوت و تبلیغ کا ذکر و محور بھی حکومتِ الہیہ
ہی کا نصب العین ہے، خواہ وہ اس نصب العین کے نام
سے دعوت نہ دیں اور اس نصب العین کے لئے جدوجہد
نہ کریں۔

۱۹۴۰ء
مولانا عبدالماجد ”صدق“ دسمبر
حکومتِ الہیہ کی لائبریری کی دعوت میں آئیہ کریمہ ”فلا تطع الکافر“
و جاہل ہم رہ جہاد کبیرا“ کے تحت فرماتے ہیں۔
”یعنی قرآن کے ذریعہ جہاد کر مقصود اور مطمع نظر قرآن ہی کے
قانون کو رکھو قرآن ہی کو ہاتھ نہیں لے کر اٹھو قرآن ہی کی راہ کا سبک
بلاؤ دو۔ اور قرآن ہی کی منزل کی طرف سب کو بلاؤ اس راہ پر لانے
اور اس طرف بلانے میں جدوجہد یقیناً بہت سخت کرنی پڑے گی
جان کھپانی پڑے گی۔ لیکن راہ ہے یہی حکم ہے اسی کا.....
”اس مضمون کو مختلف پیرایوں میں اور مختلف عنوانات سے
ادا کرنے والی آیتیں دو چار نہیں سچا سوں بلکہ سینکڑوں میں یہ حکم
اگر عارضی اور پہلی صدی ہجری یا چھٹی صدی عیسوی کے ساتھ مخصوص
نہا۔ جب تو خیر لیکن اگر آپ کے عقیدہ میں ہر ملک ہر قوم ہر زمانہ
کے لئے ہے تو آج آپ کیوں قرآنی حکومت کی توسیع و ترویج کیلئے

مضطرب نظر نہیں آتے۔ آپ کو یہ کیا ہو گیا ہے جو آج آپ کے دل میں نڑب قرآنی حکومت کی نالائکیری کی نہیں؟.....“
 ، رابرٹیل ۱۹۴۱ء کے ”صدق“ میں مولانا عبدالماجد نے پھر اس دعوت کی جانب توجہ فرمائی ہے، مسلمانوں کو واضح لفظوں میں بتایا ہے کہ ان کا نصب العین صرف اعلیٰ کلمۃ اللہ اور عالمگیر الہی حکومت کا قیام ہونا چاہئے فرماتے ہیں :-

”مسلمانوں کا سیاسی ایڈیل (سطح نظر) ہونا کیا چاہئے؟
 جواب جامع اور دو لفظی صرف ایک ہے یعنی اسلام کی حکومت، قرآن کی بادشاہت بس اس کے سوا کوئی اور نصب العین نا ممکن ہے نہ اب تک پیش ہوا..... اس حقیقت کے ذہن نشین ہو جا کے بعد اس طبقہ کی غلطی اور غلط روی از خود واضح ہو جاتی ہے جس سے اس سے کمتر نصب العین پر قناعت کر لی ہے یا کسی غیر اسلامی حکومت کو تسلیم کر کے اس کے اندر مسلمان نامی ایک قوم کی شخص دنیوی سر بلندی و خوش حالی کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے۔

سارا اخلط مبحث آزادی سے پیدا ہوا ہے غیر مسلم ہندوستان کے نزدیک اس کے معنی ہیں غیر ملکی حکومت پر ویسی حکومت کے قانون سے مخلصی مسلم ہندوستانی کے نزدیک وہی ہو سکتے ہیں جو مسلم عرب مسلم ترک مسلم مصری مسلم جاپانی مسلم انگریز کے ذہن میں ہوں گے یعنی غیر اسلامی نظام حکومت سے رہائی خواہ یہ غیر اسلامی حکومت کسی کی بھی ہو عیسائی کی ہو یہودی کی ہو۔ ہندو کی ہو۔ مجوسی کی ہو۔ ملحد کی ہو۔ مشرک کی ہو۔ یا شخص نام کے مسلمان کی

ہو یا ان میں سے دو یا تین کی مشترک ہو۔ مسلمانوں کو جو کچھ بیزاری ہے کفر سے ہے۔ انگریز بیزاری، ہندو بیزاری ہرگز اس نفاذ میں نہیں.... تو خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے لئے اپنی ایک مرکزی انجمن پر اتحا د لازمی ہے خود اس انجمن کی تشکیل صحیح اسلامی طور پر ہونی چاہئے مقصود اصلی یہ حال میں اعلاء کلمۃ اللہ اور حکومت الہی کی عالمگیر ہے۔“

مولانا عبد الماجد کا فرض

مولانا عبد الماجد نے اوپر مسلمانوں کو یہ بتا کر کہ ان کا سیاسی نصب العین قرآنی بادشاہت بالفاظ دیگر حکومت الہیہ کے قیام کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا یہ دعوت دی ہے کہ صحیح اسلامی اصول پر ایک مرکزی مجلس بنا کر مسلمانوں کو اس میں شامل ہو جانا چاہئے، مولانا عبد الماجد صاحب کی دعوت کی صحت سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن مولانا کی دعوت پر اسلامی ہند کے کسی گوشے سے صدائے لبیک بلند نہیں ہوئی جس زمانے میں مولانا عبد الماجد نے یہ دعوت دی، مسلم لیگ بھی موجود تھی جمعیتۃ العلماء بھی مجلس احرار بھی اور دوسری اسلامی انجمنیں بھی۔ ان کی موجودگی میں مولانا کا ایک مرکزی انجمن کی تشکیل کا مشورہ دینا ظاہر کرتا ہے کہ موجودہ انجمنوں میں مولانا کے نزدیک کوئی انجمن اس مقصد کے مطابق نہ تھی، اور یہ حقیقت بھی ہے۔ پھر مولانا نے کیوں اپنی ایک جماعت نہیں بنائی جو اس نصب العین پر عمل کرتی؟

خدا کی زمین پر خدا کی بادشاہت

از مولانا سید صفیۃ اللہ صاحبہ بختیاری صوبہ مدراس

ایک مسلمان کا نصب العین کیا ہونا چاہئے۔ اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت میں کیا فرق ہے اور جماعت اسلامی کی حقیقت کیا ہے؟ یہ چند باتیں ہیں جن کے متعلق میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ نصب العین کے معنی ہیں وہ چیز جس کی طرف انسان متوجہ ہو کر ٹٹکی باندھے اور اپنی نظر اس طرح جمائے کہ کوئی دوسری شے خواہ وہ کیسی ہی عجیب و غریب نظر فریب اور نگاہ سوز ہو اس کی اپنی طرف نہ پھیر سکے ایک مسلمان کا نصب العین کیا ہونا چاہئے؟ اس کا جواب قرآن مجید میں یہ ہے۔

هو الذی ارسل رسولہ بالہدٰی و
دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو

ولہذا کہ لا المشرکون
 دینی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور
 دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس کو جس دین پر غالب
 کر دے اگرچہ مشرکین اس کو ناپسند کریں۔

دین حق کے معنی میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ جو سراسر حقیقت اور
 صداقت پر مبنی ہے اور جس کے علاوہ کوئی طریقہ صحیح اور سچا نہیں
 ہو سکتا۔

معلوم ہوا کہ مسلمان کا نصب العین دین حق
دین حق کو غالب کرے | کو غالب کرنا ہے لہذا مسلمان حقیقت
 میں نام ہے اس انسان کا جو اپنے حقیقی ماضی کو چھوڑ کر اللہ اور اس
 رسول کے تابع ہو جاتا ہے اپنی زندگی کو اس کے بتائے ہوئے
 طریقے کے مطابق بسر کرتا ہے مسلمان وہ ہے جو اپنے عقل و جان
 اور علم تمام قوتوں سے مٹ کر اللہ کی وحی کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ دیتا
 ہے۔ دنیا میں بعض انسان وہ ہیں جو اپنے تجربے سے کسی چیز کو اچھا
 سمجھ کر اس پر چلتے ہیں بعض وہ ہیں جن کی زندگی ان کی عقل کے مطابق
 ہوتی ہے بعض وہ ہیں جن کے پاس اچھائی اور بُرائی کا معیار ان کا
 اپنا نفس ہوتا ہے لیکن مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی ساری
 قوتوں اور طاقتوں کو نبی کے پیچھے لگا دیتا ہے۔ ان میں سے اتنا ہی
 حصہ خرچ کرتا ہے۔ جتنا نبی بتاتا ہے اور وہیں خرچ کرتا ہے جہاں
 وہ کہتا ہے کہ خرچ کرو اور نبی اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم
 کے مطابق تعلیم دیتا ہے مسلمان اس انسان کا نام ہے جو اپنی زندگی

کے حقیقی مقصد کو پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ نبی کو اپنے قوانین دے کر بھیجتا ہے اور وہ انسانوں کے روبرو یہ اعلان کرتا ہے کہ اے انسانو! تمہیں قانون بنانے کا کوئی حق نہیں۔ اللہ کے طرف سے حکم لانے والا میں ہوں اور میں یہ حکم لایا ہوں کہ تم اپنی زندگی کو پوری طرح بدل دو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَنْ عِبَادِ اللّٰهِ فَاَتَقْوُوْهُ وَاَطِيعُوْهُ

تم صرف اپنے اللہ ہی کی بندگی کرو اور زندگی کے ہر معاملے میں اسی کے حکم کی پیروی کرو۔

انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی اور بین الاقوامی زندگی کے مسائل میں بھی اللہ کے قانون کو قانون تسلیم کرو۔ انسان قانون کے بغیر دنیا میں زندگی بسر کر ہی نہیں سکتا۔ یا تو وہ اپنے جیسے انسانوں کے قانون کو مان لے۔ یا اللہ کے قانون کو۔ نبی کہتا ہے کہ انسانوں کے قانون کو چھوڑ کر اللہ کے قانون کی طرف آؤ اور اپنی پوری زندگی کو مسلمان بنا دو۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے مسجد میں نماز پڑھی اپنی دل کی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ پر۔ پھر مسجد سے باہر نکلے اور آپس میں لڑائی مٹائی تو فیصلے کے لئے نہ تو سرکار کے پاس جانا چاہئے اور نہ ساہوکار کے پاس بلکہ اسی امام کی طرف متوجہ ہونا چاہئے جس کے پیچھے نماز ادا کی جاتی تھی جو اللہ اور رسول کے حکم کے موافق فیصلہ کرے گا۔ لیکن جو شخص مسجد میں تو اللہ کے قانون کا لحاظ رکھتا ہے اور جب بازار میں جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں مسجد میں مسلمان تھا اور یہاں بھی

اگر اللہ کے قانون کا پاس رکھوں۔ تو مجھے نقصان ہو جائے گا اس لئے میں اسی طرح بیویا کرؤں گا جس طرح سامنے کا ہندو و کاندار کرتا ہے۔ ایسا شخص کامل مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مسلمان تو وہی ہے جو بروقت ہر جگہ ہر موقع پر قانون الہی کا پاس کرتا ہے۔ اور یہی ایک سچے مسلمان کا نصب العین ہے۔ آج ہم مسلمانوں میں مختلف خیال کے لوگ پیدا ہو گئے ہیں بعضوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمان ترقی میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اس لئے انھیں بھی ترقی کے میدان میں قدم بڑھانا چاہئے۔ اور انھیں طریقوں کو استعمال کرنا چاہئے جو دوسری قومیں استعمال کر رہی ہیں۔ خواہ وہ حلال ہوں یا حرام۔ مثلاً سود۔ بینکیں۔ جوا۔ لائٹری وغیرہ۔ اور ہر وہ طریقہ استعمال کرنے کی ضرورت ہے جس سے غریب مسلمان مالدار ہو جائیں۔ دوسری طرف بعض مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہم علم میں بہت پیچھے ہیں۔ اس لئے جیسی بھی تعلیم ہو ہمارے اندر رائج ہونا چاہئے۔ لیکن ایک حقیقی مسلمان کا نقطہ نظر ان چیزوں سے بالکل الگ تھلک ہوتا ہے۔ اب میں دوسری بات کی طرف

اللہ کی بادشاہت کا مفہوم | آتا ہوں دیکھئے دنیا کی ساری

چیزیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ وہی ان سب کی تربیت کرتا ہے وہی ان کا بادشاہ ہے۔ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ سب چیزیں اسی کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگی ہوئی ہیں اللہ نے جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ برابر وہ اس کام کو انجام دے رہی ہے۔ لیکن انسان کی دو حیثیتیں ہیں پہلی یہ کہ وہ بھی اسی طرح اللہ کا

مطیع ہے جیسے پہاڑ۔ چاند۔ سورج ستارے وغیرہ کسی چیز کو اٹھانا
 چاہے تو ہاتھ سے کام لیتا ہے۔ کہیں جانا چاہے تو پاؤں سے جاتا
 ہے۔ دیکھنا چاہے تو آنکھوں کا محتاج ہوتا ہے غرض اس حیثیت
 سے ایک انسان اور درخت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دوسری
 حیثیت یہ ہے جس کی وجہ سے انسان کو دوسری مخلوقات پر شرف
 حاصل ہے کہ اللہ نے اُسے اختیار دیا ہے وہ دیکھتا ہے۔ تو اُسے
 اختیار ہے۔ چاہے اچھی اور مباح شے کو دیکھے چاہے بری اور حرام
 مثلاً اجنبی عورتوں کی طرف نظر بازی کرے۔ اگر کسی نامرد سے کہا جا
 کہ زنا مت کرو تو یہ کوئی معقول بات نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کا مخاطب
 وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو زنا پر قدرت حاصل ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ
 نے انسان کو اختیار دے کر کہا کہ یہ کر اور وہ مت کرتا کہ وہ دیکھے کہ
 انسان اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ یا نہیں۔ اگر کوئی خراجی اپنے مالک
 کے خزانے کو خود اپنی ملکیت سمجھ لے تو اس کے محض سمجھ لینے سے وہ
 خزانہ کبھی اس کے قبضہ میں جائز طور سے نہیں آ سکتا۔ ایسا ہی یہ ساری
 زمین اور اس میں جو کچھ ہے سب اللہ کا خزانہ ہے اس میں حکم اسی کا چلنا
 چاہئے اگر کوئی اپنے آپ کو حاکم سمجھ بیٹھے تو یہ اس کی حماقت ہے۔ اور
 وہ کبھی جائز فرمانروا نہیں ہو سکتا جیسے آج جرمنی میں ٹھلر روس میں ٹالین
 امریکہ میں روزولٹ اسی طرح جاپان انگلستان وغیرہ میں خود انسان
 اپنی حاکمیت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ یہاں بعض بھائیوں کو یہ غلط فہمی
 ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو بادشاہ بنانے والا وہی اللہ تو ہے۔ ہاں
 بیشک اللہ ہی ہے مگر بات یہ ہے کہ اللہ ملک دے کر اپنے بندوں کو

آزماتا ہے کہ یہ زمین میں میری بادشاہت قائم کرتے ہیں یا اپنی؟ پھر جب اللہ کی مرضی کے خلاف یہ لوگ ملک کے اندر اپنا قانون جاری کرتے ہیں تو زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ یہ جنگ جو ہو رہی ہے وہ ایک جنگل ہے جس میں چند بھڑیٹے جمع ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے کو چیرنے پھاڑنے لگے ہیں تم پوچھو کہ اللہ کی حکومت کیسے ہوتی ہے؟ اس کی مثال وہ حکومت ہے جس کی بنیاد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈالی ہے اور خلفائے راشدین نے اس کو جاری رکھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں رات کے وقت اپنی رعایا کے حالات دیکھنے کے لئے شہر میں گھومتے ہیں اور اتفاق سے ایک گھر کے پاس پہنچ کر سنتے ہیں کہ ایک ماں اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہے کہ بیٹی دودھ میں پانی ملا دو بیٹی جواب دیتی ہے۔ اماں جان! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خلیفہ نے اس کی حمانت کر دی ہے؟ ماں کہتی ہے کہ اب خلیفہ کہاں ہے؟ تو بیٹی جواب دیتی ہے کہ خلیفہ نہیں تو وہ ذات تو دیکھ رہی ہے جس نے ان کو خلیفہ بنایا حضرت عمرؓ اس کی اس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ اس گھر پر نشان کر دیتے ہیں اور صبح کو اس لڑکی سے اپنے بیٹے عبد اللہ کا نکاح کر دیتے ہیں۔ اس زمانے میں ہر جگہ امن اور چین تھا یہاں تک کہ حدیث نبوی کے مطابق صغاء سے ایک بوڑھی عورت سونا اچھا لیتی ہوئی مکہ تک آگئی اور کسی نے اس سے تعرض نہ کیا۔

یہیں اسلامی حکومت کے برکات اور خصوصیات آج دنیا میں جتنی بادشاہتیں ہیں وہ سب انسانوں کی ہیں ایک زمانہ میں فرعون نے اپنی خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی طرح آج بھی بہت سے فرعون پیدا

جو گئے ہیں۔ اللہ کی ایک حکومت اور غیر اللہ کی مختلف حکومتوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی بھائیوں کے روبرو یہ وعظ فرمایا تھا۔

۱۲۱ باب متفرقون خیرا م اللہ الواحد
الفہار

کیا بہت سے الگ الگ خداؤں کا تسلیم کرنا بہتر ہے
یا کسی ایک اللہ کا اقرار جو کیلا اور قہار ہے۔

غلبہ دین حق کا طریقہ | قیصری بات یہ ہے کہ ایک مسلمان
کا نصب العین معلوم ہو جانے کے بعد
ہم پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے سب مل کر
جدوجہد کریں۔ اس لئے کہ اللہ کی حکومت کو اللہ کی زمین پر قائم کر دینا
کوئی ایسا چھوٹا موٹا کام نہیں ہے جو ایک ایک آدمی سے انجام کو
پہنچ جائے۔ اس طرح مل جل کر کام کرنے کو جماعت کہتے ہیں۔ یہ گھڑی
جو سامنے رکھی ہوئی ہے۔ اگر اس کے سارے پرزے الگ الگ
کر دیئے جائیں تو یہ چل نہیں سکتی۔ اسی طرح اگر اسلام کے اجزاء کو
الگ الگ کر دیا جائے تو دنیا کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا
جارج برنارڈ شا جو یورپ کا مشہور مفکر ہے۔ کہتا ہے کہ اسلام
کتبوں میں تو ہے مگر ہمیں دنیا میں کہیں چلتا پھرتا نظر نہیں آتا۔
تو ہم اس پر کیسے ایمان لائیں ایسے ہی اور بہت سے صالح مزاج غیر مسلم
ہیں جن تک ہم کو اسلام کی تبلیغ علم و علمیا کرنی ہے۔ اسلام کا کام کرنا ہے تو اسلام کا
طریقہ پر کرنا چاہیے۔ یہ خوب یاد رکھئے کہ غیر اسلامی طریقوں سے اسلامی

مقصود کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی محض زبانی تبلیغ کرتے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ضرورت ہے کہ اس کا قلمی نمونہ پیش کیا جائے اگر یہ کام محض زبانی اور قلمی تبلیغ سے ہونے والا ہوتا۔ تو اب تک ساری دنیا کو مسلمان ہو جانا چاہئے تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ راہ بڑی دشوار اور خطرناک ہے۔ پھر ہم جیسے کمزور ہونا تو ان مسافر اس پر کیسے گامزن ہو سکتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ احساس کمتری ہے ہمیں چاہئے کہ ایک طرف کمزوریوں کے ساتھ ساتھ ان زبردست قوتوں اور طاقتوں کا بھی خیال رکھیں۔ جو قدرت نے ودیعت کی ہیں۔ اور دوسری طرف اس ذات باجبروت و ملکوت پر ہماری نظر ہے جو مشکل کشا اور قادر و ہادی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهِلُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ
سُبُلَنَا

جو لوگ ہمارے لئے جہل و جہد کریں گے۔ تو ضرور ہم ان پر اپنی راہ کے دروازے کھول دیں گے۔

قرآنی نصب العین

قوانین الہی کا عالمگیر غلبہ و اقتدار

یہ مضمون شیخ بشیر احمد دہلوی ۱۰۷۱ھ سے ۱۰۷۲ھ تک "بیت الحکمت" لاہور کا ہے۔ اسے روزنامہ "ہلال" بمبئی نے ۱۲ اپریل ۱۹۰۵ء کی اشاعت میں "نغمہ" لاہور سے نقل کیا تھا۔ مضمون مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے آیہ کریمہ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلًا بِالْحَقِّ وَحْدَیْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلٰی الدِّیْنِ كُلِّہَا کو مرکز قرار دے کر لکھا گیا ہے جو حکومت الہیہ کا فکر مرکزی ہے۔ اطراف و جوانب میں جس صبح کے آثار نمودار ہو رہے ہیں خدا کرے وہ صبح صادق کے آثار ہوں۔ اسلامی فکر و نظر کا پھیلا نا بھی مبارک ہے لیکن جس

فکر و نظر کی پشت پر جہاد و عمل کی قوت نہ ہو اس کی زندہ
 نظریوں کے مقابلہ میں کوئی پوزیشن نہیں جن لوگوں کو
 اللہ تعالیٰ نے اسلامی فکر و نظر کی فہم و پسند سے نوازا
 ہے ان کا فرض ہے کہ وہ اسے بروئے کار لانے کے لئے
 قرآنی نصب العین کی جانب عملی پیش قدمی شروع کر دیں

اجتماع انسانی میں تبدیلی پیدا کرنے کے دو اصول اب تک تسلیم
 کئے گئے ہیں -

(۱) ارتقاء -

(۲) انقلاب -

ان میں سے اول الذکر کا طریقہ کاریہ موتا ہے کہ تبدیلی پیدا
 کرنے کا خواہش مند مبلغ اپنے خیالات پر پس اور پلیٹ فام سے
 پیش کرتا ہے لیکن وہ اپنی تبلیغ کے اثرات کا جائزہ نہیں لیتا۔
 یعنی وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتا کہ میری تقریر کن لوگوں نے
 توجہ سے سنی ان میں کس نے اس سے اختلاف کیا۔ اختلاف کے
 اسباب کیا ہیں؟ اس کے شکوک و شبہات کس طرح دور کئے جائیں
 جن لوگوں کو میرے خیالات سے اتفاق ہے ان کو آگے کیا کیا
 جائے؟ وہ ان میں سے کسی ایک سوال کا جواب حاصل کرنے کی
 بھی کوشش نہیں کرتا۔

یہ طریقہ بہت سہل ہے اس میں خطرات بالکل نہیں نہ کسی سے
 لڑائی جھگڑا نہ تنظیم و تربیت کی دردمندی نہ کسی سے مخالفت و مخالفت

نہ حکومت سے مقابلہ نہ کسی پارٹی سے دشمنی۔ اگر دشمنی ہے بھی تو اس میں مجادلے سے آگے بڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی کیونکہ اس فتنہ کی تقریریں ہمیشہ انفرادی طور پر ہوتی ہیں۔ اور اکیلے اکیلے فرد کو کسی سے مقابلے اور مقابلے کا خیال تک نہیں آتا۔

اس کے برخلاف انقلاب کے اجزائے ترکیبی حریف مل جاتے ہیں

(۱) مطمح نظر

(۲) جماعت بندی

(۳) لائحہ عمل

مطمح نظر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صاحب فکر اپنا فکر اتنا صحیح سمجھتا ہے کہ وہ اس فکر کو کسی اجتماع انسانی قائم کرنے کے لئے اپنی جان و مال تک قربان کر سکتا ہے جب تک کوئی شخص اپنے فکر کو اتنا محبوب نہ سمجھے وہ فکر مطمح نظر اور نصب العین کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے خود صاحب فکر اس فکر پر عمل ہو اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہے۔

جماعت سے مراد ہے اس خاص نظرے یا فکر کے ماننے والوں کا اجتماع جن میں سے ہر ایک اس فکر یا نصب العین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو۔ یہ فکر اتحاد جب کسی گروہ میں انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو جماعت بن جاتی ہے۔ اس کے ارکان میں ہمدردی ہوتی ہے اور عمل کے لحاظ سے وہ سب ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں بلکہ بعض بلند پایہ افراد میں تو اس اتحاد و فکر کا ظہور اس قدر

زور وار ہوتا ہے کہ ان کی سوچ بچار کے نتائج بالکل مشابہ ہوتے ہیں یعنی ایک مسئلے کا حل جو الف سوچتا ہے وہی ب بھی سوچتا ہے اس وقت ان پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے کہ

دل را بدل رہ مہیست دریں گنج پیہر

اس اتحاد فکر کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ **لائحہ عمل** جماعت کی اندرونی تنظیم مضبوط ہوتی ہے ان آپس میں مال و دولت میں کم از کم اس حد تک اشتراک ضرور ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی فرد بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کا ساتھی بھوکا سوئے یا سردیوں میں کپڑے کی کمی کے باعث کھٹکھٹا پھرے یا بیماری کے ایام میں دوا سے محروم رہے یا اپنے مشترک فکر کے متعلق کسی قسم کی ضروری معلومات میں جاہل رہ جائے وہ آپس میں کھاتے کھلاتے ہیں ایک دوسرے کو لباسِ ہم پہناتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تیمارداری کرتے ہیں اور بچوں سے بوڑھے تک سب اپنے مرکزِ فکر کے متعلق ایک دوسرے سے انتہائی علم حاصل کرتے ہیں جو شخص اس تعاون سے انکار کرتا ہے وہ اس جماعت کا فرد شمار نہیں ہوتا اسے یا تو متنبہ کیا جاتا ہے اور اس کے فرائض یاد دلا کر اس کی بجا آوری پر مجبور کیا جاتا ہے یا اگر وہ ناقابلِ اصلاح ہو تو اُسے کم سے کم خارج کر دیا جاتا ہے کسی شخص کے متعلق بچہ ہو یا بوڑھا عورت ہو یا مرد، تندرست ہو یا بیمار۔ یہ برداشت نہیں کیا جاتا کہ وہ جماعتی نصب العین کے خلاف کوئی کام کرے بلکہ اس نصب العین کے مطابق کام کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

چونکہ اس قسم کی جماعت اپنی ساخت کے اعتبار سے ایسی ہوتی ہے کہ وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتی وہ تبلیغ کے ساتھ تنظیم بھی کرتی رہتی ہے۔ یعنی جو لوگ ان کے فکر کو مان لیں ان کو برادری میں شامل کر کے ایک کل کا جزو بنا لیا جاتا ہے اس لئے اس اجتماعی فکر کا اس کے مخالف فکر کے ساتھ تضادم ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس لئے انقلابی جماعت دو مختلف صورتوں میں دو مختلف طرز کی روش اختیار کرتی ہے۔ (۱) جب تک وہ ہجوم و حملہ کرنے کے قابل نہیں ہوتی حملہ آوروں کو طرح دیتی جاتی ہے۔

(۲) جب وہ اندرونی تنظیم سے..... مسلح ہو جاتی ہے تو وہ حملے کا جواب حملہ سے دیتی ہے یعنی جنگ کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے اس کی پھر دو صورتیں ہوتی ہیں۔
(ا) کبھی تو انقلابی جماعت کا رہنما دفاع پر اکتفا کرتا ہے۔
(ب) کبھی وہ ہجوم یا حملے کو ضروری سمجھتا ہے تو حملے کا آغاز بھی کرتا ہے۔

انقلابی فکر کبھی دوسرے فکر کے مصاحبت نہیں ہو سکتی! | ساتھ مصاحبت نہیں کر سکتا۔ یعنی اس کے لئے یہ قطعاً ناممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنے اصول کو ترک اور مخالف کے کسی اصول کو تسلیم کر کے صلح کرے، انقلابی فکر ازلے لوگ دو ہی چیزیں اپنے سامنے پاتے ہیں۔ کامیابی یا موت، ان کی لغت میں مصاحبت کا لفظ نہیں پایا جاتا اس کا بدل ان کے ہاں موت ہے اور بس۔

یہاں مذکورہ بالا مسئلے پر پھر نظر ڈالئے ارتقاء میں جنگ ہوتی ہی نہیں۔ وہاں صلح ہے اور مصالحت، وہاں نہ تنظیم ہے نہ اتحاد۔ اگر کوئی صاحب فکر اس طریق کو اختیار کرے تو مخالف حکومت اس کے خلاف مناسب طریقوں سے پروکینڈہ کر کے اس کے فکر کے اثرات کو فنا کرتی رہتی ہے چونکہ کام انفرادی طریق سے ہوتا ہے۔ اور اجتماع و تنظیم کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے حکومت سے مقابلے اور مقابلے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اس طرح عمل اور رد عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور بات وہیں کی وہیں رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی فکر کو آگے بڑھانے کے لئے یہ طریق عمل قطعاً مفید نہیں ہو سکتا۔

اس کے برخلاف انقلاب میں اتحاد فکر ہے۔ اجتماع ہے تنظیم ہے۔ مقابلہ ہے۔ مقابلہ ہے۔ اور کامیابی یا موت ہے شکست کی صورت میں بھی مصالحت نہیں۔ لین دین اور سودا بازی نہیں۔ موت سامنے نظر آنے کے باوجود فکر کی شہرت میں کمی نہیں۔ ظاہر ہے کہ صرف اس طریق کار سے کوئی فکر اجتماع انسانی میں جاگیر ہو سکتا ہے اور چونکہ کسی فکر زندگی کا انحصار اس کے غلبے پر ہے یعنی کوئی فکر زندہ ہی اسی صورت میں رہ سکتا ہے کہ وہ اجتماع میں غلبہ حاصل کر لے اس لئے انقلاب ہی کے ذریعے سے اسے غالب کیا جاسکتا ہے نہ کہ ارتقاء کے ذریعے سے۔

آئیے ہم اب دیکھیں کہ قرآن حکیم کیا کہتا ہے؟ کیا وہ ارتقاء طریق کار کا داعی ہے یا انقلابی طریق کار کا؟

قرآن حکیم کا نصب العین | ہمارے خیال میں انقلاب
کی جو شرح اور پرکی جا چکی ہے اس
کے سمجھ لینے کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ قرآن حکیم کیا چاہتا
ہے ہم سہولت کی غرض سے قرآن حکیم کے مسئلے کو سوال و جواب
کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

کیا قرآن کا کوئی نصب العین ہے؟ بیشک ہے اور وہ یہ کہ
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ
الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ أَكْلَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ
یعنی خداوند تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو دایت اور دین حق دے کر صرف اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اس طبعی
اور حقیقی قانون کو جملہ مجموعہ ہائے قوانین پر غالب کر دے خواہ
وہ لوگ جو قانون کے الگ الگ مصدر مانتے ہیں اس وحدانی
مصدر کو ناپسندی کیوں نہ کریں کیا یہ قرآن کا نصب العین نہیں ہے؟
کیا وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کا قانون تمام قوانین پر غالب رہے
اس کی حکومت سب پر فائق رہے۔ وہ غیر حکومت کو اپنے اور تو
کیا اپنے برابر بھی نہیں مان سکتا اس لئے وہ مصالحت کر ہی نہیں سکتا۔

قرآن حکیم اور جماعت | کیا قرآن حکیم کوئی جماعت بنانا
چاہتا ہے؟ کلاس ریب۔ وہ کہتا ہے کہ

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا
آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ

اولئک کتب فی قلوبہم الایمان و
 ایدہم بروح منہ ویدخلہم جنت
 تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا
 رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اولئک
 حزب اللہ الا ان حزب اللہ ہم
 المفلحون • (سورۃ المجادلہ = ۲۴)

”میں نے کوئی جماعت ایسی سوہی نہیں سکتی کہ خداوند تعالیٰ کی
 خوشنودی کو اپنا نصب العین اور ایمان بنائے اور یہ مان لے کہ مرنے
 کے بعد مجھے خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے جملہ اعمال و افعال کی جوابدہی
 کرنی ہوگی پھر بھی وہ ان لوگوں سے قلبی محبت رکھے جو اللہ اور اس
 کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں خواہ وہ لڑنے والے ان کے ماتیاپ
 یا بیٹے یا بھائی یا عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن
 کے دل میں ایمان کندہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی خاص روح
 سے مدد دیا کرتا ہے یہ لوگ ایسے باغوں میں داخل قلمے جاتے ہیں
 جن کے نیچے نہیں بہتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے خوش
 ہے وہ بھی خدا کے احکام کو پوری رضا و رغبت سے انجام دیتے ہیں
 یہ ہے خدا کی جماعت، یاد رکھو ہمیشہ خدا کی جماعت ہی کامیاب و
 کامراں ہو ا کرتی ہے“

گویا خدا اور یوم آخرت کے فکر کے ماننے والے لوگ ایک
 جماعت بن جاتے ہیں، ایسے ہی اس کے خلاف کسی فکر کو ماننے
 والے لوگ ایک جماعت بن جاتے ہیں۔

ان کو بھی حزب (جماعت) کہا گیا ہے (المجادلہ ۱۹)
 اس سے ظاہر ہے کہ ”جماعت“ الگ چیز ہے اور ان کا
 ”فکر“ الگ چیز ہے۔ ہر ایک فکر پر جماعت بن سکتی ہے۔ عام اس سے
 کہ وہ فکر اچھا ہے یا بُرا اگر اچھے فکر پر کوئی جماعت بنی ہے تو خیر اللہ
 ہے اور برے فکر پر بنی ہے تو حزب الشیطان ہے۔

قرآن حکیم اور تنظیم | کیا قرآن حکیم تنظیم چاہتا ہے؟
 بیشک وہ جا بجا کافروں (قرآنی فکر
 کے دشمنوں اور مخالفوں اور منافقوں و حمل یقین لوگوں) کو تنبیہ
 کرتا ہے ان کی علامات بیان کرتا ہے اور حزب اللہ کے کارکنوں
 کو ان سے الگ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ کیا یہ خالص قرآنی فکر
 کی تنظیم نہیں ہے؟ وہ فکر کو صاف رکھنے کے لئے نہایت سختی کے
 ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے یعنی جہاں ہیں
 کوئی ایسی بات نظر آئے جو قرآنی مرکزی فکر کے خلاف ہو اسے قوت
 کا استعمال کر کے روک دو (قوت کا استعمال کس طرح؟ کس حد تک
 اور کس طریق سے؟ یہ دوسرے سوالات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع
 نہیں) لگاس کا موقع یا ضرورت نہ ہو تو زبانی تنبیہ کرو اگر یہ بھی نہ ہو
 تو کم سے کم خود اپنے دل میں ضمنی طور پر اس فکر کو برا سمجھو۔ یہ آخری لٹ
 یقین و ایمان کی سب سے کمزور حالت ہے۔ کیا اس تبلیغ و اشاعت
 سے ایک پاک باز جماعت پیدا نہ ہو جائے گی؟ کیا اس صورت میں
 بھی افراد الگ الگ کچھ پھری پھریں گے ہرگز نہیں وہ سب مل کر
 رہیں گے اور اپنے اجتماع کو ہر قسم کی فکر اور عمل کی برائیوں سے پاک

رکھیں گے۔

قرآن حکیم اور جنگ! اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک وہ مکہ مکرمہ میں ہے اور داخلی تنظیم میں مصروف ہے وہ کہتا ہے کہ۔

(۱) **واضحبر علی ما یقولون و اھجر ھم**
ھجر اجمیلاہ (سورہ نزل)

(۱) یعنی تیری تحریک کے خلاف یہ لوگ جو پروپیگنڈا کرتے ہیں اس کی وجہ سے ہاتھ پائی کی نوبت نہ آنے دو بلکہ فی الحال ان کو بطریق حسن طرح دو۔

(۲) **و ھلھم قلیلا** (ایضاً: ۱۱)

لیکن طرح دینا تھوڑے عرصے ہی کے لئے ہے۔

(۳) **ذرنی و من خلقت و حیل**۔ (مذکر: ۱۱)

ذرا مجھے اور اسے جسے میں نے پیدا کیا اور اب

میرے قانون کا مخالف بن بیٹھا ہے تنہا چھوڑ دو یعنی

تم فی الحال سچ میں نہ آؤ۔

لیکن جب داخلی تنظیم باصلاح حضرت امام ولی اللہ دہلوی خلافت باطنہ جو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئی تھی جب اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ حملہ کر سکے تو سورہ انفال اور سورہ توبہ میں قانون جنگ کے دیا جاتا ہے۔

بلکہ صاف اعلان کر دیا جاتا ہے کہ

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ

فرسولہ (البقرہ : ۲۷۹)
یعنی جو لوگ سودی کاروبار سے باز نہیں آتے ان کے
خلاف باقاعدہ فوج کشی کا الٹی میٹم دے دو۔

غرض دونوں صورتوں میں دو طریق عمل ہیں جب تک جماعت
نہیں تیار ہو جاتی لڑائی نہیں ہوگی جماعت تیار ہو جاتی ہے تو لڑائی
پھر یہ کمانڈر کے اختیار تیسری پر موقوف ہے کہ وہ آگے بڑھ کر حملہ
کرے (جیسے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر
وغیرہ میں متعدد مواقع پر کیا) یا صرف دفاع پر اکتفا کرے جیسے جنگ
خندق وغیرہ)۔ (زمزم)

پیغمبر اسلام کا پیغام انقلاب

انسانی حاکمیت کی بجائے حکومتِ الہیہ کے قیام کی دعوت

ہندوستان کے مشہور حریت پسند اور قوم پرور مسلمان اخبار ”ہلالِ سنیا“، جنہوں نے اپنی ۱۱ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ (۹ اپریل ۱۹۴۷ء) کی اشاعت میں ”پیغمبر انقلاب“ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے یہ افتتاحیہ شائع کیا تھا، یہ مضمون اس حقیقت کی مزید وضاحت کی غرض سے شریک کتاب کیا جا رہا ہے کہ ”ہلالِ سنیا“ ہندوستان کی قومی تحریک اور قومی حکومت کے قیام کا حامی اور علمبردار ہے لیکن وہ بھی ”حکومتِ الہیہ“ پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اور ہر طرح کی انسانی حکومت کو دنیا کے تجربات کی تاریخ کی روشنی میں انسانی آلام و مصائب کا

مرچشمہ سمجھتا ہے -

انقلاب تاریخی اصطلاح میں وہ سیاسی، مجلسی اور اقتصادی تبدیلی ہے جو مروجہ نظام تمدن کو بدل کر ایک نیا نظام تمدن وجود میں لائے۔ انقلاب ہماری شہری زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے ایک ایسی ضرورت ہے جو ہماری جماعتی زندگی کے بوسیدہ اور ناکارہ نظام کو بدل کر ایک امید افزا رابطہ اجتماع لے کر آتی ہے جب ہمارا قائم کیا ہوا نظام شہریت، سوسائٹی کا سیاسی، مجلسی اور اقتصادی توازن برقرار رکھنے میں ناکام ہو جاتا ہے اور اس ابتری کے نتیجے میں مخصوص طبقہ کا تسلط قائم ہو جاتا ہے، خود ہمارے مرقب کئے ہوئے آئین اور ضابطے سوسائٹی کے امن، ترقی، اور خوشحالی کے لئے وبال بن جاتے ہیں تو دلوں میں ایک خوشگوار تبدیلی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس فرسودہ نظام سے بغاوت کے لئے جذبات میں ایک ہیجان شدہ اور تسلسل کے آثار نمایاں ہوتے ہیں مجبوریوں، ضرورتوں اور حالات کی ناسازگاری ہمیں اس کی شکست و ریخت کے لئے ابھارتی ہیں تاہم اس کو تباہ کرنے کے لئے ہم فوری طور پر آمادہ نہیں ہو جاتے، ایسے نظام کی تباہی بھی ہمارے لئے گراں گزرتی ہے جس سے ہم نے اتنے دنوں محبت کی ہے اور جس سے ایک عرصہ تک ہماری زندگی وابستہ رہ چکی ہے۔ اندرونی طور پر طبقائی کشمکش بڑھ جاتی ہے جو بہت مرتبہ ایک مولناک تصادم کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے تقاضائے ضرورت ہماری فطری قدامت پرستی اور طبقائی مفاد کی

ایک زبردست کشمکش کے بعد انقلاب آتا ہے جو سائنسی کو از سر نو منظم کر کے ہمارے لئے ایک اطمینان آفرین مگر عارضی نظام تمدن قائم کر دیتا ہے۔ ہماری اقتدار پرستی آہستہ آہستہ اس نئے نظام میں اپنے لئے ایک راہ پیدا کر لیتی ہے زندگی میں پھر اختلال کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور انقلاب کا تدریجی عمل پھر شروع ہو جاتا ہے انقلاب کا یہی تسلسل اور تواتر ہے جو ہماری تمدنی تاریخ کا طغرائے امتیاز ہے۔

ہماری روایت پرستی کے نتیجے میں
انقلابات کی ناکامی | بہ نئی تبدیلی بنیادی تصور کے لحاظ سے پرانے ضابطہ تحیات سے مختلف نہیں ہوتی۔ شہری زندگی کی زلف اطمینان اور امن کے لئے ہم جو خاکہ بھی مرتب کرتے ہیں اس میں قدرتی طور پر ہمارے قدیم تصورات کا شائبہ ہوتا ہے اس طرح ایک کامیاب نظام زندگی کا خاکہ مرتب کرتے ہوئے ہم غیر شعوری طور پر اس کی ناکامی کی بنیاد رکھ دیتے ہیں اور یہ وہ انقلاب نتیجہ کے اعتبار سے ناکام ہو جاتا ہے جو کامیابی کی خوشگوار توقعات کے ساتھ لایا گیا تھا۔

تمدن کی تاریخ میں جتنے بھی انقلابات آئے ان کی بنیاد ایک ہی تصور پر قائم کی گئی تھی۔ انسان کی حاکمیت کا تصور کسی نہ کسی شکل میں ان تبدیلیوں کے خمیر میں شامل تھا۔ افراد کی حاکمیت کے دور میں ایک عرصہ تک ہم شخصیتوں کی تبدیلی میں شہری زندگی کا امن و سکون تلاش کرتے رہے۔ لیکن جب صدیوں کی جفاکشی کے بعد

ہم نے محسوس کیا کہ بادشاہت بجائے خود ہمارے مصائب کا حشرِ شیمہ ہے تو افراد کے بجائے قوت و اختیار جماعت کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ جمہور کو طاقت و اختیار کامرکز قرار دیا گیا۔ بادشاہ کی جگہ جمہوریت کو دی گئی اور وزراء و اراکان پارلیمنٹ نے قدیم مشیروں کی جگہ حاصل کر لی۔ لیکن اس نئے تجربہ میں بھی انسانیت کی خود نگری اور اقتدار پرستی کے رجحانات موجود تھے۔ حاکمیت کا حق انسانوں ہی کے لئے تسلیم کیا گیا تھا۔ ایسے انسان جو اپنی نفسی خصوصیات کے اعتبار سے قدیم بادشاہوں سے مختلف نہ تھے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج جمہوری انقلاب بھی انسانیت کو ایک مکمل اور آخری ضابطہ اختیار دینے میں ناکام ہو چکا ہے۔

اسلام نے سب سے پہلے دنیا کو اسلام کا انقلابی تصور | ایک ایسے مکمل اور ہمہ گیر انقلاب کا تصور پیش کیا جو نہ صرف زندگی کے تمام شعبوں سے ظالمانہ نظامات کو ختم کر دینا چاہتا تھا بلکہ اُس نے ایک مکمل ذہنی انقلاب کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اسلام نے ہماری ناکامیوں کی حقیقی علت کو پایا اور اس دنیا کی ان تمام پچھلی روایات اور تصورات سے بالکل مختلف جو نسلی اور موروثی طور پر انسانی ذہنیت پر مسلط تھے انسانیت کے فلاح و بہبود کے لئے ایک نیا تصور پیش کیا۔ اسلام نے انسانیت سے بلند تر ایک وجود کی غیر مسئول اور مطلق حاکمیت کا اعلان کر کے انسانی حاکمیت کے ان تمام تصورات کو باطل کر دیا جو انسانی ضابطہ اجتماع کی بنیاد قرار دئے گئے تھے اور جو انسانوں

کے مصائب اور فساد اجتماع کا نہ حشر تھے۔
 وهو الغفور الودود ذو العرش
 المجید فعال لما یریدہ (بروج)
 وہی غلطیوں کو معاف کرنے والا صاحب عرش اور
 بزرگ و برتر ہے اور اپنی ہر مرضی اور ارادہ کو مکمل طور
 پر نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

لَا یَسْأَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یَسْأَلُونَ
 اپنے افعال میں وہ بالکل غیر مسئول اور انسانوں سے
 ان کے افعال کا محاسبہ کیا جائے گا۔

إِنَّ الْحُكْمَ أَلَّا یَلَهُ أَهْرَ أَنْ لَا تَقْدِرَ
 اَلَا اِیَّاهُ۔

حکم اور حاکمیت اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے
 اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی پوجا نہ کرو
 اسلام نے انسانیت کو اپنا نصب العین قرار دیا انسانیت کی فلاح
 امن اور اطمینان کو خدا کا مقصد اور خدا کا راستہ قرار دیا۔ اس نے
 ان طبقات اور جماعتوں کے اجارہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جو
 اپنے غلبہ اور تفوق کو برقرار رکھنے کے لئے دنیا کے امن اطمینان
 اور فارغ البالی کے ٹھیکے دار بنے ہوئے تھے۔

لَا تَطْعَمَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبًا عَنْ ذِكْرِنَا
 وَاتَّبَعْ هَوَاهُ۔

اس شخص کی پیروی نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی

یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشات کا بندہ ہے

اللعنة الله على الظالمين الذين
يصعدون عن سبيل الله ويغونها
عوجا وقاتلوا هم حتى لا تكون فتنة
ويكون الذين كفروا ان لا
تفعلوا تكن فتنة في الارض وفسا
كبير

اللہ کی لعنت ہو ان ظالموں پر جو اللہ کے راستہ میں
رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔
ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور اٹھا
مکمل طور پر صرف خدا کی کی جائے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے
تو زمین میں ایک زبردست فتنہ و فساد برپا ہو جائیگا
اَنَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ

لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

ہم نے اتارا تمھاری طرف قانون اور انصاف تاکہ
انسان ایک مساویانہ اور متوازن نظام زندگی قائم کریں۔
اسلام کا یہ انقلابی تصور کسی ایک گروہ، طبقہ اور جماعت تک
محدود نہیں تھا اس نے رنگ، نسل، تاریخ، زمین، فضا، اور ماحول
کی تمام تقسیموں اور تفریقوں کو نظر انداز کر کے براہ راست
انسان کو مخاطب کیا۔ اس نے ایک عادلانہ ضابطہ اجتماع کی طرح

تمام انسانوں کو یکساں دعوت دی۔
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
 خَلَقَكُمْ تَعَالَى إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
 أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا
 وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ
 لوگو! اپنے رب کی اطاعت کرو جس نے تمہیں پیدا
 کیا ہے! اؤ! ہم سب ایک بات پر جمع ہو جائیں جو ہمارے
 اور تمہارے درمیان یکساں ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا
 ہم کسی کی بندگی نہ کریں اور خدا فی میں کسی کو خدا کا شریک
 نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوائے
 رب نہ بنائے۔

اسلام کی دعوت انقلاب کے
 اسلامی انقلاب کی ناکامی | یہ تھے وہ بنیادی اصول جنہوں
 ظلم و فساد کی ان تمام راہوں کو مسدود کر دیا جو تمدن کی ناکامی
 اور انسانوں کی نہ ختم ہونے والی بے چینی اور مصیبتوں کا حقیقی
 سبب تھے پیغمبر انقلاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی
 اصول پر ایک نظام تمدن کی بنیاد رکھی اور انسانی تاریخ کو
 سب سے پہلے اور سب سے آخر ایک ایسے ضابطہ اجتماع سے
 متعارف کرایا جس نے انسانیت کے حقیقی نصب العین کی نظر
 رہنمائی کی اور مظلوم و مقہور انسانوں کو ظلم و فساد، غلامی اور ناجائز
 و منتفاع کی مصیبتوں سے نجات کا پیغام سنایا۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام کا لایا ہوا انقلابی نظام بھی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا اور دنیا کے دوسرے انقلابات کے مقابلے میں اسلام کا نظام بھی زیادہ پائدار ثابت نہ ہو سکا لیکن اسلام کے صحیح انقلابی نظام زندگی کی بنیادی محسوس کی ناکامی کی بناء پر نہیں تھی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام کے خلاف دنیا میں اس نقطہ نظر سے کبھی کوئی باغیانہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ وہ انسانوں کو ایک صحیح نظام تمدن عطا کرنے میں ناکام ثابت ہوا ہے۔ خلافت راشدہ کا صحیح اسلامی نظام اس ختم نہیں ہوا کہ جمہور نے اس کے جبر و ظلم اور ناجائز انتفاع کے سیاسی، اقتصادی یا معاشری دباؤ سے مجبور ہو کر اس کے خلاف بغاوت کی تھی بلکہ انسانی فکر و عمل کی غلط کاری نے خدا کی رحمت کے تصور میں انسانی اقتدار اور حق حکمرانی کا پیوند لگانے کی کوشش کی اور زندگی کا وہ الٰہی نظام جس سے دنیا خلافت کے نام سے متعارف ہوئی تھی ملوکیت میں تبدیل ہو گیا۔ تاہم چونکہ اپنے فکری پس منظر کے اعتبار سے مسلمانوں کی ملوکیت دنیا کے شائبانہ نظام سے مختلف تھی اس لئے دنیا ایک عرصہ تک مسلمانوں کے شاہی نظام میں بھی تمدن صالح کے آثار دیکھتی رہی۔

آج دنیا پھر ایک غیر صالح نظام تمدن **دعوت انقلاب** کے مصائب برداشت کر رہی ہے۔ رنگ و نسل کے امتیاز نے زندگی کو ایک جنم بنا دیا ہے جغرافیائی حد بندیوں نے انسانیت کو متصادم گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

جمہور اور غالب طبقوں کی کشمکش نے ایک خوفناک صورت اختیار کر لی ہے دنیا کے ایک نئے نظام کے لئے جمہور کی طلب اپنی آخری منزل تک پہنچ گئی ہے۔ ہمارے موجودہ نظام تمدن کی تبدیلی ناگزیر ہو چکی ہے اور انقلاب روز بروز ہم سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن کیا آنے والا انقلاب ہماری ضرورت اور بے چینی کی آخری تکمیل ثابت ہو سکے گا؟

اگر دنیا نے اپنے تجربات کو دہرایا اور اس ناکام تخیل کو پھر اپنا کرنے کی کوشش کی جو آج تک انسانی ترقی کی ہموار شاہراہ میں حائل ہوتا رہا ہے تو آنے والا انقلاب یقیناً ہماری ضروریات کو پورا نہیں کر سکے گا۔ جماعتی اقتدار پرستی کا وہ نصب العین جو آج تک ہمیں محبوب رہا ہے دنیا کا نظام قائم کرتے وقت ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں رہے گا اور آنے والا انقلاب بھی بنیادی طور پر اس تصور سے مختلف نہیں ہوگا جو اب تک دنیا کے غیر الہامی انقلابات میں کار فرما رہا ہے ممکن ہے اس نئی تبدیلی میں ہم ایک عارضی سکون حاصل کر لیں لیکن انجام کے لحاظ سے انسانیت کی بدقسمتی پہلے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوگی۔

آؤ ہم سب انسان لکڑا انسانیت کی بیڑیاں کاٹ دیں خدا کی بادشاہت میں ایسا انسانیت گیر اور اطمینان بخش نظام قائم کریں جو ہماری عافیت اور ترقی کی آخری ضمانت ہوگا۔ ایک بے غیر انقلاب کی رہنمائی میں آدم کے مظلوم بیٹوں کے لئے ایک امن آفریں انقلاب لے کر آئیں۔ اس پیامبر انقلاب کی رہنمائی میں

جس نے ہمیں زندگی کا ایک بلند و برتر نصب العین عطا کیا ایک جامع اور مکمل انقلابی نظام دیا جس نے ہمیں الٰہی حاکمیت سے متعارف کرایا اور ہماری پراگندہ جماعتوں کو فکری اور عملی وحدت بخشی۔
اسے محسن انسانیت دنیا تیری منت پذیر ہے۔

تجھ پر درود و سلام !
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ
عَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

مدینہ کے مضمون پر ایک نظر

مدینہ کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) انسان کے تمام آلام و مصائب کا بنیادی سبب انسانی نظام حیات اور انسانی حاکمیت کا تصور ہے۔

(۲) انسان نے آلام و مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے بار بار انقلابات کئے لیکن اسے نجات نہ مل سکی، اس لئے کہ انسانی حاکمیت کا تصور جو تمام مصیبتوں کا سرچشمہ تھا ہر آنے والے انقلاب کی تہ میں موجود تھا۔

(۳) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے انقلاب کا پیغام لے کر مبعوث ہوئے جو انسان کے لئے سرتاسر رحمت و نجات تھا۔ اس لئے کہ اس انقلاب کی بنیاد انسانی فکر و عمل اور انسانی حکومت کی بجائے الٰہی حاکمیت پر تھی۔

(۴) دنیا کے دوسرے نظاموں کی طرح یہ نظام بھی بہت

دنوں تک قائم نہ رہ سکا لیکن اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ دوسرے
نظاموں کی طرح اس میں بھی کمزوریاں تھیں۔ انسان نے محض
نفس پرستی کی بناء پر اس سے بغاوت کر کے ملوکیت اختیار کر لی۔
(۵) اب بھی دنیا کی نجات و فلاح کی واحد صورت یہی ہے کہ
ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں انقلاب کا علم لے کر اٹھیں
اور انسانی حکومت کا تخت الٹ کر خدا کی حکومت قائم کر دے
”مدینہ“ کی یہ دعوت کتنی حقیقت افروز اور سعادت آموز ہے
لیکن سوال یہ ہے کہ جب ”مدینہ“ کی تمام جدوجہد حکومتِ الہیہ کے
قیام کی بجائے قومی حکومت کے قیام کے لئے وقف ہے جس میں
مسلمانوں کو کتنے ہی حقوق حاصل ہوں بہر حال وہ انسانی حکومت
ہوگی تو ”مدینہ“ کی اس دعوت کے کیا معنی ہوں گے جو وہ حکومتِ الہیہ
کے قیام کے لئے دنیا کو دے رہا ہے ؟ دنیا کی شاید یہ سب سے
زیادہ عجیب بات ہے کہ مسلمان قبول تو کرتے ہیں کہ اسلام کا نصب العین
حکومتِ الہیہ ہے مگر ان کی کوششیں صرف ہو رہی ہیں انسانی
حکومتوں کے قیام و بقا کے لئے کیا مسلمان اپنی اس ”بے دینی“
اور بے اصولی“ سے جلد باز نہ آئیں گے ؟

زمام قیادت کے مستحق کون گویں؟ جن کا مقصد زندگی اطاعتِ خدا ہو

۴۵

مولانا محمد عثمان فارقلیط مدیر ”زمزم“ لاہور نے ۱۹ اگست

کے زمزم میں ”بپاسی خداؤں کی دنیا“ — انسانی برادری کے لئے ایک لمحہ فکر یہ کے عنوان سے یہ ادارتی مضمون لکھا ہے، مولانا فارقلیط جمعیتہ العلماء کے حامی ہیں۔ اور جمعیتہ العلماء ہندوستان میں قومی حکومت کے قیام کے لئے سعی ہے۔ اس حکومت کا قیام جیسے افراد و عناصر سے وجود میں آئے گا اس کے پیش نظر کیا یہ ممکن ہے کہ ہندوستان کی قومی حکومت دنیا کی دوسری حکومتوں کے برعکس خدا کی اطاعت گزار ہو؟ مولانا فارقلیط نے انسانی برادری کو جس غور و فکر کا مشورہ دیا ہے اس پر خود ان کو عمل پیرا ہونا چاہئے، مولانا نے قرآن مجید

کی آیت کی رو سے بتایا ہے کہ صالح اور عاد لانہ نظام
 وہی لوگ قائم کر سکتے ہیں، جو نماز و زکوٰۃ کا نظم قائم
 کرنے والے ہوں اور یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ
 رسول پر ایمان رکھتے ہوں۔ ملحدین و منکرین کا یہ کام
 نہیں۔ مولانا کا مشورہ یہ ہے کہ ”زام قیادت ایسے
 لوگوں کے ہاتھوں میں سونپی جائے جو اپنے کو مسئل
 اور جوابدہ سمجھیں جو صالح ہوں اور صالح نظام کا قیام
 عمل میں لائیں اور جن کی زندگی کا مقصد خدا کی اطاعت،
 مخلوق کی خدمت، انصاف کا قیام اور صلح و امن کی
 اشاعت ہو“ دوسرے لفظوں میں مولانا فارقلیطانی
 برادری کو حکومت الہیہ کے قیام کا مشورہ دے رہے
 ہیں، لیکن دنیا نے ایسا کب کیا ہے کہ اپنے ہاتھ کی
 زمام حکومت دوسرے کسی کے ہاتھ میں سپرد کر دے
 جو آج مولانا کے مشورے پر عمل کرے گی؟ اس کے
 لئے تو قومی حکومت کی راہ سے ہٹ کر قرآن کریم اور اسوۃ
 نبوی کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق سعی و جہد بانی
 کرنی پڑے گی۔

چھ سال کی کشمکش اور مزاحمتوں کے بعد آخر یہ دن دیکھنا نصیب
 ہوا کہ جاپان نے شکست کھائی اور جرمنی کی طرح اُسے بھی جنگ سے
 خوف ناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ جرمنی گرا، ہٹلر گیا، اور پھر جاپان
 کی باری آئی اور خدا خدا کر کے وہ عذاب الیم ہروں سے ٹلا جو چھ

سیال سے بھوک و بربنگی، قحط اور گرائی، فوجی قوانین اور ہنگامی دایوگر کی شکل میں دنیا پر نازل ہو رہا تھا۔ اب چند ہی دن جاتے ہیں کہ جنگ کے خاتمے کا باقاعدہ اعلان ہوگا، امن اور صلح کا گجل بچے گا، فاتحین اکرڑی ہوئی گردنوں کے ساتھ دنیا کو خوشحالی، مساوات اور جمہوریت کا پیغام سنائیں گے دکھی اور مضطرب دنیا کو چھ سال سے جنگ کے خاتمے کا انتظار تھا..... اب نتائج و عواقب کا انتظار رہے اور شاید مستقبل قریب ہی میں معلوم ہو جائے کہ یہاں خانہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ

(۱) کیا واقعی دنیا میں امن و امان قائم ہوگا اور انسان جس چیز کی تلاش میں سرگردان ہے وہ اسے حاصل ہو جائے گی؟
(۲) کیا دنیا کی ان بڑی طاقتوں کی جن کے ہاتھ میں زمام قیاد ہوگی، نیت بخیر ہے؟ کیا ان میں صلاح اور عادلانہ نظام قائم کرنے کی صلاحیت ہے؟ کیا ان کے اندر یہ حقیقی خواہش ہے کہ نوع انسان کو خوشحالی، مساوات اور آزادی کی دولت ملے؟

(۳) اگر حکمران اور مقتدر طاقتیں یہ چاہیں بھی کہ دنیا میں ایک پاکیزہ فضا پیدا ہو، ایک صالح نظام قائم ہو، ایک اجتماعی اور تعمیری امن کی بنیاد پڑے تو کیا ان کے پاس ایسے ذرائع اور وسائل موجود ہیں کہ وہ اپنی اس نیک خواہش کو عملی جامہ پہنا سکیں اور دنیا ان کی پاک نفسی کا ثمر پائے؟

یہ تین سوال ہیں اور ہمیں انہیں اس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ

تینوں کا جواب نفی میں ہے! پہلے اور تیسرے سوال کا تمام تر انحصار دوسرے سوال پر ہے اور یہی ایک ایسا سوال ہے جس پر ٹھنڈے دل متوازن دماغ اور غیر جانبدار انصاف کے ساتھ ہر انسان کو غور کرنا چاہئے۔

طَاغُوتِ فِساد | ہم صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں اور اسلام کی روشنی میں ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ آج جن قوموں کے ہاتھ میں طاقت ہے اور جو دنیا کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کی مختار ہیں، جن کا دنیا کی معیشت و معاشرت کے جملہ وسائل پر قبضہ ہے، جو دنیا کی تہذیب و تمدن کی اجارہ دار ہیں اور انسانی افکار و خیالات پر جن کا پورا کنٹرول ہے، حتیٰ کہ مذہب و اخلاقیات کے نقشے بنا لے اور بگاڑنے میں جھینچ پورا دخل حاصل، ہضمیر و اخلاق مذہب و ایمان کی عدالت میں باغی ہیں اور اسلام کی زبان میں ان ہی کو طاغوت، مفسدین فی الارض، فساق و فجار اور فریق فی السحاب وغیرہ مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ جب تک ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں انسانی نظام حیات کی باگ ڈور ہے اور وہ قادر مطلق خدا بن کر اپنے شیاطینی قوانین دنیا میں نافذ کرتے رہیں گے۔ کائنات کے کسی گوشے میں امن و انصاف قائم نہ ہو سکے گا اور انسان کی اجتماعیت کو کبھی اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہو گا، اسلام کہتا ہے کہ نظام عدل اور پابند ار امن ان صاحبین اور پاکیزہ نفوس کے ذریعے قائم ہو گا جو قانون الہی کے تابع ہوں گے جو اپنے آپ کو ایک

بالا تر ہستی کے سامنے جوابدہ سمجھیں گے، جو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر کے انسان کے نظام زندگی کو مکمل اخلاق و تزکیہ نفس اور خیرات و صالحات کے سانچے میں ڈھالیں گے، لیکن آج جن بدقسمت انسانوں کے قبضے میں ہماری زندگی ہے۔ ہمارے خیالات و افکار ہیں، ہمارے حواس خمسہ اور ذہنی صلاحیتیں ہیں ان کا کافر اور فاسقانہ وجود دنیا کے تمام مفاسد کا سرچشمہ بن چکا ہے۔ وہ امن کے لئے خطرہ ہیں، وہ خوشحالی اور آزادی کے لئے خطرہ ہیں، معاشرت و معیشت کے لئے خطرہ ہیں! پھر ایسے لوگوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ دنیا میں ایک نئے نظام کی طرح ڈالیں گے یا ان کے ذریعے دنیا کو امن و راحت، امن و خوش حالی کی دولت ملے گی ایک ایسی امید ہے جس سے ایک فریب خوردہ دماغ ہی مطمئن ہو سکتا ہے!

یہ تو قرآن ہی ان لوگوں کی نشاندہی

صالحین اور مفسدین کرتا ہے جو دنیا میں صالح اور عادلانہ نظام قائم کریں گے۔

الَّذِينَ ان مكناهم في الاسر
اقاموا الصلوة واتوا الزكوة وامروا
بالمعروف ونهوا عن المنكر
جن لوگوں کو زمین میں قیام و ثبات ملتا ہے ان
کا پر و گرام یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں (تاکہ نفس
کی جلاہوتی رہے) اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (تاکہ

زر رستی کی جڑ کٹتی رہے) اور اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں
(کہ نیکی اور بھلائی اور تعاون کا واحد ذریعہ یہی ہے) اور
بری باتوں سے روکتے ہیں (کہ اس کے سوا قیام امن کی
کوئی صورت نہیں)۔

آخر تمہیں دنیا کے حکمرانوں سے کس بات کی توقع ہے؟ کیا تم
سمجھتے ہو کہ یہ لوگ تمہیں خدا پرستی اور نیکی عملی کی راہ پر چلائیں گے؟
دراستحالیہ گشتی قحبہ خانے اور تحریک شرابخانے ان کا بھیجا میدان
جنگ میں بھی نہیں چھوڑتے! تو پھر کیا ان حکمرانوں کو تمہاری اقتصاد
حالت درست کرنے کا خیال ہے؟ کیا ان کی خواہش یہ ہے کہ تمہارا
معیار زندگی بلند ہوا اور تمہیں دونوں وقت پیٹ بھر کر روزی ملے گی؟
اگر یہ بات ہوتی تو پہلی اور دوسری جنگ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی
تم کہو گے وہ دنیا کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں اور مساوات و جمہوریت
سے انہیں محبت ہے اگر یہ سچ ہے تو تم کیوں غلام ہو؟ ایشیا غلامی
کی چوٹوں سے کیوں کراہ رہا ہے اور دنیا کے اہم ناکول پر کروڑوں
فوج کس لئے تیغ و سپر کا مظاہرہ کر رہی ہے؟ تم ہزار باتیں بناؤ
نتیجہ سب کا ایک ہے کہ جنگ خدا کی زمین ان مفسدین سے پاک
نہوگی اس وقت تک جمعیت بشری کو حقیقی راحت و تسکین نہیں مل سکتی
اسلام نے طاغوتی طاقتوں کا

دنیا کے مٹنا کا آخری حل | خطرہ شدت کے ساتھ محسوس کیا

ہے ان کی نگاہ میں ان اشرار کی پیداوار تمام مصائب اور تباہیوں
کی ذمہ دار ہے۔

ان تذرهم بضلوا عبادك ولا
يلدوا الا فاجرا كفارا۔

اگر ان اشرار کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی گئی تو وہ خدا کی
مخلوق کو گمراہ کر دیں گے اور ایسی نسل چھوڑ جائیں گے جس کا
کام فسق و فجور اور کفر و ضلالت کے سوا کچھ نہ ہو گا!

پس اسلام یہ چاہتا ہے کہ جو لوگ قادر مطلق خدا بن کر زمین پر فساد
مچائیں اخلاق و روحانیت کا تخم فنا کر ڈالیں معیشت کے وسائل
کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کر لیں خدا پرستی کے بجائے نفس اور
قوم پرستی کی حق و انصاف کے بجائے ظلم و جور کی حسن عمل کے بجائے
بد عملی اور بدکاری کی، وحدت کے بجائے تفریق و تخریب کی اشاعت
کریں۔ انھیں طاقت و فرمانروائی، اقتدار اور شہنشاہی سے کبیر
محروم کر دیا جائے اور تمام قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں
سوچی جائے جو اپنے آپ کو مسئلہ اور جوابدہ سمجھیں جو صالح ہوں اور
صالح نظام کا قیام عمل میں لائیں اور بن کی زندگی کا مقصد خدا کی
اطاعت، مخلوق کی خدمت، انصاف کا قیام اور صلح و امن کی اشاعت
ہو! اگرچہ یہ انقلاب مشکل ہے اور بہت مشکل مگر دنیا کے مصائب کا
یہی آخری حل ہے اور اسی حل پر دنیا کی ترقی اور خوشحالی کا انحصار ہے
تم جب تک چاہو موجودہ حکمرانوں کو برداشت کرتے رہو مگر یہ توقع
مٹ کر وہ خدا کے ان دشمنوں کے ذریعے دنیا کو چین اور امن نصیب
ہو گا اور دنیا کی بڑی طاقتیں جنگ سے فارغ ہو کر کوئی صالح نظام
اور کوئی پاکیزہ دستور حیات مرتب کر سکیں گی۔

تحریک حکومتِ الہیہ کے اصول و منہاج

تعارف : یوں تو حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان و برکات بہت وسیع ہیں لیکن مولانا امین احسن صاحب اصلاحی حضرت فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وارث اور جانشین سمجھے جاتے ہیں، آپ تحریک حکومتِ الہیہ کے حامی ہیں۔ اقامتِ نظامِ اسلامی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت و کامیابی عطا فرمائے۔

جماعتِ اسلامی کی صوبہ متحدہ کی شاخوں کے اجتماع میں جو بمقام الہ آباد منعقد ہوا تھا۔ حکومتِ الہیہ کے اصول و منہاج پر آپ نے ایک تقریر فرمائی تھی اس کا ایک حصہ یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

آپ کو خوب معلوم ہے کہ ہم کو اور آپ کو اسلام سے جو نسبت حاصل ہے وہ اس رشتہ کی بناء پر ہے جو ہمارا اللہ اور اس کے آخری رسول سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام اور قوانین دئے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین کی دنیا کو دعوت دی ہے اس کا تعلق ہے جس کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو مسلم اور مسلمان کہتے ہیں اگر ان چیزوں سے کسی چیز کے ساتھ ہمارا رشتہ ضعیف ہو جائے تو اسلام کے ساتھ ہماری نسبت بھی ضعیف ہو جائے گی اور اگر منقطع ہو جائے تو اسلام سے ہمارا رشتہ بھی منقطع ہو جائے گا اس زنجیر کے ٹوٹنے کے بعد دنیا کے کارخانوں کی بنی ہوئی کتنی ہی شنبہری اور رُہیلی زنجیریں لائی جائیں لیکن اسلام کے ساتھ ہمارا رشتہ کسی طرح بندھ نہیں سکتا۔ آج کل قوموں اور جماعتوں کی اجتماعی شیرازہ بندی میں جن چیزوں کو اصلی دخل ہے وہ قومیت اور وطنیت ہے، ملک کا اشتراک ہے نسل ہے، خون ہے، رنگ ہے، جن لوگوں نے تمدنی رسائل پر غور کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ انھیں اساسات پر حلقے بنتے ہیں تو میں بنتی ہیں۔ تہذیب کے خط و خال نمایاں ہوتے ہیں۔ ایک انگریز کی انگریزیت ایک جرمن کی جرمنیت، اور ایک جاپانی کی جاپانیت اس کے نسب، نسل اور ملک کی بناء پر قائم ہے۔ لیکن ایک مسلمان خواہ وہ کتنا ہی غنی ہو (حالانکہ مسلمان کبھی غنی نہیں ہوتا) کبھی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ یہ چیزیں اسلامی اجتماعیت کی تشکیل میں بھی چونے اور گارے کا کام دے سکتی ہیں

اسے خوب معلوم ہے کہ مسلمان کا اسلام سے رشتہ اللہ اور اُس کے رسول سے تعلق کی بنیاد پر قائم ہے۔ اور یہی اللہ اور اُس کے رسول کا رشتہ ایک مسلمان کو مسلمان سے جوڑتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے اپنا رشتہ کاٹ لے وہ اسلام سے منقطع ہو گیا اور جس نے اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی اس نے اسلامی ہمت اجتماع میں اپنی جگہ کھودی۔ آپ کی ان سرکوں پر چلتا پھرتا ایک معمولی چمار جس کو پشت ہا پشت سے اسلام سے کوئی نسبت حاصل نہ رہی ہو اگر ابھی ان اساسات کا اقرار کر لے جن کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے تو وہ معاً اسلام میں داخل ہو جاگا اور آپ کی مسجد میں حقدار ہو گا کہ اگلی صفوں میں جگہ پائے لیکن ایک شخص جس کا خاندان پشت ہا پشت سے مسلمان شیخ الا سلامی کے عہدے پر ممکن چلا آیا ہے۔ اس کا کوئی ناخلف فرزند اگر اصول اسلام میں سے ایک افضل کا بھی انکار کرتا ہے تو کوئی نہیں ہے جو جو اسے ہماری صف پائین میں بھی جگہ دلا سکے۔ اگرچہ اس خاندان کا خاندان رسالت سے ہی نسبت کیوں نہ حاصل ہو نسل، نسب، خاندان، وطن اسلامی تصور میں بالکل بے معنی ہیں۔

اسلام کے اساسی عقائد اور ان کا مفہوم
 اب آئیے غور کیجئے کہ اسلام جس کی نسبت ہی سے ہماری تمام کامیابی ہے اُس کے وہ اساسی مستقدمات کیا ہیں جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق اور جن کو صدق دل سے ماننے بغیر آدمی اسلام میں داخل ہوتا ہے اور نہ ان

تقائم رہے بغیر اسلام پر قائم رہتا ہے۔
 آپ کو خوب معلوم ہے کہ پہلی چیز ایمان باللہ ہے لیکن
 ایمان باللہ کا مطلب صرف زبان سے آمینت باللہ کہہ دینا نہیں
 ہے اتنے کا اقرار تو ابو جہل اور بولسب کو بھی تھا پس یہاں تک آپ
 ان سے کچھ آگے نہیں ہیں۔ بلکہ اس حد تک دنیا کے اکثر افراد آپ کے
 برابر ہیں۔ دنیا کی پھلی تاریخ خدا کے انکار مطلق سے بالکل خالی ہے۔
 دنیا کو ہمیشہ خدا کا اقرار رہا ہے۔ یہ صرف موجودہ ٹھہر روشن کی خصوصیت
 میں سے ہے کہ اس میں کچھ ایسے بے بصیرت بھی پیدا ہو رہے ہیں جو خدا کے
 منکر میں ہیں ظاہر ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کا مفہوم صرف یہ نہیں ہو سکتا
 کہ آپ اقرار کی حد تک اللہ کا اقرار کر لیں بلکہ

ایمان باللہ

ایمان باللہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پر اس کی ان تمام صفات اُسما
 حسنی کے ساتھ جو شان الوہیت کے لئے موزوں ہیں اور جن کی
 انبیاء علیہم السلام نے تعلیم دی ہے ایمان لایا جائے۔ یعنی یہ کہ ہم
 اس کے بندے میں اُعلام ہیں، ہماری مرضی اور ہماری خواہش اس کے
 حکم کے آگے کچھ نہیں، صرف وہی حاکم علی الاطلاق ہے۔ خالق و مالک
 وہی ہے، قانون دینے والا، شریعت بنانے والا وہی ہے نفع و ضرر
 پہنچانے والا اور برکات وہی ہے ان صفات کا سختی اور کوئی نہیں اگر
 اس کی صفات میں سے کسی صفت میں دوسرے کی حصہ داری مان لی جائے
 یا خدا کے اختیارات میں کسی کو شریک کر دیا جائے تو تمام ایمان ہی
 غارت ہو جائے گا۔ اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے۔

پھر ہم خدا کے متعلق یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ ہم کو پیدا کر کے اس نے
 ہمیں زندہ رکھے بھیسے کی طرح چھوڑ دیا ہے کہ جدھر چاہیں تبھٹنے پھریں
 یا یہ کہ وہ ہندوؤں کے مہادیو کی طرح محض دُندوت کر لینے سے راضی
 ہو جاتا ہے بلکہ خدائے تعالیٰ نے جس طرح ہماری مادی زندگی کے سب
 فراہم کئے ہیں ٹھیک اسی طرح اس نے ہماری ہدایت کے لئے انبیاء و رسل
 بھیجے ہیں۔ اور اس طرح اس نے ہم سے اپنی پرستش کا مطالبہ کیا ہی ہے
 اس نے اپنی اطاعت کا بھی مطالبہ کیا ہے۔ صرف یہ چیز کافی نہیں ہو سکتی
 کہ ہم زبان سے اس کی تعریف کر دیں یا صرف پانچ وقت نمازیں پڑھ
 لیں، بلکہ اس کی فرماں برداری و اطاعت بھی لازمی ہے۔ اور یہ
 اطاعت زندگی کے کسی ایک ہی گوشہ میں نہیں ہے بلکہ ہر گوشہ میں ہے
 مسلمان صرف مسجد کے اندر ہی اللہ کا بندہ نہیں رہتا بلکہ اُسے ہر جگہ اللہ
 کے قانون اور اس کے احکام کی پابندی کرنی پڑتی ہے، ہندو اور غیر مسلم
 کا دین صرف مندر اور معبد میں اس سے چپک جاتا ہے لیکن مسلمان کا
 دین ہر وقت اس کے ساتھ ہے مسجد میں، گھر میں، بازار میں، دکان میں
 کھیتی باڑی میں، لین دین میں، سیاست میں، حکومت میں، معشت میں
 اور تہذیب تمدن میں غرض کوئی جگہ نہیں ہے جہاں خدا کا دین شمس
 کی طرح مسلمان کے ساتھ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی یہ اطاعت اس کے
 انبیاء کی اطاعت کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح اللہ کو ماننے
 کا مطلب محض آمنت باللہ کہنا نہیں ہے بلکہ اللہ کو شائع، مالک، قائم
 مدبر ماننا ہے اسی طرح رسول کو ماننے کا مطلب محض یہ نہیں ہے کہ ہم اس
 رسول ہونے کا اقرار کر لیں اگر ہم صرف اقرار کے حد تک رسول کو ملتے

ہیں۔ تو دینہ کے منافقین اس معاملہ میں ہم سے مجھے نہ تھے وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر اللہ نے انہیں صادق القول تسلیم نہیں کیا بلکہ فرمایا **وَإِنَّ اللَّهَ يَكْتُمُ هَذِهِ آيَاتِ الْمُنَافِقِينَ لَكَآذِ بُولٍ** اور اللہ کو اسی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں؟ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر یہ اپنے قول میں صادق نہیں ہیں

ایمان بالرسالت

کیونکہ رسول کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے واجب الطاعت مانیں، زندگی کے گوشے میں خدا کے نائب اور رسول ہونے کی حیثیت سے اس کی رہبری تسلیم کریں اس کے خلاف جو کچھ ہے اُسے غیر فطری اور خدا سے انحراف یقین کریں اور اس سے فطری دشمنی رکھیں اور جو اس کے مطابق ہے اس سے فطری محبت ہو۔ **قَالَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ** ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ رسول کی رسالت کے اقرار کا حق اس سے ادا نہیں ہو جاتا کہ اس کا نام آتے ہی انگلیوں کو جوڑ کر آنکھوں سے لگالیں یا میلاد کی مجلسیں قائم کر دیں، یا رسول کے نام پر جھنڈا لے کر سڑکوں اور گلیوں کا طواف کرتے پھریں۔ رسول درحقیقت واجب الطاعت بن کر آتا ہے کسی شعبہ میں اس کے سوا کسی اور کی اطاعت کو اپنی رضا سے تسلیم کرنا اللہ اور اس کے رسول سب کا انکار ہے زندگی کے ہر مرحلہ میں اسے

مطاع مانئے اس کے بغیر ہزاروں میلادیں کر کے اور لاکھوں
 جھنڈے اٹھا کر اگر آپ یہ سمجھیں کہ آپ نے رسول کو ماننے کا
 حق ادا کر دیا اور آپ اس کی شفاعت کے حقدار ہو گئے، یا
 اس کی تعلیمات کا مذاق اڑا کر اور پوری زندگی میں اس کے خلاف
 چل کر اگر آپ امید رکھتے ہیں کہ ٹھنڈے ٹھنڈے جنت کو چلے جائیں
 تو میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ
 جھوٹا و نمام اور کوئی نہیں آپ کو مجبور کر کے اُسوہ رسول سے بنایا
 جاسکتا ہے۔ لیکن رسول کے اُسوہ سے اگر آپ خود بھاگ کھڑے
 ہوں، اس کو آپ خود مطاع نہ مانیں تو رسول کو رسول ماننے سے
 کوئی فائدہ نہیں۔ یاد رکھئے کہ رسول کی تعلیم کے خلاف شک
 نفاق ہے اور اس کی مخالفت کفر ہے۔

اللہ نے جو دین آپ کو دیا ہے اس کا نام اسلام رکھا ہے
 اسلام کے معنی ہیں آپ کو بالکلیہ اللہ کے حوالے کر دینا،
 اس کی تشریح قرآن نے اس طرح کی ہے ”أَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ
 كَافَّةً“ اللہ کی اطاعت میں پورے کے پورے داخل
 ہو جاؤ۔ یعنی آپ اپنی زندگی کا تجزیہ نہیں کر سکتے، زندگی
 کے ہر شعبہ میں اس دین کی پیروی کرنی پڑے گی۔ کاروبار کریں
 ملازمت کریں، تعلیم دیں، کمپنی کھولیں، گھر میں ہوں یا سو سکیں
 میں، بین الاقوامی امور میں یا ملکی معاملات سب میں اللہ
 کے دین کی پوری پیروی کرنا، اپنے آپ کو اللہ کے حوالے
 کر دینا اسلام ہے اور مسلم وہی ہے جو اس مفہوم میں اسلام کا

حامل ہو۔ اسلامی زندگی سے انحراف مجبوراً ہو سکتا ہے یا
 نفس کے غلبہ کی بناء پر یا حالت کی وجہ سے مثلاً کوئی مضطر
 مجبوراً خنزیر کھالے یا کوئی شخص مہمانِ نفس کی وجہ سے کوئی
 ناجائز حرکت کر بیٹھے یا غفلت کی وجہ سے کسی کا پاؤں غلط
 کے ڈھیر پر پڑ جائے پہلی صورت میں انسان کا فرض ہے کہ
 اس حالت سے نکلنے کی جدوجہد کرے۔ دوسری حالت میں
 انسان کا فرض ہے کہ فوراً توبہ کرے قیصری صورت میں اس کو
 چاہئے کہ جلد سے جلد اپنے آپ کو پاک کرے لیکن اگر وہ غلط
 کے ڈھیر پر اپنا بستہ بچھائے، وہیں اولاد پیدا کرنا شروع کر دے
 وہیں اپنی نسل کو پروان چڑھائے اور اس پر فخر بھی کرے کہ
 ہم نے شیش محل مولا لیا ہے اور آپ بھی اسے قابلِ رشک
 مسلمان سمجھنے لگیں تزیہ ایک غلط فہمی ہے جس سے اپنے
 دماغ کو پاک کیجئے، اس کا غلط ہونا مسلم ہے۔ کوئی غبی ہی ہوگا
 جو اس میں شک کرے۔

ایمان بالکتاب

رسول کے علاوہ خدائے تعالیٰ نے کتاب بھی بھیجی ہے وہ
 حقہ منتہی کی کوئی کتاب نہیں ہے غیر مسلم بھی مانتے ہیں کہ یہ
 آسمان کے پیچے کی ان کتابوں میں سے ہے جن سے دنیا میں
 انقلابِ عظیم برپا ہوا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس نے سب سے
 بڑا اور سب سے زیادہ صالح انقلاب برپا کیا، یہ قوموں کے

لئے عروج و زوال کا پیمانہ بن کر نازل ہوئی ہے۔ اس لئے
 دیکھتے ہی دیکھتے عرب نئی گئی گزری قوم کو دنیا کی قوموں کا
 امام بنا دیا۔ اور دوسری تمام بڑی بڑی قوموں کے فاسد
 تمدنوں کو خربڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اس نے اونٹ چرانے
 والوں کے ہاتھوں سے اونٹوں کی نیکل لے لی اور قوموں کی
 قیادت کی باگ اُن کے ہاتھوں میں دے دی اور انھیں اونٹ
 چرانے والوں میں اس کے فیض سے ایسے ایسے لوگ پیدا
 ہوئے کہ پوری انسانیت کی تاریخ ان کے ناموں سے روشن
 ہے۔ یہ کتاب ہماری زندگی کے ہر گوشے کے لئے ہدایت بنا کر
 بھیجی گئی ہے۔ یہ فرمان الہی ہے۔ واجب الاطاعت ہے۔
 اس میں شک، تغریق اور تفریق کی گنجائش نہیں۔ کوئی مسلمان
 جان بوجھ کر اور ٹھنڈے دل سے اس سے منحرف ہو کر اپنے نہیں
 مسلمان نہیں باقی رکھ سکتا۔ جب تک کہ دم میں دم سے وہ
 اس پر حمارے گا۔ اگر جہالت کی وجہ سے اس سے بھٹک
 جائے گا تو موش آنے کے بعد اس کی طرف لوٹے گا۔ اور
 اگر اس سے زبردستی اس کو دور کر دیا جائے گا تو یہ دوری ایسی
 ہوگی جیسی ایک مچھلی کی تالاب سے۔ وہ بہر صورت اس سے
 علیحدگی پر کبھی راضی نہیں ہو سکتا اگرچہ اس کا سترق سے جدا
 ہو جائے اگرچہ اس راہ میں اُسے سب کچھ کھودینا پڑے۔
 اس کتاب عزیز کے ساتھ ہمارے تعلق کی نوعیت صرف
 یہ نہیں ہے کہ اگر وہ کبھی زمین پر گر جائے تو اُس کے برابر گریں

تول کر صدقہ کر دیا جائے۔ اس کا جزا ان نہایت عمدہ مغل کا ہو۔ ستھری الماری میں اُسے رکھا جائے اور ہر گز سرگزیہ بھی نہیں کہ کوئی مرنے لگے اس پر سورہ یسین پڑھ کر دم کر دیجئے۔ وہ جان بکھالنے کے لئے سہولت کا نسخہ ہی بن کر نہیں آتی ہے۔ بلکہ انسان کے لئے ہدایت اور حیات کا سرچشمہ بن کر آتی ہے سورج تاریک ہو جائے تو جہاں تاریک نہ ہو گا چاند بے نور ہو جائے تو دنیا اندھیری نہ ہو گی۔ ستارے جھڑ جائیں تو انقلاب برپا نہ ہو گا۔ لیکن اگر قرآن جہاں سے غائب ہو گا تو پھر دنیا کو کہیں سے روشنی نہیں مل سکتی۔ ”من لم یحعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور“

یہ کتاب عزیز وہ ہے جو تہذیب و تمدن اور نیکی و سعادت کا سرچشمہ ہے اس ظالم انسان کے جواب میں جس نے کہا تھا کہ ”جب تک یہ کتاب باقی ہے دنیا میں امن قائم رہیں سکتا“ میں یہ کہتا ہوں کہ دنیا کی بڑی سے بڑی تباہی بھی دنیا سے نیکی اور امن و عدل کے آثار نہیں مٹا سکتی۔ اگر یہ کتاب صفحہ عالم پر موجود ہے اُسے جاننا، اس پر ایمان لانا، اس کے مطابق عمل کرنا، اسے نوک زبان کرنا اس کے علم و عمل کو دراشت میں منتقل کرنا، اس کے لئے گردن کٹانا، ہمارے فرائض اور اس کتاب کے حقوق میں سے ہے۔ یہ ہمارے دین کے مسلمات میں سے ہے میں کہہ چکا ہوں کہ ہمارا رشتہ خون کی بنا پر نہیں ہے، اس کتاب کی بنا پر ہے جو اس کو مانتا ہے وہ ہمارا ہے اور ہم

اس کے ہیں۔ اور جو اس سے مخرف ہے نہ وہ ہمارا ہے نہ ہم اس کے
ہیں غلغ و نثرک میں یفخبرک

ہمارے مدرسوں کے امتحان میں کچھ سوالات اختیاری بھی ہوتے ہیں
لیکن قرآن میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اختیاری ہو۔ ہم کو پورا قرآن ماننا
پڑے گا۔ اس کی ایک چیز کا انکار سب کا انکار ہے خواہ وہ چھوٹی سے
چھوٹی ہی کیوں نہ ہو خداوند تعالیٰ ہمارا محتاج نہیں ہے کہ ہم صحنی بھلی اس
کی اطاعت کریں اتنے ہی پر راضی ہو جائے کہ چلو، اگر یہ سو فی صدی پر راضی
نہیں ہیں تو ان سے ۵۰ فی صدی ہی قبول کر لو نہیں بلکہ رسول کو حکم
ملے کہ پورے کا پورا قرآن پیش کریں جسے لینا ہے اُسے پورا لے ورنہ
پورا چھوڑ دے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اہل بردہ نے کس چیز کا انکار کیا تھا؟
صرف زکوٰۃ ہی کا تو کیا تھا! صحابہ کی مجلس میں معاملہ پیش ہوا تو حضرت
ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر انھوں نے ایک بکری کا بچہ بھی دینے سے
انکار کیا تو میں ان سے جہاد کروں گا اور اگر کوئی تیار نہ ہوگا تو
میں تین تہا آٹھ لاکھ کھلوں گا۔ سب صحابہ نے اس سے اتفاق کیا
اس سے ظاہر ہو گیا کہ احکام دین میں ہم کسی قسم کی تفریق و تقسیم نہیں کرتے

حق و باطل کے معرکے میں ہمارا فرض

اسلام کے ساتھ ہماری نسبت ان مسلمات ہی کے تسلیم کرنے سے قائم ہے
یہ بنیادی اصول ہیں جن پر ہم سب مسلمان متفق ہیں۔ ان پر قائم رہنا کچھ آسان
کام نہیں، شیطان کا کام ہی یہ ہے کہ ترغیب سے ترہیب سے اور دنوں میں
و سوسہ اندازی کر کے خدا سے بغاوت کی راہ پر لائے لیکن ہمارا فرض یہ ہے

کہ ہم کم سے کم اتنی ہمت تو دکھائیں کہ شیطان کو دانتوں میں نہ آجائے۔
یہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو بزدلانہ طاغوت کے بالکل حوالے بھی کر دیں؟ دینداری
کا دعویٰ بھی کرتے رہیں۔ خدا سے بھی تعلق رکھیں اور اس پر سے بھی۔ اس پر ایک
لطیفہ یاد آیا کہ کئی تو عرض کر دوں۔ کوئی مسلمان ہوا۔ لیکن اس کے باوجود
جب کسی مندر کے سامنے سے گزرتا تو مورتیوں کے آگے ڈنڈوت بھی کرتا
کسی نے کہا کہ مسلمان ہونے کے بعد یہ حرکت بھی نہیں ہے۔ اس نے کہا بھی
بھار کسی سے اچھا نہیں ہے۔ دین حق میں تسلیم ہے اس رواداری کی گنجائش
نہیں ہے۔ مسیح علیہ السلام نے کہا ہے ”جو ہمارے ساتھ نہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔“
یہی بات اگر انگریز کہنے کی جرأت کر سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں کہہ سکتے !
حق و باطل کی لڑائی دینی و دنیوی اور با و آدم کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔ جنگ
عقلی بھی ہو، اخلاقی بھی ہو، اور مادی بھی ہم ایک ہی تھانہ اللہ اور ہم پر خوش نہیں ہو سکتے
میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ دین مسلمہ مسائل ہیں، کیا مسلمان موجودہ
حالات میں اسلام کے ان مقتضیات کو پورا کر رہے ہیں۔ ہم تو ٹھنڈی سڑک سے
جنت تک پہنچنا چاہتے ہیں حالانکہ حَقِّقَ الْجَنَّةِ بِالْمَسْكَرِ، جنت
ناگوار شدائد سے گھیر دی گئی ہے۔ یہ حضور نے فرمایا ہے۔ ہمیں محالہ جان
مال کی بازی کھیلنی پڑے گی۔ اس طرح کی ()
سہل پسند قسم کی زندگی صرف ایک شکل میں اختیار کی جا سکتی ہے کہ آدمی کو
کوئی اصول نہ ہو لیکن جب کوئی اصول اختیار کیا جائے گا۔ زندگی کی راہ کاموں
سے بھر جائے گی یا تو ہر تیز رو کے پیچھے بھاگئے، یا ایک اصول اختیار کرنے کے بعد
اس کے لئے تن من وھن تنی قربانی پیچھے دو دو مل کر چار ہوتے ہیں۔ اگر آپ
اتنی سی بات بھی مان لیتے ہیں تو حسابِ ست کرنے کے لئے راتوں کو کتنی نیند

خواب کرنی پڑتی ہے۔ اور کتنا قلیل جلا نا پڑتا ہے۔ لیکن اگر آپ کا خیال
 ہو کہ دو اور ذوق کر چار بھی ہوتے ہیں اور چھ بھی، آٹھ بھی ہوتے ہیں اور
 سولہ بھی تو پھر در دوسری کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی غور تو کیجئے جب
 مسلمان اتنے مسلمات مانتا ہے تو اسے کتنا خون جلا نا پڑے گا!

مسلمانوں کے اقسام

اس وقت کے مسلمانوں کا جائزہ لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے
 اقسام بیشمار ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں
 سانپوں کی قسمیں گن سکتے ہیں مگر مسلمانوں کی اقسام شمار نہیں کی جاسکتیں
 ظاہر ہے کہ مسلمان کی اتنی قسمیں نہیں ہو سکتی ہیں مسلمان صرف ایک ہی
 قسم کا ہو سکتا ہے اللہ اور اس کی شریعت کا پابند۔ رسول اور اس کی تعلیمات
 کا فرماں بردار۔ ان مسلمات کا اعتراف اور پھر ان سے بغاوت و معتناد
 باتیں ہیں جن کا افسوس ہی اس زمانہ میں کم لوگوں کو مشور ہے۔
 دنیا کی کوئی قوم بھی اتنے سچے اور یکے اصولوں کو نہیں مانتی جتنے کہ آپ
 ہیں پھر بھی آپ اتنی میٹھی نیند سو رہے ہیں آپ کے دشمنوں کو بھی حیرت ہے جس نے
 بھی کوئی اصول بنایا اسے قریبائیاں لازمی طور پر کرنی پڑیں، دور جانے کی ضرورت
 نہیں جو وہ حالاً پر نظر ڈالئے جس نے کہا جمہوریت ہمارا مسلک ہے۔ دیکھئے کس
 یہود کتنا ہنگامہ اٹھا بعض نے کہا کہ ہم ڈکٹیٹر شپ کے قائل ہیں اور ساتھ ہی
 انھیں جان و مال کی بازی لگا دینی پڑی۔ روس نے نہ جانے کس عالم میں کہا
 تھا۔ کہ فلاح عالم اشتراکیت میں ہے نتیجہ آپ کے سامنے ہے پورے کا پورا
 ملک آپس نہیں ہو گیا۔ نازی ازم اتنی جان نثاری کا مطالبہ کرے اشتراکیت

کے سرکھٹ جانے دشمنوں کی تعداد اس قدر عظیم الشان ہو جمہوریت کی حمایت کے لئے اتنے سر فروش تن من دھن کی بازی لگا رہے ہوں مگر آپ نے اور اس کے دین کو مان کر کتب قدیمہ کی زبان میں پہاڑی کا چراغ اور زمین کا نمک ہو کر ادرقرآن سے خیرالام کا خطاب پا کر آپ کے بستر میں ایک کانٹے کی غلش بھی نہ ہو۔ اور پھر بھی سب حقوق ادا ہوتے رہیں جس راہ پر جا رہیں جلس اور پھر بھی کوئی اصول نہ ٹوٹے، کس قدر اچھے کی بات ہے! موجودہ پڑھے لکھے انسان جو دائرۂ اسلام سے باہر ہیں اور خود کسی اصول کو مانتے ہیں حیرت میں ہیں کہ آپ لوگ کیسے سکھ کی نیند سو رہے ہیں جس کی حفاظت میں اتنا بڑا خزانہ ہوا اس کی یہ بے فکری تعجب انگیز ہے۔

یہ اگر مسلم مقاصد میں اور آپ نے ان کو مانا ہے تو ان کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے پہلے خود انہیں اختیار نیچے پھر اللہ کے ہندوں میں ان کو پھیلانا ان کے لئے گھر سے لے کر باہر تک، رشتہ سے لے کر ملک تک آپ کو ہر جگہ جان جو کھم کا دم کرنا ہو گا۔ موجودہ زمانہ میں لاکھوں ملک کروڑوں کی تعداد میں ایسے انسان موجود ہیں جنہوں نے اپنے باطل اصولوں کی خاطر گھر چھوڑا وطن چھوڑا، اعزہ، خاندان اور قوم سب کو قربان کیا، ایسے انسان ہزار ہا موجود ہیں جو عین دشمن کے ملک میں ہزاروں فٹ کی بلندی سے جست لگاتے ہیں۔ دنیا باطل کے لئے اس جوش و دلولہ کا اظہار کرے مگر صرف حق ہی ایک ایسا مظلوم ہے جس کے لئے چوٹ کھانے والے سینے نہیں ہیں جس کے لئے رگوں کا خون خشک ہو گیا ہے جس کے لئے جیبوں میں مال موجود نہیں ہے اللہ اکبر! کیسا عجیب ماجرا ہے؟ کیا حق کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا اور کیا وہ کسی چیز کا بھی سحق نہیں ہے؟ آج وہ مسلمان جو خدا اور رسول کے اصول

کو اپنا اصول تسلیم کئے ہوئے میں کہاں سوئے ہوئے میں؟ یا تو یہ کہئے کہ یہ مقصد گھٹیا ہے اور اگر گھٹیا نہیں ہے بلکہ تمام مقصدوں میں سب سے ارفع یہی ہے تو بتائیے کہ قیامت کے دن آپ کا کیا جواب ہو گا جبکہ اس آسمان کے نیچے کوئی جماعت آج ایسی نہیں ہے جو حق کو اپنا مقصد بنائے ہوئے ہو؟ صرف کسی جزئی حق کو نہیں بلکہ پورے حق کو کیونکہ ویسے تو دنیا میں کوئی جماعت ایسی نہیں ہو سکتی جس کے مقاصد میں کچھ نہ کچھ حق کے اجزاء شامل نہ ہوں۔ اس کے بغیر تو کوئی جماعت وجود ہی میں نہیں آ سکتی، دنیا میں بھر دبا پل کا وجود ناممکن ہے، ایسا ہونا اس کائنات کے مزاج کے خلاف ہے، ہمارا سوال ایسی جماعت کے لئے ہے جو حق کو بحیثیت مجموعی لے کر اٹھے اس طرح جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم لے کر اٹھے تھے۔

جماعت اسلامی اور اس کے قیام کی غرض

جماعت اسلامی کا قیام اسی مقصد حق کے لئے ہے، ہم ان مسلمانوں کو چھانٹ چھانٹ کر جمع کر رہے ہیں جو اس پورے حق کو لے کر اٹھنے کا عزم رکھتے ہیں اور ان سے ایک جماعت کی تشکیل کر لی ہے اس طرح ہم اسلام کے ان مقاصد ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو صرف جماعتی زندگی میں پورے ہو سکتے ہیں۔ ابھی یہ جماعت کمزور اور ضعیف ہے لیکن اگر کچھ ذرے اکٹھے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان ذروں میں کبھی گرمی و حرارت پیدا کی اور ان میں کچھ صلاحیت پیدا ہوئی تو کیا عجب ہے کہ اس کمزور جماعت کے ہاتھوں دین کی وہ خدمت انجام پائے جو اللہ کو اس کے رسول کو اور تمام مومنین کو سب سے زیادہ محبوب ہے اللہ ہمیں اس

کام کے لئے سفا خام بناوے۔ اختلاف کی گنجائش نہیں ہوگی تو بحث کرنے
 ان امور میں کسی نے لئے اختلاف کی گنجائش نہیں ہوگی تو بحث کرنے
 کے لئے سب کے منہ میں زبان ہو کر حقیقت یہ ہو کہ یہ سلم مسائل ہیں۔ کوئی عجمت
 یہ تھی جو اس مقصد خلاص کے لئے جدوجہد کر رہی ہو، بال سے بال مقصد
 کے لئے عجمتیں ہوں ان کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرنے والے ہوں
 لیکن اس آسمان کے نیچے جو سب بڑا مقصد ہو اسی کے لئے کچھ نہ ہو، کس قدر
 عجم انگیز بات ہے اس مقصد کے لئے کچھ خدا کے مدد سے کئے ہو گئے ہیں
 سمجھانے اور سمجھنے میں ذرا دیر لگے گی، مگر دنیا سمجھے گی ضرور اور اگر
 نیتوں میں خلوص ہے تو جس وقت شیطان اپنی فوج لے کر نکلے گا
 تو ہم اس مبارک ذات کے اسوہ کی پیروی کریں گے جس نے ہزاروں
 غرق آہن جنگجوؤں کے سامنے تین سو تیرہ بے ہر و سامان لاکھڑے کئے
 تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں کے ذریعہ سے حق کا بول بالا کیا تھا۔
 پھر اگر ہم نے حق و جہد میں بازی پالی تو فہو المرد اور اگر دوسری بات ہوئی تب
 تمام راتوں میں ایک حق ہی کا راستہ ایسا راستہ جس میں کامیابی کا کوئی سوا نہیں
 اس میں دل قدم بھی منزل ہو اور آخر بھی، ناکامی کا اس چہرے میں گزری نہیں ہو اس
 مان لینے اور اس جہنم کا غم راسخ کر لینے کی ضرورت ہو پھر اگر تیر سواری لگ گئی تو فہما
 یہ بھی تو چھلکے ملیں گے انھیں سفر ہو گا۔ یہ بھی تو دیاؤں موجود ہیں ان سے چلنے
 پاؤں بھی رہتے آئیں تو ہیں سچ نشان منزل دیکھیں گے۔ انھیں بھی اگر بے نور ہوں
 تو دل کی آنکھ تو جس کی نصرت کوئی سلب نہیں کر سکتا بشرطیکہ ایمان موجود ہو ات
 صلواتی و نسکی و حجابی و صافی باللہ رب العلمین میری نازیبیری قربانی
 بیک زندگی و میری شہادت کے لئے جو تمام جہانوں کا رب پس منٹل کار و دنیا ماہ کا سوال
 جماعے یہاں باطل ایک منہی شے ہے۔

تحریک حکومتِ الہیہ کے موانع و مشکلات بحث و تنقید کی روشنی میں

صاحبِ تفسیر نظام القرآن حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات سے جن خوش نصیب حضرات کو حصہ ملا ہے ان میں مولانا صدر الدین اصلاحی بھی ہیں، جن لوگوں نے ان کے مقالات و تصانیف اور تالیفات و تراجم دیکھے ہیں ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں استعدادِ علمی، صحتِ فکر اور بصیرتِ دینی سے کس طرح نوازا ہے۔

پیش نظر کتاب کے گزشتہ اوراق اس حقیقت پر شاہِ عادل ہیں کہ ہر گروہ اور ہر مسلک کے علماء و زعماء اور مفکرین و محققین کے نزدیک مسلمانوں کا نظامِ حیات اور دستورِ حکومت وہی ہے جو انھیں اللہ و رسول سے ملا ہے، لیکن یہ کتنا المناک اور درد انگیز واقعہ ہے کہ ایک طرف تو

مسلمان اپنا یہ عقیدہ بتاتے ہیں اور فی الحقیقت مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے۔ لیکن دوسری جانب وہ اپنے قول اور عمل دونوں سے اس عقیدے کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اس عقیدے کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کی تمام مصروفیتیں اور سرگرمیاں۔ اور تمام کوششیں اور قربانیاں الہی حکومت کے قیام اور اسلامی نظام کے احیاء کے لئے وقف ہوتیں۔ لیکن ان کی تمام جدوجہد غیر الہی حکومت اور غیر اسلامی نظام کے حصول و قیام کی راہ میں صرف ہو رہی ہیں۔ اگر ان کو حکومت الہیہ کے قیام اور نظام اسلام کے احیاء کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ محض تصور و تخیل ہے جو شرمناک عمل نہیں ہو سکتا۔ موجودہ وقت اور ماحول میں صحیح طریقہ کار وہی ہے جس پر ہم عمل کر رہے ہیں۔

یہ بات اگر محض عوام کہتے جب بھی کچھ کم افوس ناک زحمتی، لیکن جو حضرات علم و فضل اور عزم و عمل میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اور وہ زعماء و قائدین جن کی قابلیت و استعداد کا مسلمان کلمہ پڑھ رہے ہیں وہ بھی یہی بات کہتے ہیں تو قلعی کے ساتھ تعجب بھی ہوتا ہے کہ ان کے علم و یقین کو کیا ہو گیا؟

مولانا صدر الدین نے مجلہ ”ترجمان القرآن“ جالوچ (پنجان کوٹ) میں فریقہ اقامت دین کے عنوان سے ایک فکر انگیز اور نثر فیز مقالہ لکھا ہے اور وقت اور ماحول سے

پیش نظر تحریک حکومت الہیہ اور اقامت نظام اسلام کی راہ میں جتنے موانع و مشکلات بتائے جاتے ہیں ان سب کا جائزہ لیا ہے اور فکر و نظر - عقل و بصیرت اور کتاب و سنت کی روشنی میں ان سب کو بے حقیقت اور ناقابل انتفاع ثابت کر دیا ہے۔ اس مقالے کے بعض حصے یہاں دئے جا رہے ہیں۔ مولانا یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اقامت دین کی جدوجہد امکان و عدم امکان کی بحث سے بالاتر ہے فرماتے ہیں:-

اسلام اور اقامت دین کا تلام | اس تقریر سے، جو اوپر گزرجی، صرف ان اتنا ہی نہیں ثابت ہوتا کہ اقامت دین کی جدوجہد، امکان و عدم امکان کی بحث سے بالاتر ہے اور اس کو طوعاً یا کرہاً ہر وقت، ہر ماحول اور ہر حالت میں جاری رکھنا چاہئے، بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر حالات کے اندازے اس جدوجہد کی ناکامی کا یقین دلاویں جتنی کہ اگر کوئی اپنی آنکھوں نوشتہ الہی میں اس ناکامی کو مفقود دیکھ لے تو بھی اس کو اس ”سچی“ میں جو اس کے نزدیک لا حاصل ہے، لگے ہے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ یہ دنیا کی عام تحریکوں اور اسکیموں کی طرح کی کوئی تحریک اور اسکیم نہیں ہے کہ اگر اس کی کامیابی کے ذرائع مفقود اور امکانات ناپید نظر آئیں تو اس کو ترک یا ملتوی کر دینا جائز اور ممکن ہو سکے، نہ مسلمانوں کے سر پر یہ کوئی اوپر سے چسکی ہوئی چیز ہے کہ جائز قبول کر لیا اور جب چاہا اس کو اپنے پروگرام سے

خارج کر دیا بلکہ ایک شخص کے مسلمان ہونے کا لازمی تقاضا ہی یہ ہے کہ اس نے اس دین کی اقامت کے لئے اپنے کو وقف کر دیا ہے۔

اللہ پر ایمان لانے اور حق سے محبت کرنے کا فطری مطالبہ ہی یہ ہے کہ جو چیزیں خدا کو محبوب ہوں اور جو باتیں حق ہوں، انسان ان کو اپنے گمزدوش زندہ اور کار فرما دیکھے اور اس کے لئے ہمہ دم کوشاں رہے اور ہر اس چیز کو مٹا دینے کے لئے تیغ بکف نظر آئے جو خدا کو ناپسند اور باطل ہوں، چنانچہ اوپر ہم واضح دلائل کے ساتھ یہ بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح آگ اور پانی کا اتحاد ممکن نہیں اسی طرح ایمان اور منکرات میں مصانعت ممکن نہیں۔ پس یہ جدوجہد اسلام سے علیحدہ اور اس پر زائد کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی غنیمت روح اور حرکت قلب ہے۔ اگر کسی جاندار کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ زندہ تو ہو مگر اس کے قلب میں حرکت نہ ہو تو یقین رکھئے کہ کسی انسان کے بارے میں بھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ہو تو وہ مومن مگر اقامت حق کی تڑپ سے اس کے دل و دماغ خالی اور عملی جدوجہد سے اس کے دست و بازو آشفاتہ ہوں۔ اس تڑپ اور جدوجہد سے محروم ہو کر یعنی اس مقصد زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر کے مسلمان کا وجود ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ یہی وہ سنگ بنیاد ہے جس پر اسلامیت کا قصر تعمیر ہوتا ہے۔ اگر یہ پتھر نیچے سے غائب ہو جائے تو پھر اس قصر کا وجود ہی ممکن نہیں۔ چنانچہ اہل کتاب کے متعلق جنہوں نے اس مقصد زندگی کو فراموش کر رکھا تھا، قرآن نے صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک تم توراۃ اور انجیل کو قائم نہ کرو،

تم کسی اصل پر نہیں ہو اور تمہارا ملی وجود ایک وجود مہیوم کے سوا کچھ نہیں، لکن علیٰ شبہی محقق تَعْلیمِ التَّوَدَّاعِ وَالْاَلْحِیٰی وَمَا اَنْزَلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ۔ اس لئے یہ کہنا کہ اس زمانہ میں امت دین نامکن ہے گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمان ہونا ممکن نہیں، اور حالات زمانہ کی ناسازگاری کے پیش نظر اقامت دین کی جدوجہد کو ترک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خود اسلام ہی سے دست برداری کی ٹھان لی جائے۔

غلطی افکار کا منبع | بظاہر یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوگی اور کہتے ہی "ذکی الخس" لوگوں کو لو اس میں خارجیت کی بوجھوس ہونے لگے گی لیکن دراصل یہ استعجاب و استنکار اس غلط ذہنیت کی پیداوار ہے جس نے کامیابی اور ناکامی کا مفہوم ہی الٹ کر رکھ دیا ہے اور جس کو یہ نہیں معلوم کہ فریضہ اقامت دین کے معنی کیا ہیں۔ ہا اگر یہ ذہنیت تبدیل کرنی جائے اور اس کو صحیح اسلامی قالب میں ڈھال لیا جائے تو پھر نہ تو خطرات و مشکلات کا تصور اس کو پریشان کرے گا۔ نہ امکان اور عدم امکان کا سوال پیدا ہوگا۔

ہماری اصل ذمہ داری | جب یہ کہا جاتا ہے کہ دین کی اقامت ہم پر فرض ہے تو اس کا مطلب بالعموم یہ لیا جاتا ہے کہ زمین پر دین یعنی الہی نظام زندگی کو بالفعل قائم اور نافذ کر دینا ہمارا فرض ہے، حالانکہ جو چیز ہم پر فرض ہے اور جسے ہم سے اللہ تعالیٰ کے یہاں باز پرس ہوگی وہ دین کو قائم کر دینا نہیں ہے بلکہ اسکو

قائم کرنے کی امکانی جدوجہد کرنا ہے۔ اسی طرح کامیابی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہماری تگ و دو لازماً ایک خالص اسلامی اسٹیٹ قائم کر دینے پر منتج ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے بلکہ درحقیقت یہی ہے کہ ہم اس راہ میں اپنی جانفشانی، قربانی، فدایت اور سعی و جہد کر دکھائیں جو ہمارے بس میں ہو۔ جس نے یہ کر لیا وہ اپنے مقصد زندگی کو پورا کر گیا اور اپنے دشمن میں ہر طرح کا میاب رہا اگرچہ ایک شخص بھی اس کی بات نہ مانی ہو اور ایک ذرہ زمین پر بھی وہ دین حق قائم کر دینے میں کامیاب نہ ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر اتنا ہی بوجھ ڈالا ہے جتنا وہ اٹھا سکتا ہے۔ لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا اِكْلًا وَ سَعْيًا۔ اس نے کسی انسان کو ایسی بات کی تکلیف نہیں دی ہے جو اس کی فطری صلاحیتوں اور قوتوں سے زائد ہو۔ مثلاً اس نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو مگر اس کا یہ مطالبہ ہماری فطری استطاعت سے بڑھ کر اور غیر محدود نہیں ہے بلکہ اسی حد تک ہے جتنا انسانی فطرت کے بس میں ہے، چنانچہ فرمایا:۔

إِنْفِقُوا لِلَّهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ خِفَتْهُ (تفاسیر ۲)

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جہاں تک تمہارے بس میں ہے۔
مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اعداد و دین کا مقابلہ کرنے اور ان کا زور و کوفہ کے لئے تیار رہیں مگر ان سے یہ مطالبہ نہیں کیا گیا ہے کہ جس طرح بھی ہو یکے دشمنوں کی قوت جنگ کے برابر قوت فراہم کریں بلکہ صرف اتنا کہا گیا ہے اور اتنا ہی ان پر واجب کیا گیا کہ:۔
اعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ الخ (انفال ۸)
دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اتنی قوت تیار کر رکھو جتنی تم کر سکتے ہو۔

ان آیات سے جو اصول ہاتھ آتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری حدود استطاعت سے محدود ہے پس اقامت دین کے معاملہ میں بھی حالات زمانہ، مشکلات راہ نامائز گاری ماحول، قلت ذرائع، ان سب چیزوں کا الادس انسان کو ملے گا اور ان کے لحاظ سے مختلف انسانوں کی کوششوں میں نمایاں تفاوت ہو سکتا ہے اور ہونا چاہئے۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے روئے صرف اسی حد تک جوابدہی کرنی پڑے گی جس حد تک اس کو جدوجہد کرنے کی طاقت میسر ہے اگر ایک شخص کو سامان کار اور ساز گاری ماحول نصیب ہے لیکن اس نے اپنی طاقت سے بال برابر سعی کم جدوجہد کی تو یقیناً اداسے فرض کی کوتاہی کا مجرم قرار پائے گا خواہ ظاہری نتائج کے اعتبار سے اس راہ میں وہ دوسروں سے کتنی آگے کیوں نہ نکل گیا ہو، بخلاف اس کے اگر ایک انسان نے اپنی تمام ممکن کوششیں صرف کر ڈالیں لیکن سروسامان کار کے ناپید اور حالات کے ناموافق ہونے کے باعث آخر تک منزل مقصود کی طرف منہ کئے ہوئے وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا جہاں سے اس نے اپنی مہم کا آغاز کیا تھا تو وہ ہر طرح سے اپنے فرض کو ادا کر گیا۔ غرض انسان کو چاہئے کہ جن حالات میں جیسی کچھ قوت بھی حاصل ہوتی چائے اپنی جدوجہد کا دائرہ اسی لحاظ سے تنگ یا وسیع کرتا رہے۔ اس چیز کو ایک عام مثال سے سمجھئے۔ نماز انسان پر فرض ہے اس میں قیام و رکوع و سجود بھی فرض ہیں۔ ایک شخص اگر قیام پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز نہیں ہوتی، اور اگر کسی واقعی مجبوری

کی وجہ سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور دو رکعتیں پڑھ چکنے کے بعد ہی اس کی مجبوری دور ہو جاتی ہو اور اب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر ہو گیا ہو لیکن اس کے باوجود بیٹھا نماز پڑھتا رہے تو اس کی نماز نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جیسے ہی اس کو زوال غدر اور قدرت قیام کا احساس ہو، فوراً کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ بالکل یہی حال اقامت دین کی جدوجہد کا بھی ہے جس شخص کو جس وقت جتنی قوت و سہولت اس وقت اتنی قوت صرف کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس سے زیادہ کا وہ مکلف نہیں اور نہ اس سے کم میں اس کی خیر ہے۔ زمین پر مکمل طور پر اللہ کے دین کو بالفعل قائم اور نافذ کر دینا ایک آخری غایت (Goal) ہے۔ جہاں تک پہنچنے کی ہر مسلمان کو دعوت دی گئی ہے، مگر وہاں بہر صورت پہنچ جانا واجب نہیں قرار دیا گیا ہے، جو کچھ واجب ہے وہ یہ کہ اس گول کی طرف اتنے قدم آگے بڑھتے بڑھ سکتے ہو۔

اس سلسلہ میں یعنی فریضہ اقامت دین کے سلسلہ مفاد ملی کا بت | میں ہمارے لئے سب سے زیادہ حیران کن جوتے ہے وہ مفاد ملت کے نقصانات کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو

”كُونُوا قَوْمًا مِّنْ بَالِغِ سَطْرِ شَهَادَةِ اَعْلَىٰ وَلَوْ عَلَىٰ
الْفَيْسِكُمْ اِلَّا لَوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِينَ“ (ن-۲۰)

قطب پر (بہر حال میں) مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے حق کی شہادت دینے والے بنو اگرچہ اس (قطب پر قائم رہنے اور اس شہادت حق) کی

زود خود تھمارے ہی اوپر یا تمھارے والدین یا اقربا ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو؟
کی تعلیم دی گئی تھی اور جس کے متعلق طے کر دیا گیا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ اشَدُّ رِیْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسُهُمْ
وَاَمْوَالُهُمْ بِاَنَّ لَہُمْ الْجَنَّةَ (توبہ - ۱۲)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے۔

اب اس کو اس امر کی تلقین کی جا رہی ہے کہ تو حق اور عدل و قسط کی

راہ چھوڑ دے اگر اس کے اختیار کرنے میں تیری قوم کا نقصان ہوتا ہو اور
خدا کی رضا جوئی کو دو پھینک دے اگر اس سے تیری جان و مال پر آنچ
آتی ہو، آخر مفاد ملت کے نام پر اقامت دین کے فرض سے ہاتھ اٹھا
کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اب مسلمان کی نگاہ میں مرکزی
اہمیت دین اور قیام دین کو نہیں بلکہ اس کے اپنے معاشی و سیاسی
مفاد کو حاصل ہو گئی ہے، اب وہ کوئی ایسا طریق کار نہیں اختیار کر سکتا
جس میں کلمہ حق کی سرمدی اور مطابقت دین کی بجائے آوری تو ہو مگر اپنے
یا اپنی قوم کے مفاد خطرے میں پڑتے ہوں، اس کو چاہئے کہ دین کو
دنیا پر، آج کو عاجلہ پر، معاہدہ کو معاش پر، رضائے الہی کو مفاد قومی پر
شہادت حق کو مقاصد سیاسی پر، اقامت دین کو مصالح ملی پر یعنی مقصد
زندگی کو زندگی پر قربان کر دے۔ العیاذ باللہ، یہ ذہنیت ہے آج ہم
مسلمانوں کی اور یہ انداز فکر ہے پیروان قرآن کا جس پر کفر اور تکوید
بھی عیش و عشرت کراٹھے۔ ہم اس نظریہ کے واضعین اور عاملین سے اس
کے سوا کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ

”کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔ تم خدا اور دولت

دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے“ (حضرت مسیح)

اس نظریہ کے ساتھ خدا پرستی کا جو کلمہ بھی نہیں لگ سکتا۔ جس مفاد قومی کا آپ شوریٰ جاسا ہے۔ وہ ایک خطرناک بات ہے جس کو توڑے بغیر اسلام کا مفاد پورا نہیں کیا جاسکتا۔

زمانہ نبوت میں منافقین کا نقطہ نظریہ تھا اور ان کے نفاق کی بنیاد اس چیز پر تھی کہ نَخْشَلِیْ اِنْ نَّصِیْبُنَا ذَا السِّرَّةِ۔

ہم کو ڈسے کہ اگر ہم کلمہ کھلا اور کیو ہو کر اسلامی جماعت میں شامل ہو گئے تو ہم کو مصیبتیں گھیر لیں گی اور اسلام کی وجہ سے ہم سارے جہاں کی عداوتوں کا نشانہ بنیں گے۔ اسی طرح بہت سے کافروں کا بھی کہنا یہ تھا کہ محمد! تمہارے باتوں کی صحت و صداقت کا ہم انکار نہیں کرتے مگر:

اِنْ تَتَّبِعِ الْاَھْلَیْ مَعَاکَ نَخْطِفَنَّ مِنْ اَرْضِنَا۔

اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت الہی کی پیروی کر لیں تو فوراً اپنی مادر وطن سے مار کر نکال باہر کر دے جائیں گے۔

یہ دونوں گروہ اتباع حق کے بارے میں جس طرز فکر و استدلال سے کام لے رہے تھے کیا وہی طرز فکر و استدلال آج بھی مفاد قومی کے نعروں کے پیچھے کام نہیں کر رہا ہے؟ قرآن سراپا حق ہے، پیغمبر صادق و مصدق ہے۔ اتباع اسلام ہی ذریعہ نجات و فلاح ہے، لیکن اگر قرآن کے مطالبے، رسول کے فرمان اور اسلام کے اصول و مقتضیات پر عمل ہوا تو ہم برباد ہو جائیں گے، ہم کو اندیشہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ زمانہ بھر کی آفات و بلیات ہم پر ٹوٹ پڑیں گی، ذرہ ذرہ ہماری مخالفت پر کمزور ہونے لگے گا اپنی مادر وطن کو اگر زیری کے قبضہ میں رہنے دیں گے یا آزاد

وطن کے اقتدار میں دے دیں گے اور ہم خود غلام اور اچھوٹ، مفلس و پسماندہ اور خدا جانے کیا کیا ہو جائیں گے! کاش مسلمان اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کو ایسی کھلی ہوئی تجتیں دینے سے قبل ذرا شوخ لیٹے کہ ہم اپنی زبانوں سے کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ تو مفاد قومی کا بچانا نہیں ہے بلکہ اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا ہم اس نصب العین کیلئے پھیر کے راستے | براہ راست جدوجہد کرنے کے بجائے کوئی پھیر کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ سو اس کے متعلق تجربہ اور عقل دونوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ یہ طرز عمل ہر اس غلط اور ناکام ہے، اور حق کی فطرت بھی اس ابا کرتی ہے۔ اب تک کی تاریخ یہی بتلاتی ہے کہ جن لوگوں نے بھی اس مقصد کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا ہے ان میں سے کسی نے بھی یہ پالیسی اختیار نہیں کی۔ متمدن یا غیر متمدن، آزاد یا غلام، دولت مند یا مفلس غرض جس قسم کی قوم کے اندر بھی کوئی داعی حق اور علم بردار قیام دین آیا اس نے سب سے پہلی آواز جو منہ سے نکالی وہ یہی تھی کہ ”اے بندگان خدا! خدا کی بندگی اور طاعت سے اجتناب اختیار کرو ہم تفحص کے باوجود کسی بنی کو اس پالیسی سے ہٹ کر کوئی دوسری پھیر والی پالیسی اختیار کرتے ہوئے نہیں پاتے۔ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ ابھی اس سوال کو چھوڑ دیجئے، پہلے اس حقیقت کو پوری جستجو اور تنقید کے ساتھ پرکھ لیجئے کہ ایسا ہی ہوا یا نہیں؟ اگر ایسا ہوا اور یقیناً ہوا، تو پھر ان لوگوں کے لئے جو اسوۂ انبیاء کی کو اپنا مرجع کل ماننے کے مدعی ہیں، اس طریق کار کو ترک کرنا جانز کسی حجت شرعی کی بنا پر ہو سکتا ہے؟ اگر حالات زمانہ کے اختلافات

کوئی چیز میں تو کیا اس بات کا رد بھی کیا جاسکتا ہے کہ تمام انبیاء کے
 زمانہ اے بعثت تو بالکل یکساں نوعیت کے تھے، جس کی وجہ سے ان
 سب کے طرز عمل میں اتنی کامل یکسانی اور مماثلت پائی جاتی ہے اور
 یہی بیویں صدی کا ایک ایسا انوکھا اور غیر معمولی زمانہ ہے جس کے
 حالات یکا یک اب تک کی پوری تاریخ انسانی کے حالات سے بالکل
 مختلف ہو گئے ہیں ظاہر ہے کہ اس طرح کا دعویٰ کوئی بھی عاقل نہیں
 کر سکتا اور سب جانتے ہیں کہ کچھ غیر متغیر حقائق تو ایسے ہیں جو تمام زمانوں
 میں مشترک رہے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے مگر عوارض و ظواہر اور احوال
 و ظروف ہر دور کے الگ الگ ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے
 رہیں گے، اس لئے اگر ان ظاہری خصوصیات کا لحاظ کیا جائے تو
 جس طرح آج کا زمانہ پہلی صدی ہجری سے مختلف ہے۔ اسی طرح
 پہلی صدی ہجری کا زمانہ دور عیسوی سے اور دور عیسوی دور موسوی
 سے بھی مختلف تھا، اس لئے اگر اختلاف احوال کے باوجود تمام انبیاء نے
 متفقہ طور پر ہمیشہ براہ راست جدوجہد کی پالیسی اختیار کی تو اس اختلاف
 کے باوجود بھی، جو ہمارے زمانہ اور پچھلے زمانوں میں بظاہر نظر آتا ہے
 ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ یہی پالیسی اختیار کریں۔
 کیونکہ اس کام کے لئے کوئی دوسرا طریقہ کبھی آزمایا ہی نہیں گیا۔ اور تمام
 انبیاء کا اسی طریق کار کو اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس
 جدوجہد کا مزاج ہی اسی قسم کا ہے کہ اس کے لئے براہ راست اقدام
 کیا جائے۔ یہ دلیل یقین سے بڑھ کر ہم کو حق یقین اور عین یقین کی
 حد تک پہنچا دے سکتی ہے اگر ہم اس چیز کو سامنے رکھ لیں کہ بعض انبیاء

کو پھیر کی پالیسی اختیار کرنے کے بہتر سے بہتر مواقع ہاتھ آئے مگر انہوں نے پوری صفائی کے ساتھ ان کو ٹھکرا دیا۔ یہ الانبیاء صلعم کے سامنے قریش نے یہ پیش کش کی کہ آپ کو ہم اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اس کے لئے ہم آپ سے یہ مطالبہ بھی نہیں کرتے کہ آپ اپنی "دعوت توحید" سے دست کش ہو جائیں، آپ سے ہماری صرف اتنی گزارش ہے کہ آپ ہمارے بتوں کو برائے اور ہمارے جذبات کو ٹھیس لگانے سے باز رہیں۔ غور فرمائیے کہ آج کے اہل یاس و تدبیر کے نقطہ نظر سے یہ کتنا اچھا اور مغتنم موقع تھا کہ رسول اللہ اس پیشکش کو قبول فرما کر ایک طرف تو ان مصیبتوں اور فتنوں کا خاتمہ کر لیتے جو ان کی اور ان کے پیروؤں کی زندگی اجیرن کئے ہوئے تھے، دوسری طرف تحت حجاز پر قابض ہو کر حکمت و تدبیر اور مصلحت شناسی کے ساتھ اپنے حاکمانہ اثر و اقتدار سے کام لیتے ہوئے تدریجاً اپنی منزل مقصود کی طرف مار بیج کرتے اور رفتہ رفتہ دین حق کو مملکت حجاز و عرب پر قائم کر دیتے۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ پیغمبر عالم نے اس "مغتنم" موقع پر کیا طرز عمل اختیار کیا اور اس پیش کش کا کیا جواب دیا؟ یہ کہ "خدا کی قسم اگر میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دے جائیں تو بھی میں اپنی دعوت حق اور اپنے طریق کبار سے باز نہ آؤں گا۔" یہ کسی یرجوش اور باؤف الدماغ انقلابی نوجوان کے الفاظ نہ تھے بلکہ اس معلم حکمت اور رازدان حقیقت کے الفاظ تھے جس کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ اس کے دل اور زبان پر براہ راست خدا کی نگرانی قائم تھی اور جس نے کبھی کوئی بات جذبات کے میحان میں نہیں کہی۔ اس لئے

ایک مومن کا ذہن تو اس وہم کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دے گا کہ آنحضرتؐ نے اس موقع اور اس طریق کار کے ہاتھ آتے ہوئے بھی عداً ان کو ترک کر دیا جو حصول مقصد کے لئے براہ راست جدوجہد سے زیادہ موزوں اور کارگر تھے۔ یا یہ کہ ان میں۔ نعوذ باللہ درحاضر کے مدبروں کی اتنی بھی انجام بینی نہ تھی اور نہ یہ صلاحیت تھی کہ احوال و ظروف زمانہ کے مطالبات و مقتضیات کا اندازہ کر سکتے اور وقت و احوال کی مصلحت سے اس پالیسی کو قبول کر لیتے۔

اب ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انبیائے کرام کے اس اسوے اور متفقہ طریق کار کے ہوتے ہوئے ہم کو کس اسوہ اور لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔ نظری حیثیت سے بھی دیکھئے تو اس طرز فکر اور اس نظریہ میں بے بنیاد وہموں اور طفلانہ خوش گمانیوں اور خود فریبیوں کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ پھیر کے راستے اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حق کو باطل نما بنا کر پیش کیا جائے اور جس باطل میں آپ پڑے ہوئے ہیں اس سے نکل کر حق کی طرف بھاگنے کے بجائے ایک دوسرے باطل کے سایہ میں جا کھڑے ہوں کیونکہ اگر آپ موجودہ باطل ماحول کو دہم کر کے ایک ایسا ماحول قائم کریں جو حق نہ ہو تو لازماً باطل ہی ہوگا۔ جس کا رنگ و روغن تو نیا ہو گا مگر فطرت بہر حال وہی ہوگی جو موجودہ باطل کی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم اس پر اثر ڈال کر اپنے غضب العین کے لئے زیادہ سازگار بنائیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ دنیائے عمل میں اس خام خیالی کی کوئی قیمت نہیں، باطل کبھی حق کا سازگار نہیں ہو سکتا۔ اور اس میں حق کے جو پیوند آپ ہزار دقت لگائیں گے وہ آپ کے

مقصد کے لئے خالص باطل اجزاء سے زیادہ ہی مفید ثابت ہو گا۔ دور نہ جائیے اسی ہندوستان میں بہت سی "اسلامی ریاستیں" قائم ہیں جن میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کا آپ آئندہ نظامِ ملکی میں جوڑ لگانا چاہتے ہیں، مگر وہاں اقامتِ دین کا نام ہی لے کر دیکھتے ہیں جیل کا دروازہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائیں گے۔ آپ اپنی اس جدوجہد میں غیر ملکی حکومت ہی کو مدد راہ سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس کے ساتھ جانیکا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر آپ شاید بھولتے ہیں کہ حضرت مسیح کے مشن کے متعلق رومی اقتدار ابھی خاموش ہی تھا کہ ان کی اپنی ہی قوم یا یوں کہئے کہ اس وقت کے "مسلمانوں" ہی نے بڑھ کر اس مشن کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر اپنی حال ہی کی تاریخ پر نظر ڈالئے۔ شیخ عبدالوہاب نجدی کی تحریک کا متعلقہ "اسلامی حکومتوں نے کس تیاک سے استقبال کیا، شیخ جمال الدین افغانی نے ایک جزئی دینی تحریک کا نام لیا اور آپ کی انہی موجودہ اسلامی حکومتوں نے ان کو رہنے کیلئے جگہ دینے سے انکار کر دیا۔ اور اگر آج بھی کسی کو ہمت ہو تو ان محالک میں جا کے یہ آواز اٹھا کر قدرِ عافیت معلوم کر سکتا ہے۔

درحقیقت یہ دفع الوقتی کی باتیں ہیں اور یہ نظریہ اسی ذہنیت کی پیداوار ہے جس نے قرآن کے احکام و مطالبات کی "ناسازگار لو" سے گھبرا کر مطالبہ کیا تھا کہ "اس کے بجائے کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اسی میں کچھ ایسی ترمیمیں کر دیجئے جو زمانہ اور ماحول سے ہم آہنگی پیدا کر سکیں" اس طرز پر سوچنے والوں کی نگاہ شاید اس طرف نہیں جاتی کہ دنیا کے جو ہنگامے آج ہیں، کل بھی رہیں گے اور جو مصالح اور مشکلات

آج ان کا راستہ روک رہی ہیں۔ آئندہ بھی ان میں کوئی کمی رونمانہ ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ پھیر کی راہ اختیار کرنے کے اسباب و محرکات نہ کبھی ختم ہوں اور نہ اقامت دین کے لئے کبھی براہ راست جدوجہد کی جائے۔

گرفتار ان یاس دائمی | تیسرا گروہ جو کچھ کہتا ہے اور اس کے نظریات اور دلائل کی جو فہرست ہے، اس کا بڑا حصہ تو وہی ہے جو دوسرے گروہ کی زبانی گذشتہ بحث میں آپ سن چکے ہیں۔ اس لئے ان کو دوبارہ نقل کرنے اور ان کی قطعی واضح کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بعض جیشوں سے یہ لوگ ان کی بہ نسبت ایک قدم آگے ہیں اور ترک فرض اور فراموشی عہد کی جو بیماری دہاں سیاسی تدبیر اور زمان و مکان کی مصلحتوں کے پردوں میں چھپا دی گئی تھی، یہاں صاف گوئی اور "جرات" کے ساتھ علانیہ نفی ہر کر دی گئی ہے اس لئے ان لوگوں کے ظاہر و باطن کی یک رنگی کا ہم اعتراف کرتے ہیں۔ گو اس قلت حیاے ایمانی کا احساس دل پر چوٹ لگاتا ہے جو اس اظہار "جرات" کے نیچے کام کر رہی ہے اور کچھ ایسا محسوس ہوتا، کہ گویا ان لوگوں نے اپنے جسم سے کپڑے اتار کر پھینک دیئے ہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کتنوں نے بہ جراتی ہو س و بیداری کے عالم میں کی ہے اور کتنوں نے غفلت و بے ہوشی کی حالت میں؟ ایک طرف اقامت دین کی اس اہمیت کو سامنے رکھئے کہ اسلام اور قیام دین کی سعی و جہد میں باہم وہی تعلق ہے

جو ایک زمرہ انسان کی زندگی اور اس کی حرکت قلب میں ہے جیسا کہ ہم اوپر دلائل کی روشنی میں واضح کر چکے ہیں، پھر اس کے بعد ان لوگوں کی ان — بظاہر عاجزانہ مگر فی الواقع باغیانہ — باتوں کا گہری نظر سے تجزیہ کیجئے کہ یہ ”نصب العین“ ہے تو بالکل برحق، مگر ہم جیسے کمزور لوگوں کے بس کا یہ کام نہیں ہے۔ جس مشن کو پیغمبر کی تربیت یافتہ جماعت بھی تیس برس سے زیادہ نہ چلا سکی اس کے لئے ہم جیسے ضعیف الایمان لوگوں کا دم خم دکھانا تقدیر سے لڑنا ہے۔ اب وہ زمانہ واپس نہیں آسکتا جو تیرہ سو برس پہلے گزر چکا ”توقع ہے کہ اس تجزیہ سے آپ پر بھی وہی حقیقت منکشف ہوگی جو ہم کہنی چاہتے ہیں۔ جب اقامت دین کی جدوجہد سے برضا و رغبت کن رہ کٹس ہو کر، اور باطل کے مقابلہ اور منکرات کے ماحول میں عدم مداخلت اور صلح کل کی پالیسی اختیار کر کے انسان پیروان اسلام کی صف پائین میں بھی جگہ نہیں پاسکتا اور اللہ کے رسول نے ایسے انسان کو ایمان کے آخری ذرے سے بھی محروم قرار دیا ہے تو بڑی سے بڑی کمزوری اور مایوسی بھی اس فرض کی انجام دہی سے اکاملاً کے لئے بے تعلق نہیں کر سکتی اور اگر کہیں یہ بے تعلقی ہے تو وہاں کسی کمزور سے کمزور ایمان کی تلاش بھی بے سود ہے۔ اسلام نے اپنا کوئی ایسا ”سٹانڈیشن“ شائع نہیں کیا ہے جس کے تحت اس ”دم خم دکھانے“ اور ”تقدیر سے لڑنے“ سے نجات ممکن ہو۔ وہ شخص دعوہ میں ہے جو یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ اس لازماً ایمانی سے بے بہرہ رہ کر بھی ایمان ورھا ابھی کی کوئی مقدار حاصل کی جاسکتی ہے۔

بانی خلافت کی غیر متعلق سبقت | ان لوگوں کے فکر و عمل کی بنیادوں میں سب سے

زیادہ اہمیت اور مرکزیت جس چیز کو حاصل ہے اور جس کا گزشتہ مباحث میں ابھی ایک تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز معاہدے یا تحوں ابھی نہیں برس سے زیادہ نہ قائم رہ سکی اس کے لئے کوئی سعی بالکل لاعلمی ہے۔ یہ ایک اہم ناک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی اور دل شکستگی کا زہر پیدا کرنے میں اس فقرہ نے جتنا مؤثر پارہاں کیا ہے، اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس حقیقت کی اہمیت کی جامع اور پاک اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ جس چیز کو بنیاد قرار دیکر اقامت دین کے فرض کو ساقیہ سمجھا گیا ہے، اس کا اس فرض کی ادائیگی سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ ذرا سوچئے تو ہسی کہ کسی نظریہ کسی اصول اور کسی نصب العین پر ایمان لانے کا دعویٰ کرنا اور ساتھی اس کے اتباع سے اور اس کے مقتضیات ادا کرنے سے اس بنیاد پر الگ کر دینا کہ اس نصب العین کو بھی زمانہ دراز تک برقرار نہیں رکھا جاسکا، اپنے اندر معقولیت کا کوئی ثبوت رکھتا ہے؟ اس سے بڑھ کر قول و عمل کے تضاد کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟ سوال یہ ہے کہ آپ نے اس نئے کو اس لئے اپنا مقصد زندہ کیا ہے کہ وہ فی نفسہ حق ہے اور اس کی حقانیت کا علم یقین اس کو اپنانے پر مجبور کر رہا ہے یا اس کا کوئی دوسرا سبب ہے اگر کوئی دوسرا سبب ہے تو پھر آپ سے نہ کوئی مطالبہ ہے نہ آپ پر کسی جدوجہد کے ترک کرنے کا الزام، لیکن اگر پہلی بات ہے۔ جیسا کہ توقع کی جانی چاہئے، تو ایک کافر بھی آپ کو یہ طرز اثرات

اختیار کرنے میں حق بجانب نہیں قرار دے سکتا، تیس اور چالیس برس تو نہیں اگر ایک دن بھی یہ مشن کامیابی کے ساتھ نہ چل سکا تو اس سے آپ کی ذمہ داریوں میں ذرہ بھر بھی تخفیف نہیں ہو سکتی۔ اس کیلئے سردھڑکی بازی لگائیے، اس لئے کہ آپ نے اس کو حق کہا ہے اور اس کی صلیب داری کا دعویٰ کیا ہے، یہ دیکھنے کی گنجائش کہاں ہے کہ اس راہ میں کس نے کیا کیا اور کب کیا گیا؟ آپ کے فرائض کی تعین وہ نصب العین کرے گا جس کو حق سمجھ کر آپ نے قبول کیا ہے تاریخ نہیں کرے گی۔

لیکن اگر آپ کو اپنی اس "دلیل" پر گہرا اعتماد اور اصرار ہے اور اس میں اتنا وزن محسوس کرتے ہیں کہ وہ اقامت دین کی جرحہا سے سبکدوش کر دینے کے لئے کافی ہے تو ہم گزارش کریں گے کہ ذرا اس کو اور دعوت دیدیجئے اور اسی اصول پر یوں سوچنا شروع کیجئے کہ مسلمان کی جو صفات و خصوصیات کتاب و سنت میں بیان کی گئی ہیں اور ایمان و اسلام کا جو معیار اللہ اور اس کے رسول نے پیش کیا ہے اس معیار پر پورے اترنے والے اور ان صفات و خصوصیات کے حامل انسان ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان ہی کی طرح کے چند سو یا چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں پیدا ہو سکے، اور اس وقت کو اس معیار کے مسلمانوں کا عالم تصور میں بھی وجود ممکن نہیں اس لئے اب ایسے معیار دینی کا ذکر اور خیال ہی چھوڑ دینا چاہئے اور اسلام کی ان مطلوبہ صفات و خصوصیات،

کے لئے سنی و جہد کرنا بالکل لا حاصل ہے، یہ ہم جیسے کمزور انسانوں کے
 بس کا کام نہیں ہے۔ اگر اجتماعی میدان میں خلافت راشدہ کی قلعیت
 اس امر کا حق دے سکتی ہے کہ اب قیامت تک کے لئے قیام دین
 کے تصور سے ذہنوں کو غالی کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انفرادی
 زندگی میں بھی اس استحقاق معذرت کو قبول نہ کیا جائے۔ لیکن یہ عجیب
 ماجرا ہے کہ باوجود اس کے کہ اب ایک ابو بکر بھی پیدا نہیں ہو رہا ہے۔
 آپ نہ صرف خود کمال ایمانی کے حصول سے مایوس ہو کر اسلام سے علیحدگی
 پر تیار نہیں بلکہ گمراہوں کو راہ یاب و جاہلوں کو دین، آگاہ اور غیر مسلموں
 کو مسلمان بنانے کے لئے زندگیاں وقف کئے ہوئے ہیں تبلیغی انجمنیں
 قائم کرتے ہیں، اشاعت دین کے ادارے کھولتے ہیں، تعلیم کتاب و
 سنت کے لئے درسگاہیں جاری کرتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیوں
 نہیں ایسا ہوتا کہ صدیق و فاروقؓ کی سنی اسلامیت کے حصول سے،
 کہ قرآن کا معیار مطلوب ہی ہے، مایوس ہونے کے باعث اسلام کا نام
 لینا چھوڑ دیا جاتا؟ آپ کہیں گے کہ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق اسلام
 کے کامل العیار اور اعلیٰ نمونے تھے۔ ان کے مقابل کا ایمان و تقویٰ
 اگر ہم نہیں پیدا کر سکتے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے اسلام
 ہی کو چھوڑ دیں، بلکہ ان نمونوں کو سامنے رکھ کر ہم اپنی استطاعت کے
 مطابق کوشش کریں گے کہ جہاں تک ہو سکے انہی کی طرح کا تین اپنے
 اندر پیدا کریں، تاریخ نے ہمارے سامنے اسلام کے یہ اعلیٰ ترین نمونے
 دکھ دیئے ہیں تاکہ اپنے امکان بھر ہم اپنے کو ان پر ڈھالنے کی سعی کریں۔
 اب جس کو اللہ تعالیٰ جتنی توفیق دے اس حد تک اس رنگ میں اپنے

آپ کو رنجنے کی کوشش کرے اور ان کے مقام ایمانی کی طرف جتنے قدم بڑھا سکتا ہے بڑھاتا رہے۔ ہم اس طرز فکر سے سو فیصدی اتفاق کرتے ہیں۔ ہماری گزارش بالکل اسی مرکز فکر پر مبنی ہے فرق صرف یہ ہے کہ آپ اس کو انفرادیت کے ایک محدود دائرہ میں رکھنا چاہتے ہیں اور ہم اسی کو اجتماعیت تک پھیلا دینا چاہتے ہیں۔ ہمارا دعایہ ہے کہ اسی نقطہ نگاہ سے آپ کو خلافت راشدہ کے اوراق تاریخ کو بھی دیکھنا چاہئے۔ ابو بکر اور عمر اور عثمان و علی رضوان اللہ علیہم کی انفرادی زندگیوں کی طرح ان کا طرز خلافت اور ان کی نیابت رسول بھی ایک اعلیٰ معیار تھی جسے اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت نے تاریخ کے سینہ میں محفوظ کر دیا تاکہ دعوت قرآنی کے علم بردار اپنی جدوجہد کے سلسلہ میں اپنے سامنے ایک عملی اور معیاری نمونہ رکھ سکیں اور جس حد تک ان کے دست و بازو میں خدا نے توانائی بخشی ہو، اس نمونہ کے اتباع میں صرف کریں اور اس وقت تک اطمینان کا سانس نہ لیں جب تک کہ اللہ کا دیں اپنی رحمتوں کے ساتھ اس زمین پر اسی طرح نہ چھا جائے جس طرح خیر القرون میں چھا گیا تھا حتیٰ لا تکن فتنۃ و یكون الدین للہ

پس اس تیس سالہ دور خلافت کو اپنے لئے مثال اور ایک اسوہ بنائیے اور اس کے جمال جہاں آرا کے عشق سے ہر دم اپنے سینوں کو گرم رکھئے۔ حیف ہے اگر اس نئے نام سے دلوں میں مایوسی اور افسردگی کی لہریں اٹھیں۔ اس نام میں تو بلا کی کشش اور اس کشش میں طوفان کا سا جوش بھرا ہوا ہے، اگر ہمارا یقین ہے کہ دنیا کو فلاح و سعادت صرف دین حق کے قائم ہونے ہی پر مل سکتی ہے، اور اگر ہمارے قلوب

اس مبارک زمانہ کی سچی قدر اور محبت رکھتے ہیں جب کہ دنیا میں فلاح
راشدہ قائم تھی تو اس یقین اور اس جہت کا فطری تقاضا یہ ہونا چاہئے
کہ دل اس افسانہ بہن کو از سر نو عالم واقعات میں دیکھنے کے لئے ٹھیک
اسی طرح بے قرار رہے جیسے کہ کسی کی کوئی عزیز ترین شے کھو گئی ہو اور
وہ اس کی جستجو میں دیوانہ وار سرگرداں پھر رہا ہو۔ جس شخص کے ایمان میں
یہ شورش نہ ہو وہ دراصل ایمان ہی نہیں۔ بلکہ تصورات کا ایک بنگلہ ہے۔

اب ان حضرات کے افکار و اعمال کا جائزہ
مترجمین کا گروہ ۱ لیجئے جو انٹیلی اور تربص کی پالیسی پر عمل پیرا

ہیں اور خود سلامتی دینے فکری کے محفوظ گوشوں میں بیٹھے ہوئے دوسروں
کی ثبات قدمی اور تیز گامی کا حساب لگا رہے ہیں اور اس نصب العین
ہی کو اپنی زندگیوں کا تنہا مقصد سمجھنے کے باوجود میدان سچی و غلطی
نہیں اترتے کہ پہلے سے اس میدان میں اتنے ہوتے لوگوں کی عزمت
انہیں مشکوک نظر آتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام صالح اور مستحق
اور قبول الصلوٰۃ نہ ہو تو یہ حضرات نہ صرف یہ کہ اس کے پیچھے ہی ناز پڑھنے
سے انکار کر دیں گے بلکہ سرے سے نازیہی ترک کر دیں گے اور غالباً اس
یقین کے ساتھ ترک کر دیں گے کہ کل وادھر محشر کے سامنے یہ کہہ کر بری ملائے
ہو جائیں گے کہ خدا یا اہم تو ناز کو فرض عین ہی سمجھتے تھے اور جو میں گھنڈ
اس کے لئے با وضو رہتے تھے مگر مومن کی صداؤں اور امام حملہ کی نازوں
میں ہم کو خلوص و لہیت کی روح نظر نہیں آتی تھی اس لئے ہم نے
ناز نہیں پڑھی۔ ہم باوجود غور و فکر کے اس طرز فکر و استدلال کی کوئی شرعی
یا عقلی بنیاد نہیں پائے۔ فرض سمجھ کر زید اقامت دین کی دعوت دیر آ

اور ان لوگوں کو جو اتباع قرآن اور علمبرداری اسلام کے مدعی ہیں، ان کی فرض ناشایستیاں پر چھوڑ کر اور غفلت شعاروں سے بیدار کر کے ان کا فرض زندگی یاد دلار ہا ہے اور اپنے طور پر اس راہ میں قدم بجا رکھ دیتا ہے لیکن جہاں تک اس کی عملی صلاحیت و خلوص اور عزیمت کا تعلق ہے آپ کے قلب کو پورا اطمینان نہیں ہوتا بلکہ وہ اور اس کے سارے ہم سفرنا اہل بے عمل، غیر خلص اور غیر متقی دکھائی پڑتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان کی یہ ساری خامیاں آپ کے فرض کو ماقض اور آپ کو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کس طرح کر دیں گی۔ کیا آپ نے اس امر کو اس لئے حق مانا ہے کہ زید اور اس کے ساتھیوں کی یہی رائے ہے؛ کیا آپ نے دین حق کی اقامت کا فریضہ اس شرط کے ساتھ اپنا مقصد زندگی تسلیم کیا ہے کہ پہلے زید اور اس کے ہمراہی ادا سے فرض کا عملی ثبوت دے لیں تو ہم اپنے نرم گرم بسترؤں سے اٹھیں اور اپنی جواکھا بو سے باہر قدم نکالیں گے؟ کیا قرآن کی مرکزی دعوت کے آپ اسی وقت مکلف ہیں جب دو سروں کو اس کی راہ میں قربانیاں کرتے دیکھ لیں؟ اگر ایسا نہیں ہے، اور قرآن گواہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ہر فرد اپنی استطاعت کے مطابق اس فریضہ کی بجا آوری کا بطور خود ہر حال میں ذمہ دار اور مسئول ہے، تو اپنے نفس کی جلد سازیاں اور غفلتیں کیا کم ہیں کہ دو سروں کی کمزوریاں ٹٹولنے کی آپ کو فرصت مل جاتی ہے دوسرے اگر فی الواقع دیسی ہی ہیں جیسا کہ آپ کا گمان ہے تو خدا کے روبرو اس کے جوابدہ وہ خود ہوں گے آپ اس کھود کر بیکی جنت بلاوجہ کیوں اٹھاتے ہیں۔ آپ اپنے نامہ اعمال کی فکر کیجئے۔ ہاں اگر

ان کے حالات سے کچھ درس ملتا ہے تو اس کو لے لیجئے۔ لقمان حکیم سے پوچھا گیا ”تم نے ادب کس سے سیکھا“ جواب دیا ”بے ادبوں سے“ مومن کو بھی اللہ تعالیٰ نے حکیم پیدا کیا ہے اور ایسی ہی جی بنی عبرت پذیر اور حکمت پسند لگا ہوں سے کام لینے کی تاکید کی ہے۔ ہمارا قرآن اس نے مغضوب اور گمراہ قوموں کے تفصیلی تذکروں سے اسی لئے تو بھردیا ہے کہ مسلمان ان جیسی حرکتوں کے ارتکاب سے بچیں، اس لئے آپ کا اس صورت حال میں جو فرض ہونا چاہئے وہ صرف یہی ہے کہ ان کی خامیوں، ظاہر داریوں اور غلط کاریوں سے اپنے دامن بچا کر خالص لہیت اور غرمت کے ساتھ اس جھنڈے کو لے کر آگے بڑھیں اور اگر ہو سکے تو ان کے لئے ہدایت، غرمت، غلبہ اور توفیق عمل کی دعا بھی کرتے جائیں کہ بہر حال ان کی چیخ پکار۔ اگرچہ ان کی اپنی حد تک محض ”زبانی لفظ“ تھی مگر آپ کے حق میں ہادی اور مذکر ثابت ہوئی، اس لئے وہ آپ کے شکریہ کے مستحق ہیں نہ کہ مخالفت کے، کہ ان کے انہی ”زبانی لفظوں“ نے نفعت کے پردے چاک کر دیئے اور آپ کو بھولا ہوا سبق یاد دلادیا۔ اس نادان اور بد نصیب انسان پر، جو تاریکیوں کے اجڑے سر راہ چراغ لے کر کھڑا ہوا اور دوسروں کو تو ان کی منزل مقصود دکھا رہا ہو مگر خود اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ بیٹھا ہو۔ آپ کو ترس تو ضرور آنا چاہئے مگر اس پر آواز سے کئے اور اعتراضات کرتے رہنا بے انصافی، اور اس کی پیروی میں چراغ کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھانا اور پشت بمنزل ہو رہنا حماقت اور دیوانگی ہے بعید وہ ہے جو دوسروں سے عبرت اور نصیحت حاصل کرے اور دانا ٹی کا

تقاضیہ ہے کہ قائل کی شخصیت کے بجائے اس کے قول کو دیکھا جائے پس قامت حق کی پکار سن کر ان بندگیان خدا کا طرز عمل اختیار کیجئے جو سعید ہوں، جو دانا اور حقیقت جو ہوں اور جن کی تعریف قرآن کی زبان میں یہ ہے کہ:-

الذین یستمعون القول فیلتعون احسنہ
جو باتوں کو کان لگا کر سنتے ہیں اور ان میں سے بہتر باتوں کو اپنے عمل اتباع کے لئے منتخب کر لیتے ہیں۔

اس لئے اس قول ”دعوت اقامت دین — پر اس پہلو سے بحث تو کی جا سکتی ہے کہ آیا وہ ”احسن القول“ ہے یا نہیں؟ لیکن جب آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس قول کے احسن ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس کا ہر مسلمان کا تنہا فریضہ زندگی ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے تو پھر اس پر لبیک کہئے اور اگر ساری دنیا بھی اس کے اتباع سے جی چرا رہی ہو تو یقین کیجئے کہ اس سے آپ کی اپنی ذمہ داریوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی اور نہ آپ کو یہ حق حاصل ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے عمل اور عزم کا انتظار کرتے رہیں۔ یہ انتظار تو حق پرستی کی ضد ہے اور جو شخص حق کو مانتے ہوئے انتظار کی بالیسی اختیار کرتا ہے وہ دراصل حق کو بدنام کرتا اور اس کی بے حرمتی اور تصنیف کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اگر ہمیں صاف گوئی پر معاف کیا جائے تو ہم اس موقع پر اس رسوائے عالم گروہ کی عادات و خصوصیات کو یاد دلائیں جس نے رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کے جاہلات اقامت دین کے سلسلہ میں بھی ترغیب کی بالیسی اختیار کر رکھی تھی، جس کے

واسطے مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لئے یہ احساس فرض کافی نہ تھا کہ یہ لوگ جس امر حق کے لئے جانفروشی کر رہے ہیں اسی کو ہم نے بھی اختیار کیا ہے اس لئے ان کے پہلو بہ پہلو چل کر اپنے فرض کو ادا کر لیں۔ اس کے برعکس ان لوگوں کا دھیرہ یہ تھا کہ اس سنگس سے علیحدہ رہ کر اس کے نتائج کا اندازہ لگاتے رہتے اور اس ذلت مسلمانوں کی عبادت میں آتے جب ان کی فتح کے جھنڈے اہراتے دیکھ لیتے (اللہین یترفعون بکم فان کان لکم فتح من اللہ قالوا االم نلکن معکم)

غور فرمائیے کہ ان لوگوں کی ذہنیت، جو اقامت دین کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے بھی اس کے لئے آمادہ عمل نہیں ہوتے، کتنی بنیادی مشابہت رکھتی ہے اُس ذہنیت کے ساتھ جس پر منافقوں کے طرز عمل کی اساس مبنی، جس طرح وہ حق کی حمایت حق کی خاطر نہیں کرتے تھے اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک بھی حق کا مجروح حق ہونا ہی آمادگی عمل کے لئے کافی نہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ وہ لوگ مسلمانوں کی فتح کا انتظار کیا کرتے تھے اور یہ حضرات قیام دین کے داعیوں کے عزم و اخلاص کے بارے میں کسی بد شرح عدد رکھے منتظر ہیں۔ لیکن اتنا بے حق اور ادائیے فرض سے بھاگنے میں دلہلی مشرک ہیں۔

بدبختی کی انتہا | کاش معاملہ یہیں ختم ہو جاتا اور ان سب لوگوں نے انتظار اور ترے بس کے صرف سبھی پہلو پر ہی اکتفا کر لیا ہوتا۔ مگر یہ دیکھ کر صبر و ضبط کا دامن نبھانا دشوار

ہو جاتا ہے کہ خدا پرستی، اتباع قرآنی اور عشق محمدی کے دعوہ ارامت میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو اس ساعت ہمایوں کے انتظار میں شوق مجسم بنے بیٹھے ہیں جب طاغوتی اقتدار کی لال پلی آنکھیں دیکھ کر اقامت دین کے ”جھوٹے مدعی“ میدان سے بھاگ کھڑے ہوں گے اور انھیں اپنے جذبات طعن و تشنیع کی تسکین دہی کا موقع نصیب ہو سکے گا۔ یہ حضرات ایک سنجیدہ تبسم کے ساتھ یہ فرما کر گویا اپنی ذمہ داریوں کا حق ادا کر دیتے ہیں کہ ہونٹوں سے عاری اور جوش کے اندھے لوگوں کا ایک گروہ ہے جو قیام دین قیام دین کا شور مچا رہا ہے، حوادث و مشکلات خود ہی ان کا فاتحہ پڑھ دیں گے۔ لیکن شاید انھیں خبر نہیں کہ ان کے اس نشر طعن کی زرخودان کی اپنی رگ گھلوت تک جائے پہنچتی ہے۔ افسوس! مسلمان کا دل اب قیام دین کی حسرتوں سے بھی اس درجہ محروم ہو گیا ہے کہ اگر خود نہیں کچھ کر سکتا تو دوسروں کا کچھ کرنا بھی اس کو گوارا نہیں رہا اور نہ اس کی نیک خواہشات کا اس کے دل میں گذر باقی رہا۔ آخر یہ باور کرنے کے لئے کہاں سے دل و دماغ لاسے جائیں کہ جو سینہ، دین حق کی محبت اور فدویت کا امین بنایا گیا تھا اب اس میں ان آرزوؤں کی پرورش کی جا رہی ہے جو صرف مساعی کفر کے خلاف مخصوص ہونی چاہئے تھیں۔ حالانکہ اگر میرے اندر اتنی غیرت اور ہمت موجود نہیں ہے کہ اللہ کے دین کو زندہ اور قائم کرنے کیلئے قدم بڑھا سکوں تو میرے ایمان کا کم سے کم تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اس کی تمنا سے اپنے قلب و دماغ کو ایک لمحہ کے لئے بھی خالی نہ نہ ہونے دوں اور اگر کچھ اللہ کے بندے اس کے لئے قدم اٹھا رہے

ہوں تو ان کے لئے اخلاص عمل، ثبات قدم، نصرت حق، حسن انجام اور فوزِ رام کی دعائیں کروں۔ لیکن اگر اتنا بھی نہیں ہو سکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ غیرت حق کی آخری چنگاری بھی میرے اندر بجھ رہی ہے اور اگر اس سے آگے بڑھ کر میں اس دعوت حق کو فتنہ قرار دیدوں لوگوں کو اس کی طرف بڑھنے سے روکنے لگ جاؤں اور اس کے لئے حوادثِ روزگار کی تمنائیں کروں تو میری بد بختی کی یہ انتہا ہوگی اور ایسی صورت میں مجھ کو اسلام کا نام لیتے ہوئے شرم معلوم ہونی چاہئے کیونکہ حالات اور مظاہر کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ میں بالکل اسی مقام پر ہوں گا جہاں کچھ کور باطن لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خدا کا راستہ میں کو اس نگاہ سے دیکھ رہے تھے جس کا ذکر قرآن نے ان لفظوں میں کیا ہے :-

یتوبص بکم اللہ واثرا لہ (توبہ - ۱۸)

یہ لوگ تمہارے نذر آفات ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔
یا پھر وہاں جہاں ہے پیغمبرِ عالم کی دلفنیں اور مسحور کن صدائے حق کو یہ کہہ کر نہ لایا تھا کہ :-

شاعرا یتوبص بہ ریب المنون (طور - ۳)

یہ ایک (سحر طراز) شاعر ہے، ہم اس کے لئے حوادثِ روزگار کی راہ دیکھ رہے ہیں۔

پس جنہیں اللہ نے عقل دی ہے انہیں پوری سنجیدگی اور اس ذمہ داری کے ساتھ اس طرزِ عمل پر غور کرنا چاہئے جو نرمی و جہالت کی پیداوار ہے اور جس کے ساتھ ایمان کی محبت عمومی جمع نہیں ہو سکتی۔

آخری گروہ ان لوگوں کا ہے جو مہدیؑ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ ان کے فکر و

استدلال کا آغاز یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سال کے بعد خلافت راشدہ ختم ہو جانے اور پھر قرب قیامت میں امام مہدیؑ کے ہاتھوں اس کے از سر نو قائم ہونے کی خبر دی ہے۔ اور نقطہ انجام یہ ہے کہ ”اس نصب العین کے برحق ہونے کے باوجود ہم اس کی اقامت کے مکلف نہیں“ دین اور اس کے اصول و مطالبات سے بے خبری کا یہ عالم ہے کہ اب اس قسم کی باتوں کو بھی دلیل سمجھا جاتا ہے اور اتنی زبردست دلیل، جو مسلمان کی زندگی کا منطقی نظر ہی بدل دے سکتی ہے ضرورت تو نہ تھی کہ اس قسم کی مہمل باتوں کی تردید میں وقت کا غد اور روشنائی کا ضیاع برداشت کیا جاتا مگر اس مصیبت کا کیا علاج کہ اس افیون کی گولی نے نہ صرف ہمارے عوام بلکہ سکتے ہی مدعیان علم اور ارباب تقویٰ کو مدہوش اور بے حس بنا رکھا ہے اس لئے انہیں بتا دینے کی ضرورت ہے کہ جس دیوار کا تم نے سہارا لے رکھا ہے اس کی بنیاد ریت سے اٹھائی گئی ہے تاکہ جس کو ترک فرض کی ہلاکت خریدنی ہو پورے علم و شعور کے ساتھ خریدے۔

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ روایا مہدی کی حیثیت | ظہور مہدیؑ کی خبر ہمیں ملی کہاں سے

ہے اور حقائق دینی کی فہرست میں اس کا مقام کیا ہے؟ سو ہر صاحب علم جانتا ہے کہ قرآن کے صفحات اس کے ذکر سے بالکل خالی ہیں۔ حالانکہ اگر تعلیمات دین میں اس امر کو کوئی ایسی اہمیت جو ہماری

زندگی کا مقصد ہی بدل دے سکتی ہو، حاصل ہوتی تو عقل عام چاہتی ہے کہ قرآن اُس کے متعلق ہم کو واضح ہدایتیں دیتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ لے دے کہ اس کا ذکر روایتوں میں آتا ہے مگر یہ روایتیں بھی اس پایہ کی ہیں کہ طبقہ اولیٰ کی کتب احادیث میں سے کسی ایک کے اندر بھی وہ بار نہ پاسکیں، نہ امام بخاری نے ان کو در خود اعتنا سمجھا، نہ امام مسلم نے، نہ امام مالک نے، صرف بعد کے طبقہ کی کتابوں میں یہ دکھائی پڑتی ہیں، لیکن جب ان کو محدثانہ معیار تحقیق پر رکھ کر پرکھا جاتا ہے تو ایک روایت بھی کھری ثابت نہیں ہوتی اور ان کے اکثر و بیشتر راوی شیعہ لکھتے ہیں۔ روایت کے الفاظ پر نگاہ ڈالنے تو ان میں صاف طور پر شیعوں کے مخصوص عقائد اور خیالات کی روح جھلکتی نظر آتی ہے۔ یہ وجہ ہیں جن کی بنا پر علمائے محققین کا ایک گروہ ان احادیث کو افانہ سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا۔

زالی منطق لیکن اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ یہ احادیث موصوع نہیں ہیں اور فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور مہدی کی پیشین گوئی کی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کو اقامت دین کے فریضہ سے کیا تعلق؟ اس سے زیادہ سے زیادہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ اتنی ہی تو ہے کہ اس دنیا کا نظام فنا ہونے سے پہلے ایک دور مبارک آئے گا جب سطح زمین کے ایک ایک گوشہ سے ظلم اور فساد مٹ جائے گا دنیا عدل سے بھر جائے گی اور ابوکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کی طرح کی "خلافت علیٰ مہراج النبوة" ہفت اقلیم میں قائم ہو جائے گی۔ لیکن اس سے یہ کس طرح لازم آگے کہ بیچ کے زمانوں کے لئے ساری دنیا پر کفر و طاغوت

کی فرماں روائی مقدر ہو چکی ہے؟ اس میں تو کوئی دور کا بھی اشارہ
 اس امر کا موجود نہیں ہے کہ خلافت راشدہ کے اختتام سے لے کر ظہور
 مہدی تک زمین کے کسی بھی خطہ پر اللہ کا دین قائم نہ ہو سکا۔ خلافت اس
 کے تاثر کا گواہ ہے کہ خلافت راشدہ کے ختم ہونے کے ستر برس بعد ہی
 حضرت عمر بن عبد العزیز کے ہاتھوں مملکت اسلام میں قریب قریب وہی
 بہار سعادت بھرا آئی جو خیر القرون میں تھی، اور اس دور کو بھی خلافت
 راشدہ کا دور تسلیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ جس پایہ کی دوسری روایات
 ایسی بھی ملتی ہیں جن میں صراحت کے ساتھ یہ پیشین گوئیاں کی گئی ہیں کہ
 مہدی موعود کے علاوہ اور ان سے پہلے، اور بھی علمبرداران قیام دین
 انھیں ملے جن کی حمایت و نصرت مسلمانوں پر واجب ہے۔ مثال کے
 طور پر دو روایتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) اداسما آیتہم الايات السود فدا حاث من قبل خراسان
 فاوقھا و اجبوا علی الشیخ فان فیہا خلیفۃ اللہ
 المہدی۔

(۲) ینحاج رجل من وراۃ النہر یقال لہ الحمار حراث
 حراث علی مقدمۃ رجل یقال لہ منصور ینک لال حمار کما صکت
 قریش لہ رسول اللہ و جب علی کل مسلمہ نصرا (ابوداؤد)
 جب تم یہ دیکھنا کہ خراسان کی طرف سے سیاہ نشانات آ رہے ہیں
 تو وہاں پہنچنا۔ اگرچہ تمہیں برف کے اوپر گھٹ کر ہی کہوں نہ جانا پڑے۔
 اس لئے کہ ان نشانات کے اندر اللہ کا ہدایت یافتہ خلیفہ ہو گا۔
 ماوراء النہر سے "حراث حراث" نامی ایک شخص نکلتے گا جس کا پیش رو

دسپہ سالار، منصور نامی ایک آدمی ہوگا۔ وہ آل محمد کے لئے قوت و اقتدار پیدا کرے گا جس طرح کہ قریش نے رسول اللہ کے لئے کیا، اس کی مدد کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ ان روایتوں میں جن افتخا ص کے ظہور کی خبر دی گئی ہے ان سب سے مراد ایک ہی شخص یعنی دہی مہدی موعود ہیں، کیونکہ مہدی موعود کا ظہور، حسب بیان روایات، مدینہ منورہ سے ہوگا نہ کہ ماوراء النہر یا خراسان سے، اسی طرح ان کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا نہ کہ "عارث عراث" نیز یہ کہ وہ اہل عرب کے جلد میں نکلیں گے نہ کہ خراسانی یا تورانی افواج کو لے کر، بجز یہ غلط فہمی بھی نہ ہونی چاہئے کہ ان روایات میں حصر ہو گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ان تمام داعیان حق کی فہرست گنا دی ہے جو قیامت تک اقامت دین کا علم لے کر اٹھنے والے ہیں، بلکہ ان روایتوں میں، بشرطیکہ صحیح ہوں صرف بعض افراد اور زمانوں کا ذکر آیا ہے اور مقصود اس امر کی تاکید ہے کہ جب کبھی بھی ایسے مواقع پیش آئیں تو ہر مسلمان کا فرض ہو جائے گا کہ خدا کی راہ میں اپنے کو پیش کر دے۔ پس ان روایات میں نہ صرف یہ کہ مہدی موعود کے ماسوا بھی حق کے مجاہدوں اور دین قیم کو زندہ و پایندہ کرنے والوں کی آمد کی بشارت سنائی گئی ہے بلکہ ہر مسلمان پر واجب گردانا گیا ہے کہ سر کے بل بھی چلنا پڑے تو مل کر ان دعاۃ حق کے پاس پہنچے اور ان کی اعانت و اطاعت میں جان کی بازی لگا دے۔ اس طرح ان لوگوں کی جڑ کٹ جاتی ہے جو مہدی موعود کے نام سے پیدا کر لیے گئے ہیں۔ پھر قطع نظر ان روایات کے، اصل سوال تو فرض زندگی کا ہے جب یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اقامت دین کا فریقہ ہر مسلمان

کی زندگی کا مقصد وحید اور اس کی خاطر جدوجہد کرنا اس کے ایمان کا معیار و منظر ہے اور جب مومن کی مین فطرت ہی یہ قرار دی گئی ہے کہ وہ باطل اور منکر کو جھینے کا حق نہیں دینا چاہتی خواہ وہ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں موجود ہو اور جب اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اتباع قرآن کے عہد کا سب سے پہلا اور سب سے آخری مطالبہ ہی یہ ہے کہ انسان کا پائے سخی و جد اس وقت تک نہ تحفے جب تک کہ دین الہی کی ایک دفعہ بھی معطل ہے اور زمین کا ایک ذرہ بھی باطل کے پاؤں تلے دبا ہے، تو ہر مومن کو یہ جدوجہد لازماً کرنی پڑے گی اور ہر حال، ہر دور، ہر ماحول، اور ہر عہد کرنی پڑے گی۔ امام مہدی اگر آئیں گے تو وہ اپنا فرض ادا کریں گے نہ کہ میرا اور آپ کا۔ ان کی تمام دوڑ و دوپ اپنے اس بوجھ کو سر سے اتارنے کے لئے ہوگی جو اللہ رب العالمین کی طرف سے ان پر ڈالا گیا ہو گا، ان کا کوئی فعل کسی بھی معنی اسلام کے ادائے فرض کا قائم مقام نہ ہو گا، نہ تو وہ کسی دوسرے کے لئے نواز پڑھیں گے، نہ روزے رکھیں گے اور نہ ہی جہاد و قتال کریں گے آپ آج ہی ان کی مساعی پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں جبکہ ان کا وجود ابھی عالم تصور اور دنیا سے آرزو سے باہر بھی نہیں آیا ہے مگر یقیناً سمجھیں کہ وہ اس وقت کے بھی کسی مسلمان کے عموں تلوار نہ چلائیں گے جو ان کے زمانہ میں موجود ہو گا، اس وقت بھی ہر مسلمان کو اپنا اپنا فرض ٹھیک اسی طرح ادا کرنا ہو گا جس طرح امام موصوف کو، یعنی حضرت مسیحؑ کے لفظوں میں "ہر شخص کو اپنی صلیب خود اٹھانی ہوگی" اور جو ابا نہ کرے گا آسمانی بادشاہت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس لئے ہر مسلمان کو یہ دعا اور یہ

آرزو تو ضرور کرنی چاہئے کہ اس کو وہ دور سعادت دیکھنا نصیب ہو جب امام مہدی اپنی تمام تربیتوں کے ساتھ ظہور فرما ہوں گے اور ظلم و فساد کے بوجھ سے کراہتی ہوئی دنیا عدل و قسط کی رحمتوں سے مالا مال ہو جائے گی مگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو اس دہم میں نہ مبتلا ہونا چاہئے کہ حضرت موصوف کے صدقہ میں اب سارے مسلمان بندگی کی ذمہ داریوں یعنی اقامت دین کی جدوجہد سے بیکدوش کر دئے گئے ہیں جس طرح عیسائی حضرات اس خوش گمانی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے سولی پر چڑھ کر ہم کو حرس عمل سے بے نیاز کر دیا ہے۔

احتساب نفس کی ضرورت | اقامت دین سے دامن بچا نیوالے مسلمانوں کے یہ — مختلف گروہ ہیں۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ ان میں سے ہر گروہ کے خیالات اور دلائل کو بیان کر کے ان کی غلطی واضح کی جائے۔ توقع ہے کہ ان معروفات پر تھنڈے دل سے اور حق طلبی کے جذبات کے ساتھ غور کیا جائے گا اور روایتی، گروہی، سیاسی اور تعلیمی تعصبات سے بالاتر ہو کر انھیں خدا پرستانہ نقطہ نظر سے اپنے مشاغل زندگی کا جائزہ لیا جائے گا۔ یاد رہے کہ نفس اپنا احتساب کرنے میں سخت حیدر گرا اور قریب کار واقع ہوا ہے اس پر کسی غیر مانوس اور نامطلوب حقیقت کا سامنا کرنا بڑا ہی شاق ہوتا ہے۔ اور اس حقیقت کے خلاف تو وہ اپنے ترکش دجل کا آخری تیر تک استعمال کر ڈالتا ہے جو اس سے قربانیوں کو طلب گار ہوا، صرف جان اور مال ہی کی قربانیاں نہیں بلکہ جذبات و حیات کی بھی۔ پندارِ ظلم و فکر کی بھی، سابق طرزِ عمل کی محبت اور

ان چیزوں میں زندگی مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں بتایا گیا ہے کہ اس کا ہر سانس اعانت دین کے ذکر و فکر اور سعی و جہد میں بسر ہونا چاہئے تو پھر اس کے بعد اس کے اعتراف اور امتثال میں نہ تو کسی پیرو مرشد کی ارادت مانع ہوئی چاہئے نہ کسی شیخ و امام کی عقیدت، نہ تو کسی استاد کا تلمذ اس اذاتے فرض سے باز رکھنے کا حق رکھتا ہے اور نہ کسی جماعت کا تعصب۔ نہ کسی دیرینہ روش کی حمیت کو اس راہ میں آڑے آنا چاہئے نہ کسی فکر سابق کی عصبیت کو، کہ یہ سب جزئیں نفس کے مجاہدات اور شیطان کے فتنے ہیں اور قدرت نے ان کو انہیں کے گوش و ختم پر صرف اس لئے پھیلادیا ہے تاکہ اس کی حق پرستی کی گواہی ہو۔ مبارک ہے وہ بندہ جو ان مجاہدوں کو چاک کرے اور ان فتنوں کو کچل کر اپنے فرض کی پکار پر حرکت میں آجائے اور نہ یاد رہے کہ اپنے ذاتی رجحانات کی پیچ میں یا اپنے جماعتی افکار و مشاغل کی حمایت و عصبیت میں دیا بزرگوں کی تقلید میں اس سے گریز کرنا اپنے آپ کو دانستہ فخر و طاقت کرنا ہے، کسی بزرگ کا طرز عمل ہم کو خدا کی گرفت سے بچا نہیں سکتا جب تک یہ راز حق دل پر نہ کھلا ہو، انسان کسی حد تک تو مغز و تصور کیا جاسکتا ہے مگر حجب حقیقت بے حجاب نظر آگئی اور دل نے اس کی صداقت کا اعتراف کر لیا تو بس یوں سمجھے کہ اللہ کی حجت تمام ہو گئی۔ اس وقت اعتذار کے سارے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اب آگے یا تو آمادگی عمل اور کامرانی حیات ہے یا پھر انکار فرض و حصول نامرادی کیونکہ حق کو حق سمجھ لینے کے بعد اس سے انکار اور اعراض کرنا اس سخت فرعون کی پیروی کرنا ہے جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ ۔

فلما جادتم ایتنا مبصرة فادعوا هذا سحر مبين
 وحمدوا بحاد استيقنتها انفسهم ظلماء وظلوا۔

جب سحر مومن اور اس کے پیروں کے سامنے ہماری نشانیاں بالکل کھل
 طور پر آئیں تو انہوں نے کہا یہ تو نوالا جادو ہے۔ اور باوجود اس کے کہ ان کے دل ان
 نشانیوں کی حقانیت پر یقین رکھتے تھے انہوں نے ظلم اور سرکشی کی بنا پر ان کو ماننے سے
 انکار کر دیا۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی لوگ اس سنت کے پیرو ہیں اور۔
 ”ظلم و علو نہ ہی۔“ گردہ پرستی اور اکابر پرستی کے باعث حقد و

بھاد استیقنتها انفسهم۔ کے مرض میں مبتلا ہیں۔

کاش اس مرض کی خطرناکی کا احساس کیا جاتا اور جو راہ اللہ نے ان پر
 کھول دی ہے اس پر چلنے سے کوئی تعلق مانع نہ ہوتا، ورنہ ہمیں خلہ
 ہے کہ یہ اعتراف حق ان کے جرم کو کچھ ہلکا کرنے کے بجائے الٹا سخت کر دیتا
 ابتدا سے بحث سے لے کر یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا
آخری گزارش اس کا مدعا صرف یہ ہے کہ امت مسلمہ نے جس

نصب العین کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی ہے اس کا حق ادا کرے
 جن اصولوں پر اس کے وجود کی بنیاد رکھی گئی ہے، ان کو از سر نو اپنا مرکز
 عمل بنانے اور حالات زمانہ مشکلات باتوں اور مصالح وقت سے
 صرف نظر کر کے، نیز نفس و شیطاں کے اختراع کئے ہوئے حیلوں اور
 دوسو سو سے دل و دماغ پاک کر کے، اپنے چھوڑے ہوئے فرض زندگی
 کو سرانجام دینے میں لگ جائے، بلاشبہ یہ بڑی کمفن راہ ہے اور اس
 کا ہر قدم کانٹوں سے بھرا ہوا ہے مگر فرائض حق کی بارگاہ تک جان بوجہ

اس کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں۔ مقصد حیات کی اس توضیح اور تبلیغ کے بعد آخری گزارش یہ ہے کہ جن لوگوں کے تلوے ان کانٹوں کا خیر مقدم کرتے کی ہمت نہیں رکھتے ان کے لئے آخری چارہ کار، جس کو برداشت کیا جاسکتا ہے یہ ہے کہ وہ جہاں ہیں وہیں قدم روکے کھڑے رہیں اور کم از کم دوسرے پوچھنے والوں کو تو یہ ضرور بتا دیں کہ گوہیم میں اس راہ دشوار گزار کو طے کرنے کی ہمت نہیں مگر حق اور نجات کی شاہراہ ہے ہی۔ یہ اس لئے تاکہ کل اللہ تعالیٰ کے روبرو ترک فرض کے ساتھ ساتھ کتمان حق کے جرم میں بھی نہ ماخوذ ہوں۔ اور اگر بد قسمتی سے یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنے قدموں کی طرح اپنی زبانوں کو بھی روکے رہیں مگر خدا اور دوسروں کو اس راہ سے روکنے کا بوجھ اپنی گردن پر نہ لیں۔ ”یہ صد عن البیل“ کی وہ لعنت ہے جس کے تصور ہی سے ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جانے چاہئیں۔ یہ بعینہ وہی روش ہے جو یہودنا مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں اشقیائے یہود نے اختیار کی تھی اور جس کے جواب میں حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا:۔

”اے ریا کا فقیہ اور فریو! تم پر اخوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو۔ نہ آپ داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو“

خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان اس حد تک آپ اپنی دشمنی پر کمر بستہ ہو جائے اور خود تو اقامت دین کی جدوجہد سے جی چراتا ہی ہو، اور وہیں کو بھی اس سے باز رکھنے کا موجب بنے۔

مُسلمان جماعتوں کے قول و عمل کا تضاد

از مولانا قاری شاہ محمد جعفر حسنا ندوی پھلواری ابن
حضرت مولانا قاری شاہ محمد سلیمان مرحوم و مغفور۔

آج سے چند سال پہلے قوم مسلم کا نقشہ مرحوم اقبال نے ان لفظوں
میں کھینچا تھا :

شبِ پیشِ خدا بگڑستہ زار مسلماناں چراخوارِ زند و زارند
نہ آئند نہی دانی کہ اس قوم دلے دارند و محبوبے ندارند

یعنی اس قوم کا دل سب سے بہتر ہے لیکن اس کی زندگی
بے مقصد بسر ہو رہی ہے۔ دل میں سچی تڑپ ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ یہ
تڑپ ہے کس کے لئے نصب العین حیات آنکھوں سے اوجھل ہو
ایک قافلہ ہے جو صرف کوچ کر رہا ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ جانا کدھر
ہے جس راہ پر کسی راہ رو کو دیکھا اس کے پیچھے لگ گیا۔ صرف اس لئے

کہ کہیں جا تو رہا ہے۔ مرحوم اقبال نے جب یہ نقشہ کھینچا تھا۔ اس وقت فی الواقع قوم کا یہی حال تھا۔ لیکن اب اسے بھڑا نقد یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ کہاں جانا ہے۔ ہم کس لئے زندہ ہیں اور ہمارا مطلوب و مقصود کیا ہے۔ دل میں صرف تڑپ اور لگن ہی نہیں بلکہ اس محبوب کا بھی پتہ چل گیا ہے جس کے لئے یہ تڑپ ہے جہاں تک نصب العین کا تعلق ہے۔ اب تمام ذمہ داران قوم کی سمجھ میں آ گیا ہے لیگ کے پنڈال سے جمعیتہ کے پلیٹ فارم سے احرار و خاکسار کے اسٹیج سے غرض ہر جگہ سے اب یہی آواز حق بلند ہونے لگی ہے کہ ”ہم اللہ کی حکومت چاہتے ہیں۔ اور یہ کہ انسانی نظام حکومت میں قطعاً سلامتی نہیں۔ انسان کے بنائے ہوئے نظام حیات اصول زندگی اور قانون حکومت کے کیا برکات ہیں وہ اس وقت سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اس شاید عدل کے ہوتے ہوئے حکومت الہیہ کے خالص اسلامی نظریے سے جرأت انکار بھی کئے ہو سکتی ہے۔ بہر نوع ہمیں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ معاملہ طے شدہ سمجھنا چاہئے کہ ذمہ داران قوم اس نصب العین پر متفق ہو چکے ہیں گویا اب مجبورے نذر اند“ کا گلہ نہیں۔ دل بھی ہے اور نصب العین مطلوب بھی ہو چکا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اسی قدر کافی ہے؟ ابھی ایک اور شاید صرف ایک چیز اور باقی ہے جس کے بعد زمین و آسمان خود بخود بدل جائیں گے۔ ”ورنہ“ دلی اور محبوب“ دونوں کے ہوتے ہوئے بھی ہم اسی طرح ”خداوند و زارند“ رہیں گے۔ -

اسلامی نصب العین کیلئے اسلامی طریق کا | ہم خالص اسلامی نصب العین

حیات بجد اللہ پا چکے ہیں اور وہ ہے حکومت الہیہ کا قیام۔ اب صرف ایک ہی سوال حل طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مطلوب تک رسائی کس طرح حاصل کی جائے یعنی ہمارا طریق کار کیا ہو۔ جس وقت یہ گتھی سلجھ جائے گی۔ ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حصول مطلوب میں دیر نہ لگے گی۔ اس لئے کہ ہم سب ایک ہوں گے جس طرح اسلامی نصب العین کا ذہنی طور پر صرف صحیح تسلیم کر لینا کافی نہیں۔ اسی طرح اس کے حصول کے لئے صرف کوشش بھی کافی نہیں۔ ہمیں صرف جدوجہد کرنی ہے بلکہ صحیح طریق پر جدوجہد کرنی ہے۔ یعنی جس طرح ہمارا نصب العین افعال میں اسلامی ہے اسی طرح اس کے حصول کا طریق بھی خالص اسلامی ہونا لازمی ہے۔ نصب العین، اسلامی اور طریق کار غیر اسلامی بالکل مجبئی شے ہے۔ کم از کم اسلامی نصب العین کے متعلق تو یہ مسلم ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ غیر اسلامی طریق پر یہ حاصل بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ غیر اسلامی طریق کار خود اس نصب العین پر ضرب کاری ہے۔ اس وقت ہماری مثال ایسی ہی ہو رہی ہے کہ ایک نیک مقصد مثلاً ایک غریب کی مدد پر ہم سب متحد ہو رہے ہیں اور سب کے دل میں واقعتہً صحیح تڑپ بھی موجود ہے لیکن جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مدد کیونکر ہو اور روپیہ کہاں سے آئے تو ایک گھمٹا ہے رشوت شروع کر دو۔ دوسرا راعے دیتا ہے کہ اس میں بدنامی کا اندیشہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ چپکے سے فلاں جگہ نصب لگا کر کچھ مال اڑا لو۔ تیسرا بولتا ہے۔ یہ بھی خطرے سے خالی نہیں۔ مناسب یہ

کہ سودی کاروبار شروع کر دیا جائے **وہلکے جبراً**۔
یہ سب لوگ مقصد میں متحد ہیں اور حصول مقصد کی واقعی
ترتیب بھی رکھتے ہیں لیکن طریق کار اس باب میں بھی ہے کہ اگر تم
اس غریب کی مدد چاہتے ہو تو اپنی حلال کمائی سے کچھ دو خواہ دو ہی
پیسے ہوں۔ اور اگر یہ نہ کر سکو تو اپنی جگہ چپ بٹھے رہو۔ یہ خاموشی
غلط طریق اعانت سے بہتر ہے۔ اپنی قوتوں کو صحیح راہ پر لگا دو
تاکہ اس نئی مدد خواہ بہ دیر ہو لیکن صحیح طریق پر ہو۔

غور کرنے کی ایک بات | اگر لیگ جمعیۃ احرار اور خاکسار وغیرہ
میں سے ہر ایک کو یہ حق پہنچتا ہے کہ
باوجود ایک ہی نصب العین کے اظہار و اعلان کے دوسرے
کو صرف غیر صحیح طریق کار کے باعث قابل اختلاف سمجھے تو کسی ایسے
شخص کو جو ان سب سے باہر ہو یہ حق کیوں نہیں کہ ان سب پر
برادرانہ اور ہمدردانہ صاف دلی کے ساتھ تنقید کرے اور ایک
ہی طریق کار جو خالص اسلامی ہو اختیار کر کے تمام نزاعات کو ختم
کر دینے کی رائے دے؟

اللہ کا نام لے کر آئیے۔ ہم سب مل کر غور کریں کہ ہمارے
طریقے ہائے کار میں کیا وہ نقائص ہیں جو نفس نصب العین پر براہِ راست
ضرب لگاتے ہیں۔ اگر صرف مناظرہ و مباحثہ مقصود ہو تو اس دعاغی عیاکی
کے لئے کوئی اور مشغلہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر تلاشِ حق مقصود
ہو تو نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ فرقی تعصبات سے الگ
ہو کر ایک خالص اسلامی طریق کار اختیار کر لینا دشوار نہیں۔

مسلمان جماعتوں کی پریشاخیالی | حقیقت یہ ہے کہ صرف تسلیم کر لینا کافی نہیں۔ تاوقتیکہ طرزِ عمل سے یہ نہ معلوم ہو کہ ہم واقعہً اسی نصب العین کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ دلی جانے والی ٹرین پر بیٹھنا اور دمن پر یا زبان پر یہ رکھنا کہ ہم پشاور جا رہے ہیں کوئی صحیح طرزِ عمل نہیں۔

اس وقت تک مختلف حلقوں سے طریقِ کار کا جو اظہار ہوتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً..... ہم جس قرآنی حکومت کے خواہاں ہیں اور اسی لئے اکثریت کی حکومت (پاکستان) کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم بھی خدائی بادشاہت ہی چاہتے ہیں اور اسی غرض سے کانگریسی شیئرز کا ساتھ دے رہے ہیں..... ہم بھی قانونِ الہی کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اسی مقصد کے حصول کے لئے غیر الہی مجلسِ قانون ساز کی ممبری کے لئے الٹن لڑتے ہیں..... ہم بھی خدائی نظام کے قیام کے لئے کوشاں ہیں اور اسی مطلب کے لئے طاغوتی نظام کی حمایت کے لئے پچاس ہزار جانا باز دے رہے ہیں غرض جو شخص جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ اسی ایک مقصد کے لئے کر رہا ہے وہ طاغوتی نظام کی مشین کا رُزہ بننا ہے تو حکومتِ الہیہ کے لئے کھرم، شاغل کو دینی خدمت سمجھ کر اختیار کرتا ہے تو خدائی بادشاہت کے لئے۔ تارک الصلوٰۃ ہے تو قانونِ الہی کے نفاذ کے لئے خدا کے باغیوں اور ان کی ہر شے کی محبت و طلب ہے تو آسمانی نظام کی اقامت کے لئے خدا کی نافرمانی

ہے تو خدائی نظام اطاعت کے قیام کے لئے غیر الہی نظام حکومت و عدالت کو تسلیم کئے ہوئے ہیں تو صرف اللہ کے قانون اور حکومت کو تسلیم کرانے کے لئے آخر یہ کیا قصہ ہے؟ اگر ہم مجبورانہ اضطرار میں ہوں اور ذرہ برابر بھی رضا اور رغبت نہ ہو تو بعض حالتیں اللہ کے نزدیک بھی قابلِ عفو ہیں لیکن یہ تناقضات سے بھرا ہوا قول و عمل یا تو ہمارے توازنِ دماغی کی خرابی ہے یا فریبِ خوردہ نفس کی غلطی ہم حکومتِ الہیہ کے قیام کی کچھ توقع کر سکتے ہیں تو اس ہی لوگوں سے جو کم از کم تمام غیر الہی نظام کے متعلق اولاً تو کمالِ عدم تسلیم کا اعلان کر دیں پھر اپنی کچھ بیاں ایسے تمام اداروں اور مجلسوں سے بالکل ہٹالیں جن کا نصب العین حکومتِ الہی کے سوا کچھ اور ہو۔ خواہ وہ نصب العین آزادی وطن ہو یا اقتدارِ قومی یا پراوشل اٹانومی یا مطلق وزارت و حکومت و غیرہ اس کے بعد اپنی عملی زندگی سے یہ واضح کر دیں کہ ہم صرف اللہ کے محکوم۔ اسی کے طالب۔ اسی کے نائب ہیں کم از کم وہ طاعتیں تو اختیار کریں جن میں بجز اپنے نفسِ امارہ کی حکومت کے اور کوئی مانع نہیں اگر یہ باتیں نہ ہوں تو پھر قیامِ حکومتِ الہیہ کے ہر مدعی سے خوش گمانی پیدا کر لینا کس طرح ہوا ہو سکے گا۔

جو لوگ اس انتظار میں
فریبِ نفس سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ جب پراوشل اٹانومی مل جائے گی تو ہم کا شروع کریں گے ان سے قیامِ حکومتِ الہیہ کی توقع بالکل بے معنی ہے۔ ایسی خوش گمانی تو آپ

بلکہ سے بھی کر سکتے ہیں کہ گواہوں نے ظاہر تو نہیں کیا۔ لیکن فتح پانے کے بعد وہ حکومتِ الہیہ ہی قائم کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری باتیں قریب نفس میں طفلِ تسلیمان ہیں۔ قرآنی قانون پر چلنے سے دنیا کی کوششی طاقت روک سکتی ہے؟ اور جو آج اپنے نظامِ زندگی کے اکثر حصے میں بالکل خلافِ قانونِ الہی بلا ارادہ یا بالارادہ چل رہا ہے۔ اس کے متعلق ہم کیوں کر یہ گمان کریں کہ اختیارات ملنے پر وہ اور فرعون بے سامان نہ بن جائے گا؟

ہم دعا کہتے ہیں اور آپسے
مسلمان جماعتوں سے گزارش | بھی اسی کے طالب ہیں کہ ہماری
 ساری جماعتیں جس طرح خالص اسلامی نصب العین کے زبانی
 اقرار میں متحد ہو گئی ہیں جلد سے جلد اسی طرح اس کے حصول کے
 لئے طریق کار بھی خالص اسلامی تلاش کرنے میں کامیاب ہوں

آمین

